افکار و حوادث

(جلد اوّل)

مصنّف:

عبدالمجید سالک

مرتب

محمد حمزہ فاروقی

مغربی پاکستان اردو اکیڈمی ۔ لاہور

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

Marfat.com

افکار و حوادث

جلد اول

(انقلاب کے اپریل ۱۹۲۷ء سے دسمبر ۱۹۳۱ء تک کے کالموں کا انتخاب)

مصنف: عبدالمجید سالک

مرتب: محمد حمزہ فاروقی

مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور

Marfat.com

Marfat.com

مقدمہ

مولانا عبدالمجید سالک نے جس زمانے میں اپنے عملی اور ادبی سفر کا آغاز کیا تھا اس وقت بین الاقوامی حالات میں تبدیلیوں کی بنا پر ہندوستانی معاشرہ اور سیاست بھی تغیر و تبدل کی زد میں تھے۔ یورپ میں صنعتی انقلاب کے ساتھ ہی یورپی اقوام میں ہوس ملک گیری کا جذبہ بڑھتا چلا گیا۔ ایشیا' افریقہ اور جنوبی امریکہ کے وسیع رقبے یورپی سامراجی قوتوں کے قبضے میں آئے۔ اس طرح انہیں ارزاں نرخ پر خام مال اور معدنیات کے ذخائر میسر آئے اور تیار شدہ مال کے لیے وسیع منڈیاں ان کی دسترس میں تھیں۔

اٹھارویں صدی میں یورپی طاقتوں کا براہ راست مقابلہ مسلم اقوام سے ہوا اور یکے بعد دیگرے مسلم ممالک آزادی سے محروم ہوئے چلے گئے۔ بیسویں صدی کے ابتدائی عشرے میں گنتی کے چند نیم جان مسلم ممالک باقی تھے جو اپنی آزادی اور بقا کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ ان میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی امین سلطنت عثمانیہ بھی تھی جو یورپی طاقتوں کے ہاتھوں شکست و ریخت کے مراحل تیزی سے طے کر رہی تھی۔ جنگ بلقان اور جنگ طرابلس نے ہندوستانی مسلمانوں میں بھی زبردست اشتعال پیدا کیا اور ان میں بھی آزادی کا جذبہ ابھرنے لگا۔ اقبال' ابوالکلام آزاد' محمد علی اور ظفر علی خان کی تحریروں نے مسلم ہند کی رائے عامہ کو بدلنے اور جذبہ آزادی کو تندو تیز کرنے میں زبردست حصہ لیا تھا۔ سالک کے ذہنی ارتقا میں اقبال اور آزاد کی تحریروں کا بہت بڑا حصہ تھا۔ ۱۹۱۳ء میں سالک کے دل میں صحافی بننے اور ظفر علی خان کے دوش بدوش کام کرنے کی آرزو نے جنم لیا۔ (۱)

اس دور میں جو مسلم سیاسی تحریکات برصغیر میں جاری تھیں ان کا بنیادی مقصد ہندوؤں کے اشتراک سے ہندوستان کی آزادی کا حصول اور دنیائے اسلام کو سامراجیوں سے نجات دلانا اور متحد کرنا تھا' چنانچہ سالک کے ذہن پر ان تحریکات بالخصوص تحریک خلافت نے گہرے نقوش مرتسم کیے تھے اور وہ صحافت کے ذریعے ان مقاصد کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔ "زمیندار" کی ادارت کے زمانے میں آپ نومبر ۱۹۲۱ء

Marfat.com

میں اس میں حصہ لینے کی بنا پر ایک سال کے لیے نظربند کر دیے گئے تھے۔ تحریک خلافت کی ناکامی نے انہیں متحدہ قومیت کے سراب سے ہمیشہ کے لیے دور کر دیا اور آپ برصغیر کے مسلمانوں کے علیحدہ حقوق اور جداگانہ نیابت کے تحفظ کے لیے کوشاں رہے۔ سالک کے سیاسی شعور کو اس راہ پر لانے میں اقبال اور مولانا غلام رسول مہر کا ہاتھ تھا۔

سالک چھوٹی عمر ہی میں ملازمت اور ازدواج کے بندھنوں میں گرفتار ہو گئے' چنانچہ انہیں ابتدا میں رسمی تعلیم کو پورا کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ "زمیندار" سے وابستہ ہونے کے بعد ایف۔ اے اور بی۔ اے کے امتحانات پاس کیے (۲)۔ انہوں نے اپنے فنی سفر کا آغاز شاعری سے کیا تھا لیکن ادب و انشا میں صحیح معنوں میں ان کی تربیت مولوی سید ممتاز علی نے کی تھی جو سر سید کے ساتھیوں میں سے تھے اور ان کی تحریک سے وابستہ رہے تھے۔ سالک ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولوی صاحب کے دو ہفتہ وار رسالوں "تہذیب نسواں" اور "پھول" کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اس سے قبل سالک نے اردو اور فارسی کے کلاسیکی ادب کا بھرپور مطالعہ کیا تھا لیکن ان کی ادبی صلاحیتوں کو مولوی صاحب کی تربیت نے جلا بخشی (۳)۔

یکم اپریل ۱۹۲۰ء کو سالک "زمیندار" سے وابستہ ہوئے اور یہاں سے ان کی ادبی اور صحافیانہ زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا (۴)۔ اس سے پہلے آپ کا صحافت اور سیاست سے تعلق نہ تھا لیکن "زمیندار" سے وابستگی کے بعد اب آپ ان میں بھرپور حصہ لینے لگے۔

"زمیندار" ایک عہد ساز اخبار تھا' اسے مولوی سراج الدین احمد نے زمینداروں کے مفادات کی نگہبانی کے لیے ۱۹۰۳ء میں کرم آباد سے جاری کیا تھا۔ ۱۹۰۹ء میں مولانا ظفر علی خان اس کے مالک اور مدیر بنے اور ۱۹۱۰ء میں یہ لاہور منتقل ہو گیا۔ مولانا نے ۱۹۱۱ء میں اسے ہفت روزہ کی بجائے روزنامہ میں تبدیل کر دیا۔ اس وقت مسلم دنیا میں جو سیاسی تبدیلیاں ہو رہی تھی' ان سے پنجاب کے مسلمان پوری طرح آشنا نہ تھے۔ پنجاب کے امراء اور زمیندار قومی اور سیاسی شعور سے بے بہرہ تھے اور

Marfat.com

معاشرے میں اپنی سیادت برقرار رکھنے کے لیے انگریز حاکموں کی چشم التفات کے محتاج تھے' جبکہ عوام غربت و جہالت کی دلدل میں گرفتار تھے۔ اورنگ زیب عالم گیر کے بعد پنجاب بقیہ ہندوستان کی نسبت کہیں زیادہ بیرونی حملوں' طوائف الملوکی اور انتشار کا شکار رہا تھا۔ انیسویں صدی کے وسط میں سکھوں کی شکست کے بعد پنجاب جب انگریزوں کے قبضے میں آیا تو یہاں کے مسلمانوں نے سکون کا سانس لیا اور گزشتہ طوائف الملوکی کی نسبت انگریزی اقتدار کو غنیمت جانا۔

"زمیندار" کے دور نو سے قبل پنجاب کی صحافت مصلحتوں کی شکار' سادہ اور بے روح انداز کی تھی۔ لوگ انگریزوں کے خلاف زبان کھولتے ہوئے ڈرتے تھے۔ "زمیندار" نے یہاں کے مسلمانوں کو جرات سے آشنا کیا اور برطانوی سامراج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنے کا حوصلہ دیا۔ مولانا جس چیز کو حق تصور کرتے تھے اس کے اظہار میں شمشیر برہنہ تھے۔ انہوں نے آزادی کی جدوجہد میں بارہا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ زمیندار کئی مرتبہ بند ہو کر دوبارہ جاری ہوا' اس کی ضمانت بار بار ضبط کی جاتی رہی لیکن مولانا ظفر علی خاں کا حق آشنا قلم مصلحتوں سے بے نیاز جہاد آزادی میں مصروف رہا۔

ظفر علی خان کو نظم و نثر پر بے مثال قدرت حاصل تھی۔ وہ خود بھی زبان کی نزاکتوں کا خیال رکھتے تھے اور اپنے رفقائے کار سے بھی یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ اعلیٰ ادبی معیار برقرار رکھیں۔ چنانچہ انہوں نے اردو صحافت کو ایک نئے اسلوب سے آشنا کیا جسے ہم اردو صحافت کا ادبی اسلوب کہہ سکتے ہیں۔ "زمیندار" کا اسلوب خطیبانہ زبان فصیح و بلیغ اور عربی و فارسی تراکیب سے مرصع ہوتا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں "زمیندار" نے رائٹر اور دوسری خبر رساں ایجنسیوں کی خدمات حاصل کیں اور پہلی جنگ عظیم کے بعد بڑی تقطیع پر اخبار چھاپا۔ یہ اردو صحافت میں نئے تجربات تھے (۵)۔

سالک جس زمانے میں "زمیندار" سے وابستہ ہوئے اس وقت تحریک خلافت زوروں پر تھی اور ملک اتحاد اسلامی' ہندو مسلم اتحاد اور آزادی کے غلغلوں سے گونج رہا تھا۔ "زمیندار کے مالک و مدیر اور عملہ بھی اس تحریک میں دل و جان سے شریک

Marfat.com

تھے خود سالک نومبر ۱۹۲۱ء میں اس تحریک میں حصہ لینے کی وجہ سے ایک سال کے لیے نظر بند کر دیئے گئے تھے۔

ظفر علی خاں چو مکھی جنگ لڑتے تھے' چنانچہ "زمیندار" کی پالیسی بھی ان کے سیمابی مزاج اور پسند و ناپسند کے تابع تھی۔ اس کے اداریے اور فکاہیہ کالم ان کی تلون مزاجی کے آئینہ دار تھے۔ ان کے موضوعات ہنگامی سیاست کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہتے۔ انگریزی سامراج سے تو مستقل آویزش تھی لیکن مولانا نظم اور نثر دونوں کے ذریعے ہندو فرقہ پرستوں کی خبر لیتے۔ تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد ہندو مسلم مفاہمت کا خواب جو دونوں قوموں کے معتدل مزاج رہنماؤں کا مقصود تھا' ہمیشہ کے لیے شکستہ ہو گیا۔ بدلے ہوئے حالات میں مولانا شدھی اور سنگھٹن جیسی مسلم آزار تحریک کا نہ صرف مقابلہ کرتے تھے بلکہ مسلمانوں کو اسلام کے نغمہ سرمدی سے سرشار ہو کر دنیا پر چھا جانے کی تلقین فرماتے تھے۔ اخبار کے صفحہ اول پر مولانا کی نظم ہوتی تھی اور اندر مقالہ افتتاحیہ اور فکاہیہ کالم میں بھی انہیں خیالات کا اعادہ ہوتا تھا۔ ہندو مسلم آویزش کے علاوہ کبھی بناوٹی پیروں فقیروں کی شامت آئی تو کبھی ابن سعود کی حمایت اور بدعتیوں کی مخالفت میں زمین و آسمان ایک کیا جاتا تھا کبھی قادیانیوں کے خلاف لکھا جاتا تو کبھی معاصر سیاست دانوں کی خبر لی جاتی تھی۔ غرض مولانا کی ہنگامہ خیز شخصیت نہ خود چین لیتی اور نہ حریفوں کو چین سے رہنے دیتی۔ زمیندار سے تعلق قائم ہونے کے بعد سالک نے ظفر علی خاں سے خبروں کی ترتیب اور صحافت کے بنیادی اصول سیکھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں سالک اداریے کالم بھی لکھنے لگے اور مولانا کی رہنمائی میں اخبار اداریے فرائض انجام دینے کے قابل ہو گئے۔

سالک اداریے فرائض انجام دینے کے علاوہ ایک مزاحیہ کالم "افکار و حوادث" بھی تحریر فرماتے تھے۔ یہ کالم حسن بیان' خوبی زبان' شگفتگی اور نکتہ سنجی کی بنا پر عوام اور خواص دونوں میں بے حد مقبول تھا۔ علامہ اقبال بھی اس کالم کے قدر دان تھے (۲)۔

سالک نے ابتدائی دور میں فارسی اور اردو کلاسیکی ادب کا وقت نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ بعد میں انہوں نے انگریزی اور ہندی ادب سے بھی آشنائی حاصل کی۔ ان تمام

Marfat.com

عوامل نے مل کر ان کے اسلوب میں خاصی جاذبیت پیدا کی تھی۔ ان کے معاصرین مثلاً ظفر علی خاں اور مہر کی زبان بہت ثقیل اور عربی و فارسی تراکیب سے گراں بار ہوتی تھی۔ ان کے یہاں طویل فقرے اور مشکل الفاظ بکثرت ملتے تھے جبکہ سالک کے فقرے مختصر ہوتے تھے۔ ان کا انداز تحریر دل نشین' سہل اور دل کش تھا۔ فارسی اور عربی تراکیب سے انہیں پرہیز نہ تھا لیکن ان کے یہاں خوب صورت اور سبک ہندی الفاظ بھی ملتے تھے۔ انہیں فارسی اور اردو کے بے شمار اشعار یاد تھے جنہیں وہ موقع محل کی مناسبت سے ہیروں کی مانند جڑتے تھے۔ ان کے فکاہیہ کالموں کا اسلوب مکالماتی تھا۔ یوں لگتا تھا کہ اخبار کے صفحات کے ذریعے وہ مجلس احباب میں بلبل کی مانند چہچہا رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے اسلوب کی شرط اولیں بے تکلفی کی فضا تھی' اس پر مستزاد زبان و بیان پر انہیں بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ ان کا طنز کا وار بہت گہرا اور تیز تھا۔ جن موضوعات یا شخصیات پر آپ قلم اٹھاتے ان کے مضحکہ خیز پہلوؤں کو نمایاں کرتے چلے جاتے۔ پھبتی کسنے میں بھی آپ کسی سے پیچھے نہ تھے۔ چند الفاظ میں آپ کسی خاص واقعہ کی محاکاتی تصویر پیش کر دیتے تھے۔ ان کے عطا کردہ مضحکہ خیز خطابات فوراً عوام میں مقبول ہو جاتے تھے۔ مثلاً مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو بخار اللہ شاہ عطائی یا مولانا مظہر علی اظہر کو مولانا ادھر علی ادھر کا خطاب دیا تھا۔

سالک نے اپنے ادبی سفر کے آغاز میں شاعری بھی کی اور افسانہ نگاری بھی لیکن "زمیندار" سے وابستہ ہونے اور اپریل ۱۹۲۷ء میں "انقلاب" کے اجراء بعد صحافت ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہو گئی۔ آپ کی اصل شناخت ادب کی بناء پر تھی اور اس میں بھی فکاہیہ کالم نگاری میں ان کا رنگ ایسا جما کہ باقی تمام رنگ پھیکے پڑ گئے۔ ادارتی ذمہ داریوں کے ساتھ روزانہ فکاہیہ کالم لکھنا آسان نہ تھا لیکن سالک نے اپنے لئے ایک نئی راہ نکالی اور ادبی فکاہیہ کالم نگاری کی ایسی روایت کا آغاز کیا جو بعد میں آنے والے ادیبوں کے لیے مشعل راہ کا کام دیتی رہی۔

سالک کا کالم عموماً ایک سے زیادہ موضوعات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس طرح ایک

Marfat.com

ہی کالم کے گل دستے میں سیاست' ادبیات' معاصر شخصیات' پیروں فقیروں یا مغربی تہذیب کے مضحکہ خیز پہلوؤں پر تبصرہ کیا جاتا تھا۔ ان کے یہاں مزاح کی نسبت گہرا طنز پایا جاتا تھا۔ کہیں کہیں اس میں تلخی کی آمیزش بھی ہوتی تھی۔ سالک کا مطالعہ بہت وسیع تھا' اس کے علاوہ ان کے مشاہدات بہت متنوع اور رنگا رنگ تھے' چنانچہ جس موضوع پر قلم آزمائی فرماتے' اس کی جزئیات تک چند لفظوں میں پیش کر دیتے۔ بیان میں بے ساختگی تھی اور اسلوب میں ایجاز و اختصار پایا جاتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آب صافی کا چشمہ سنگلاخ چٹانوں کے درمیان سے نکل کر سرسبز میدانوں کی جانب رواں دواں ہو۔ سالک کی ادبی و صحافتی زندگی میں اہم موڑ اس وقت آیا جب آپ نے مہر کے اشتراک سے اپریل ۱۹۲۷ء میں "انقلاب" جاری کیا۔ "زمیندار" کے وہ ملازم تھے لہٰذا وہاں ان کے قلم پر کچھ پابندیاں عاید تھیں' اب ان کا اپنا اخبار تھا' اس لیے آزادی کی فضا میں ان کا اسلوب مزید پختہ ہوا اور نکھر گیا۔

سالک کے یہاں ایک خامی بری طرح کھٹکتی ہے۔ وہ ان کی معاشرہ کے سماجی اور اقتصادی ڈھانچہ سے مفاہمت تھی۔ وہ اپنے مذہبی عقاید کی بناء پر بناوٹی پیروں فقیروں کی جعل سازیوں کی خوب پردہ دری کرتے تھے لیکن علمائے سوکی ریا کاریوں پر پردہ ڈالتے تھے اور انہیں چھیڑنے کی کبھی جرات نہ کرتے تھے۔ جذبہ آزادی جو ان کے معاصرین مثلاً ظفر علی خان اور محمد علی کی تحریروں میں شعلہ جوالہ کی مانند بھڑکتا تھا' سالک کے یہاں یہ جذبہ دھیمے سروں میں اور مصلحتوں کا شکار تھا۔ مزید یہ کہ انہوں نے استحصالی طبقات مثلاً زمینداروں' جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے خلاف کبھی ایک لفظ نہ لکھا بلکہ انقلاب نے ہمیشہ ان طبقات کا ساتھ دیا۔ پنجاب میں بالخصوص اور جنوبی ایشیا میں بالعموم ان طبقات کا وجود انگیز سامراجیوں کا مرہون منت تھا اور وہ عوام کے مفادات اور رجحانات سے بے نیاز ہو کر اپنے اور اپنے آقاؤں کے مفادات کے نگہ بان تھے۔ جب اس مراعات یافتہ طبقے نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تو انقلاب ان کی حمایت میں پیش پیش تھا۔ یہ تاریخ کا زبردست المیہ تھا کہ ۱۹۳۱ء کی ابتدا میں انقلاب اقبال کے خطبہ الہ آباد کا موئد تھا اور شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کے لیے

Marfat.com

علیحدہ وطن کا زبردست حامی تھا لیکن ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۶ء میں ان یونینسٹوں کی حمایت کر رہا تھا جنہوں نے عام انتخابات میں شکست کھانے کے بعد مسلم لیگ اور قائد اعظم کی مخالفت کی اور پنجاب میں وزارت سازی کے لیے کانگرس کی طرف دست تعاون دراز کیا تھا۔

سالک نے جس دور میں آنکھیں کھولیں' اس وقت ملک میں کئی سیاسی دھارے بہہ رہے تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا تھا جس نے انگریزی اداروں میں تعلیم پائی تھی اور انگریزوں کی بنا کردہ سیاسی جماعت کانگرس کو اپنا پلیٹ فارم بنایا تھا۔ یہ طبقہ متحدہ قومیت کو اپنا مقصود قرار دیتا جبکہ حقیقت میں ہندوستان ایک جغرافیائی یا انگریزوں کی بنا پر سیاسی وحدت تو تھا لیکن ہندوستانی نہ اس وقت ایک قوم تھے اور نہ بعد میں ایک قوم بن سکے۔ اس کے ساتھ ہندو نشاہ ثانیہ اور سرسید کی تحریکیں ابھری تھیں۔ ان تحریکات کے اثرات دور رس تھے اور انہوں نے دونوں قوموں پر مذہبی' سیاسی اور تمدنی اثرات مرتب کیے۔ اس کے ساتھ فرقہ پرستی کے زہر نے بھی ہندوستانی معاشرے کو متاثر کیا تھا۔ پنجاب میں فرقہ واریت زوروں پر تھی اور یہاں کی سیاست' معیشت اور صحافت تک اس سے محفوظ نہ تھے۔ اگر مختلف فرقوں اور قوموں کے رہنما اپنے اپنے فرقوں اور اقوام کی بہبود کے لیے کام کرتے رہتے تو کوئی حرج نہ تھا لیکن دشواری یہ تھی کہ ہندوستان میں ایک قوم کی برتری یا ترقی دوسری قوم کی غلامی یا بربادی کے ساتھ مشروط تھی۔ اس نفرت انگیز ماحول کو انگیز حکمران اپنے سامراجی عزائم کے پیش نظر مزید تقویت پہنچا رہے تھے اور مختلف اقوام کے درمیان تعصب اور نفرت کے شعلوں کو بھڑکا رہے تھے۔

پنجاب میں مسلمان ۵۶ فیصد تھے لیکن ان کی مجالس قانون ساز میں نمائندگی ان کی آبادی کے تناسب سے نہ تھی۔ سندھ بمبئی سے وابستہ تھا اور سرحد و بلوچستان آئینی اصلاحات سے ناآشنا تھے۔ مسلمان بالعموم زراعت سے وابستہ تھے اور تجارت' صنعت اور سرکاری ملازمتوں پر ہندو اور سکھ چھائے ہوئے تھے۔ "انقلاب" نے ابتدا ہی سے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی۔ اس کا ایک مقصد تو اس

Marfat.com

غیر منصفانہ تناسب کو تبدیل کرنا تھا تو دوسرا مقصد مسلمانوں کو مختلف شعبہ ہائے حیات میں ترقی کی راہ پر گامزن کرنا تھا۔ اس طرح "انقلاب" کا ہندو فرقہ پرست تنظیموں اور اخبارات سے براہ راست ٹکراؤ ہوا۔

پنجاب میں انگریزی اقتدار کے ساتھ ہی ہندو مذہب کے احیا' عیسائی مشنریوں کی تبلیغی سرگرمیاں اور قادیاں سے جھوٹی نبوت کے دعوے نے معاشرے میں انتشار پیدا کیا۔ اس طرح یہاں رواداری کی جگہ دل آزاری اور تعصب نے لے لی تھی۔ صورت حال کو مناظرہ بازی نے مزید خراب کیا۔ اس دور میں مختلف مذاہب اور محترم مذہبی شخصیات کے متعلق دل آزار کتابیں شائع ہوتی تھیں' چنانچہ اس دور کی صحافت ان حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ سالک کے "افکار و حوادث" بھی اس صورت حال کے آئینہ دار تھے۔

پنجاب کے جاگیرداروں اور زمین داروں نے جن کی اکثریت مسلمان تھی' ہندو اور سکھ زمین داروں کے ساتھ مشترکہ مفادات کے تحفظ کی خاطر ربط بڑھایا اور یونینسٹ پارٹی کے ذریعے اپنا اقتدار قائم کیا تھا۔ اس جماعت کے قیام کا ایک مقصد شہروں سے ابھرنے والی متوسط طبقے کی قیادت اور ترقی پسندانہ قوتوں کو ابھرنے سے روکنا تھا۔ "انقلاب" نے مالی مفادات کے لیے یونینسٹوں کی حمایت کی اور رجعت پسند قوتوں کے ہاتھ مضبوط کیے۔ دوسری طرف ہندو فرقہ پرست تنظیموں اخبارات اور کانگرس سے اس کی جنگ جاری رہی لیکن اس نے کسی دور میں بھی مسلمان کے سماجی حقوق اور معاشی مفادات کے تحفظ سے روگردانی نہ کی۔ "انقلاب" کے ادارتی اور فکاہیہ کالم ان موضوعات سے بھرے پڑے تھے۔

"افکار و حوادث" کا ایک مرغوب موضوع معاصر ادیبوں' شاعروں اور صحافیوں سے نوک جھونک تھا۔ اس دور کی صحافت کا انداز معروضی اور غیر جانب دارنہ تھا بلکہ شخصی اور تاثراتی تھا۔ مدیر عموماً ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنے اور ذاتیات میں الجھنے کے شائق تھے۔ سالک کے کالم بھی اس عیب سے پاک نہ تھے' چنانچہ ان میں معاصر مدیروں اور ادیبوں اور شاعروں کا نام لے لے کر ان کی کمزوریوں اور کردار کے مضحکہ

Marfat.com

خیز پہلوؤں پر تبصرہ کیا جاتا تھا۔ یہ نقد و تبصرہ محض سیاسیات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی زد میں زبان و بیان کی خامیاں اور شاعرانہ لغزشیں بھی آتی تھی۔ سالک کو زبان و بیان پر جو قدرت حاصل تھی' معاصر ادیبوں اور شاعروں میں بہت کم ان کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ پھر انہوں نے شعر و ادب کا ایک کڑا معیار قائم کیا تھا۔ پنجاب کے ہندو ادیبوں اور صحافیوں کی زبان و بیان میں بہت سی خامیاں تھی جن پر سالک سختی سے گرفت کرتے تھے۔ ان کالموں میں بعض مقامات پر طنز و مزاح کے اعلیٰ معیار کی جگہ ناگوار تلخی نظر آتی تھی۔

سالک کا ایک دل پسند موضوع جنس تھا۔ وہ عموماً مغربی تہذیب کے برے پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہوئے اور بناوٹی پیروں فقیروں کے حالات رقم کرتے ہوئے جنسی معاملات کو مزے لے لے کر بیان کر دیتے تھے۔ وہ اس موضوع پر لکھتے ہوئے نہ صرف تر زبان بلکہ تر قلم بھی رہتے تھے۔ ان کے کالموں میں اگر طوائفوں کا ذکر آتا تو ان کا مقصد محض تلذذ پسندی تھا' معاشرے میں صحت مندانہ سماجی تبدیلیاں مقصود نہ تھیں جن سے اس برائی کا خاتمہ ہو سکتا۔ سالک روایتی ناصح کے پردے میں تلذذ پسندی سے آگے نہ بڑھ سکے۔

سالک نے فکاہیہ کالم نگاری کا آغاز "زمیندار" میں ملازمت کے دوران کیا تھا۔ یہ روایت "انقلاب" کے دور آخر میں اکتوبر ۱۹۴۹ء تک جاری رہی۔ ان کی دیکھا دیکھی بہت سے اردو اخبارات میں مزاحیہ کالم لکھے جانے لگے۔ سالک کے معاصرین میں سے چراغ حسن حسرت ایسے ادیب تھے جنہوں نے نہ صرف اس روایت کو آگے بڑھایا بلکہ اپنے باغ و بہار قلم سے عمدہ فکاہیہ کالم اور مزاحیہ سیاسی ادب پیش کیا تھا۔ سالک کا فنی ارتقا جاننے کے لیے ضروری تھا کہ "زمیندار" کے کالموں کا انتخاب بھی پیش کیا جاتا لیکن کراچی میں "زمیندار" کے مکمل فائل میسر نہ تھے۔ یہ کالم اپنے دور کے سیاسی' سماجی اور تہذیبی رجحانات جاننے کا اہم ماخذ ہیں۔ یہ اس دور کا ایسا مرقع ہیں جس کی اہمیت وقت کے ساتھ بڑھتی جائے گی۔ ان کی مدد سے ایک پورا دور زندہ ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ ان کالموں کے ذریعے اس عہد کی ادبی' سیاسی اور صحافتی

Marfat.com

متعلق شخصیات کی زندگی کے ان گوشوں پر روشنی پڑتی ہے جو عام نظروں سے اوجھل ہیں۔ مختلف تحریکات نے جو سیاسی اور سماجی اثرات معاشرے پر مرتب کیے تھے ان کا ادراک بھی ان کالموں کے ذریعے ہوتا ہے گویا یہ اس عہد کی تاریخ سمجھنے کا اہم ذریعہ ہیں۔ لیکن یہ اخبارات ہماری دسترس ہی نہیں ہیں۔

زیر نظر مجموعہ "انقلاب" میں شائع شدہ اپریل ۱۹۲۷ء سے دسمبر ۱۹۳۱ء تک کے غیر سیاسی کالموں کا انتخاب ہے۔ اس کا پہلا باب سالک کی سوانح سے تعلق رکھتا ہے جو آپ نے مختلف اوقات میں اپنے متفرق حالات کالموں میں رقم کیے تھے۔ ان کی اہمیت کے پیش نظر ان حالات کو اولیت دی گئی تھی۔ دوسرا باب ادبی معاصرین سے متعلق ہے۔ مہر سے تو ان کا دن رات کا ساتھ تھا لیکن دیگر معاصرین مثلاً ملا رموزی، مولوی عبدالحق، سیماب اکبر آبادی، ساغر نظامی، خواجہ حسن نظامی اور نیاز فتح پوری سے ان کے معاندانہ یا دوستانہ تعلقات تھے۔ وہ دور اب ختم ہو چکا اور اس کے ساتھ ہی اس عہد کے ادبی اور غیر ادبی مناقشات بھی تمام ہوئے۔ اب ان کا تذکرہ ادبی اور صحافتی تاریخ کی امانت ہے۔

تیسرا باب اخبار "انقلاب" سے متعلق ہے۔ "انقلاب" کی زندگی کے مختلف مراحل، ابتدائی مشکلات اور مستقل و غیر مستقل خریداروں کے حصول میں سالک جن دشواریوں سے گزرتے رہے ان کا اندازہ ان کالموں سے ہوتا ہے۔ آئندہ تاریخ صحافت یا "انقلاب" کی تاریخ کی ترتیب میں یہ کالم بنیادی ماخذ ثابت ہوں۔ مجموعے کا چوتھا اور پانچواں باب معاصر ادیبوں اور اخبار نویسوں سے ادبی اور غیر ادبی معاملات میں معرکہ آرائی سے متعلق ہے۔

سالک کو تاریخ سے بہت لگاؤ تھا، اس کا ثبوت ان کے وہ کالم ہیں جن میں وہ ہندوستانی اور عالمی تاریخ کے دل چسپ واقعات پیش کرتے تھے۔ علاوہ ازیں اس وقت ہندوستان کی روایتی تہذیب اور مغربی تہذیب کے ملاپ سے جو کشمکش ابھری تھی اس کی عکاسی زیر نظر مجموعے میں ملتی ہے۔ اس دور کے سماج کی ان جھلکیوں کا محفوظ کیا جانا بہت ضروری تھا۔

Marfat.com

سالک کا مغربی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ اور مشاہدہ بہت محدود تھا۔ جب آپ اس مختلف پہلوؤں پر تبصرہ فرماتے تو آپ کا نقطہ نظر جارحانہ اور قدامت پسندانہ ہوتا تھا۔ انگریز حکمرانوں کی وجہ سے عوام کے جذبات مغربی تہذیب کے حق میں نہ تھے۔ سالک بھی مغربی تہذیب و تمدن پر تنقید کرتے ہوئے اکبر الہ آبادی سے قریب تھے لیکن ان میں اور سالک میں ایک فرق یہ تھا کہ اکبر مصلح تھے اور وہ مشرقی تہذیبی روایات کے تحفظ کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب کی ان اقدار کو پسند کرتے تھے جن کی بنا پر یہ تہذیب دنیا پر غالب آ رہی تھی اور جو اسلام اور ہند اسلامی تہذیبی روایات سے متصادم نہ تھے۔ اس کے برخلاف سالک تلذذ پسندی کی خاطر مغربی تہذیب کی جنسی بے راہ روی کے موضوع کو نمایاں طور پر پیش کرتے تھے' اس طرح اس پر تنقید بھی ہو جاتی اور لذت بھی ملتی۔ ع

رند کے رند رہے اور جنت ہاتھ سے نہ گئی

اس دور کے ہندی مسلمانوں میں چند معاشرتی برائیاں مثلاً پیر پرستی' گور پرستی' بے عملی اور گمراہی غربت' جہالت' صحیح دینی شعور نہ ہونے کی بنا پر راہ پا گئی تھیں۔ اس طرح بناوٹی پیروں' فقیروں کی بن آئی تھی اور وہ مذہبی ہتھ کنڈوں کے ذریعے عوام کو گمراہ کرتے اور دونوں ہاتھوں سے لوٹتے تھے۔ اقبال نے بیسویں صدی کے اوائل میں روایتی تصوف کے خلاف آواز بلند کی تھی لیکن ان کا پیغام عملی سطح پر تھا اور معاشرے پر اس کے اثرات فوراً ظاہر نہ ہوئے۔ عوامی سطح پر ظفر علی خاں اور سالک نے جعلی پیروں فقیروں کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ سالک بظاہر ان کے شیطانی اعمال کو منظر عام پر لا کر عوام کو ان کے چنگل سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ انہوں نے فکاہیہ کالموں کے ذریعے مسلم رائے عامہ کو اس "فرقہ سالوسیہ" کے خلاف منظم کیا تھا۔ لیکن در پردہ وہ اس سے لذت کشید کر کے رہ گئے۔ زیر نظر مجموعہ کا آخری باب انہیں کالموں کا انتخاب ہے۔

"انقلاب" کے اپریل ۱۹۲۷ء سے اکتوبر ۱۹۴۹ء تک کے غیر مکمل فائل نیشنل بینک آف پاکستان کی لائبریری میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ادارہ تحقیقات پاکستان'

Marfat.com

دانش گاہ پنجاب اور لاہور میوزیم لائبریری میں "انقلاب" کے فائل ملتے تھے۔ راقم نے ان تینوں سے استفادہ کیا تھا اور ان اداروں کے منتظمین کی عنایات کے لیے نہ دل سے ممنون ہوں۔

زیر نظر مجموعہ "انقلاب" کی ابتدا اپریل ۱۹۲۷ء سے دسمبر ۱۹۳۱ء تک کے غیر سیاسی کالموں کا انتخاب ہے۔ راقم نے ان کالموں کو موضوعات کے اعتبار سے تقسیم کیا' پھر ترتیب زمانی کے اعتبار سے انہیں یک جا کر دیا۔ جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی مختصر حواشی لکھ دئے تھے۔

آخر میں ان ساتھیوں اور دوستوں کا شکریہ ادا کرنا اپنا خوش گوار فریضہ تصور کرتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین کے مختلف مراحل میں رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی۔ میں بطور خاص ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اور عبدالرشید ارشد صاحبان کا ممنون ہوں جنھوں ان کالموں کا حق اشاعت دیا۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر وحید قریشی' مشفق خواجہ' اکرام چغتائی' ڈاکٹر عبدالشکور احسن' خالد شمس الحسن اور ڈاکٹر جعفری کا شکر گزار ہوں' جن کی عنایات سے یہ مجموعہ شرمندہ اشاعت ہو سکا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

محمد حمزہ فاروقی

بدھ ـ ۲۰ جولائی ۱۹۹۰ء

۱/۲۹ خیابان شجاعت

ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی

منطقہ ۵۔ کراچی

Marfat.com

حوالہ جات

(۱) سالک نے اس خواہش کا اظہار ظفر علی خاں سے ایک موقع پر کیا تھا
یاران کہن ۔ از عبدالمجید سالک ص ۷۳۔۲۔۷۷۔ لاہور ۔ ۱۹۵۶ء

(۲) نقوش لاہور نمبر۔ شمارہ ۹۲۔ ص ۸۹۳۔ ۳ یاران کہن ۔ ص ۵۹۔۵۷

(۴) مولانا غلام رسول مہر۔ حیات اور کارنامے ۔ از ڈاکٹر شفیق احمد ص ۔ ۵۴۔ ۵۲

(۵) نقوش ۔ لاہور نمبر۔ شمارہ ۹۲۔ "اردو صحافت" (۱۸۵۱ء سے ۱۹۶۲ء تک)
از عبدالسلام خورشید ۔ ص ۸۵

(۶) یاران کہن ۔ ص ۳۶

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

باب اول

سالک کی کہانی خود ان کی زبانی ۲۷

باب دوم

احباب و معاصرین

۱۔ مولانا غلام رسول مہر ۵۹
۲۔ خواجہ حسن نظامی ۸۶
۳۔ ملا رموزی ۱۰۴
۴۔ سیماب اکبر آبادی اور ساغر نظامی ۱۱۱
۵۔ مولوی عبدالحق ۱۲۶
۶۔ علامہ نیاز فتح پوری ۱۲۹
۷۔ متفرق معاصرین ۱۳۵

باب سوم

سرگزشت انقلاب ۱۴۷

باب چہارم

معاصر اخبارات سے نوک جھونک ۱۷۱

باب پنجم

ادب

Marfat.com

۱۔ ادبیات ۱۹۳
۲۔ معاصر اخبارات سے ادبی معرکہ آرائی ۲۱۸
۳۔ قاضی بدر الحسن جلالی مدیر مدینہ سے معرکہ آرائی ۲۵۰

باب ششم

متفرق موضوعات

۱۔ قادیانیت ۲۷۱
۲۔ متفرقات ۲۷۳
۳۔ تعلیمات ۲۸۳

باب ہفتم

کچھ تاریخ کے حوالے سے

۱۔ تاریخ ہند، دلچسپ واقعات ۲۹۳
۲۔ تاریخی واقعات ۳۰۰

باب ہشتم

تہذیب و ثقافت

۱۔ ہندو تہذیب و مذہب ۳۱۵
۲۔ مختلف تہذیبوں کا میل جول ۳۱۹

باب نہم

مغربی تہذیب ۳۲۷

باب دہم

گلستان کا باب پنجم ۳۵۳

133972

Marfat.com

باب یازدہم

گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن ۳۶۵

Marfat.com

Marfat.com

باب اول

سالک کی کہانی خود ان کی زبانی

Marfat.com

Marfat.com

سالک کی کہانی خود ان کی زبانی

(۱)

صوفی کچھمن پرشاد صاحب نے "ملاپ" کے مدیر اور "پرتاپ" کے نائب مدیر کو علی الترتیب ۵ مرلے زمین اور ایک بگھی ان کی خدمات کے عوض میں بطور انعام دی ہے۔ ہم نے "افکار" میں اس کا ذکر کر کے مسلمانوں کی ناقدردانی کا شکوہ کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ شکوہ بر سبیل مزاح کیا گیا تھا نہ کہ جداً۔ لیکن راولپنڈی سے ملک فرمان علی صاحب رئیس کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا ہے جس میں آپ نے مدیر "افکار و حوادث" کو لکھا ہے کہ "میں آپ کو راولپنڈی میں اتنی زمین مفت دینے کے لئے آمادہ ہوں جو ایک کوٹھی کے لئے کافی ہوگی۔ امید ہے کہ آپ اس ہدیہ کو قبول فرمائیں گے۔"

ہم نے ملک صاحب قبلہ کی خدمت میں ان کی قدردانی اور اولوالعزمی پر ہدیہ تشکر پیش کر کے لکھا ہے کہ مدیر "افکار" اگرچہ غریب آدمی ہے لیکن اپنے استغنا کے صدقے میں بادشاہوں سے بھی اونچا دماغ رکھتا ہے۔ اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کی خدمات کے قدردانوں میں ملک فرمان علی صاحب جیسے زندہ دل اور اولو العزم مسلمان موجود ہیں۔ مدیر "افکار" کو زمین کی ضرورت نہیں' جو حضرات اعتراف خدمات یا قدر دانی کا عملی ثبوت دینا چاہیں وہ روزنامہ "انقلاب" کی توسیع اشاعت میں کوشش کریں کہ ہمارے لئے یہی سب سے بڑا انعام ہے۔ بہرحال مسلمانوں کو ملک فرمان علی صاحب کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ ان کی اولو العزمی نے مسلمانوں کو ناقدردانی کے الزام سے بری کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ملک صاحب کو جزائے خیر دے۔

انقلاب -- جلد ۱۔ نمبر ۳۵۔ یک شنبہ۔ ۱۵ مئی ۱۹۲۷ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۲)

مسلمانوں کی حیات اجتماعی جن شدید امراض میں مبتلا ہے ان میں پیر پرستی' گور پرستی' شرک و بدعت کے علاوہ ہندوانہ رسوم کی پابندی کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ خوشی کے موقعوں پر مسلمان گھرانوں میں جو حرکتیں کی جاتی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ شادیوں میں اچھی خاصی شریف عورتیں ڈھولک بجا بجا کر رت جگا مناتی ہیں اور ڈھولک پر ایسے ایسے گیت گاتی ہیں کہ سن کر ان کی شرافت پر شبہ ہونے لگتا ہے

Marfat.com

اور لطف یہ ہے کہ باہر ان کے مرد اور پرائے آدمی اکٹھے بیٹھ کر نہایت مزے سے اپنی بہو بیٹیوں کے عاشقانہ گیت سنتے ہیں اور کسی بندۂ خدا کو یہ خیال نہیں آتا کہ یہ حرکتیں پرلے درجے کی رذالت اور بے غیرتی کی مظہر ہیں۔

چھ سات دن کا ذکر ہے۔ راقم کے مکان کے پاس ایک شریف مسلمان کے ہاں کوئی خوشی کی تقریب تھی۔ حسب معمول لڑکیوں اور عورتوں نے ڈھولک منگا رکھی تھی اور خوب مزے مزے سے لہک لہک کے گا رہی تھیں۔ راقم نے رات کے ایک بجے تحریر مقالات سے فارغ ہو کر سونے کا ارادہ کیا تو ایک نوجوان لڑکی کی آواز کان میں پہنچی کہ ع

جھلک دکھا کے مجھے دل ربا نے لوٹ لیا

یہ غزل چند لڑکیوں نے اس قدر کیف و مستی سے گائی کہ راقم کو ان پر "اہل فن" ہونے کا دھوکہ ہونے لگا۔ دیر تک اسی سوچ میں نیند نہ آئی کہ جو مسلمان خواتین شریف کہلاتی ہیں اور ان کے مرد بھی شرافت و غیرت کے دعوے دار ہیں' وہ پردے ہی پردے میں "دل رباؤں کی جھلک" دیکھ کر لٹ رہی ہیں اور کوئی نہیں جو انہیں اس "تاخت و تاراج" سے بچائے۔ اس غزل کے علاوہ ان لڑکیوں نے بعض ٹھمریاں بھی گائیں۔

ملوں تو کیسے ملوں دو دلوں کے بس میں ہوں
ابھی تو نام خدا چودھویں برس میں ہوں
ابھی بالی عمریا ہماری رے

یہ سن کر راقم کی آنکھوں میں غیرت اسلامی سے خون اتر آیا لیکن اس خاندان کے مرد ٹس سے مس بھی نہ ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۶۔ یک شنبہ۔ ۱۰ جولائی ۱۹۲۷ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۳)

جیل خانے کی دنیا ہماری دنیا سے بالکل نرالی ہے۔ جس طرح وہاں کے انسان ہمارے یہاں کے انسانوں سے مختلف واقع ہوئے ہیں' اسی طرح ان کے حکمرانوں کی ادائیں بھی انوکھی ہیں۔ داروغہ اور سپرنٹنڈنٹ کا ذکر تو چھوڑیے وارڈر اور ہیڈ وارڈر اس قدر فرعون بے سامان ہوتے ہیں کہ فرعون بھی اپنی مملکت میں کیا ہوگا۔ بات

Marfat.com

بات میں رشوت خواری ان کا شیوہ اور دن رات گندی گالیاں بکنا ان کا شعار ہے چونکہ ہمیں بھی زمانہ ترک موالات میں ایک سال کے لئے سرکار کے گھر مہمان رہنے کا اتفاق ہو چکا ہے اس لئے ہم ان لوگوں کی عادات سے بخوبی واقف ہیں۔ گو ہم سے یہ لوگ بہت گھبراتے ہیں اور ہمیں "پولی ٹیکس" قیدی سمجھ کر زیادہ تعرض نہ کرتے تھے لیکن عام قیدیوں سے ان کا سلوک شرم ناک تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۵۲۔ یک شنبہ۔ ۴ ستمبر ۱۹۲۷ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۴)

اتوار کو انگریزی نو روز تھا۔ بارہ بجے دوپہر کے قریب مدیر "افکار و حوادث" اپنے مکان پر "حرم" میں تشریف رکھتے تھے۔ اتنے میں اطلاع ہوئی کہ کوئی صاحب دو ٹوکریاں مردانے میں چھوڑ گئے ہیں اور ایک پرزہ کاغذ بھی لکھ کر رکھ گئے ہیں۔ مدیر موصوف نے مردانے میں پہنچ کر سڑک کی طرف جو جھانکا تو ٹوکریاں چھوڑ جانے والے صاحب ٹانگے میں سوار ہو کر حد نظر سے دور نکل گئے تھے۔ پلٹ کر کاغذ کا پرزہ دیکھا تو اس پر لکھا تھا۔

"ہدیہ نوروز بخدمت حضرت سید افکار شاہ صاحب"

اس فقرے کے نیچے اس ستم ظریف دوست نے اپنا نام لکھنے کے بجائے "x x x x x" کے نشانات بنا رکھے تھے جو انگریزی تحریر میں بولوں کے مترادف سمجھے جاتے ہیں۔

اب ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ ان ٹوکریوں میں کیا تھا۔ ایک ٹوکری کے اوپر ایک بہت بڑا گل دستہ رکھا تھا' وہ اٹھایا تو اس کے نیچے کیا دیکھا' ایک مولی' ایک گاجر' ایک گوبھی کا پھول' کچھ پودینہ' کچھ سوئے کا ساگ' ایک بینگن' ایک آلو' ایک شلجم' تین چار گنڈیریاں' ایک پیاز' ایک لہسن' ایک مرغی کا انڈا اور ایک بھٹا۔ دوسری ٹوکری میں ایک سنگترہ' ایک مالٹا' ایک قندھاری انار' ایک دیسی انار' ایک دیسی سیب' ایک کشمیری سیب' ایک دیسی کیلا' ایک بمبئی کا کیلا' ایک امرود' ایک ناشپاتی' ایک میٹھا' ایک آم۔

پھل تو سب اسی وقت بچوں کی نذر ہو گئے لیکن سبزی کا مسئلہ کوئی ایک گھنٹے تک زیر غور رہا کہ آخر ایک بینگن اور ایک شلجم اور ایک آلو کا کیا جائے۔ بڑے غور د

Marfat.com

خوض کے بعد بچوں کی ماں نے اس عقدے کو یوں حل کیا کہ یہ سبزیاں بچوں کو دے دیں تاکہ وہ ہنڈکلیا پکا لیں۔ اس مسئلہ کے حل ہوجانے پر ہم نے اطمینان کا سانس لیا کہ ع

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

لیکن یہ سوال ابھی تک باقی ہے کہ یہ جدت کس دوست کے دماغ کی اختراع ہے۔ اگر وہ ازراہ نوازش خود ہی اپنا نام لکھ بھیجیں تو بہتر ہے تاکہ ان کا رسمی شکریہ ادا کردیا جائے۔ پھل تو خیر ایک ایک بھی خریدا جاسکتا ہے لیکن سبزی خریدتے وقت ہمارے دوست کو بہت دقت ہوئی ہوگی۔ مثلاً ایک آلو یا ایک گاجر خریدنے کا آخر کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام سبزیاں مختلف دکانوں سے مفت مانگ کر جمع کی گئی ہیں، جب کشکول گدائی پر ہوگیا تو اس فقیر کو بھیج دیا گیا۔ بہرحال ع

ہرچہ ازدوست می رسد نیکوست

لیکن دوست کا نام ضرور معلوم ہونا چاہئے کیا صوفی بشیر احمد ہوشیار پوری اس تحقیق میں ہماری کچھ مدد کریں گے؟

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۵۳۔ چہار شنبہ۔ ۴ جنوری ۱۹۲۸ء

(۵)

نو روز کی تقریب پر مدیر "افکار کو ایک ایک پھل اور ایک ایک سبزی کی جو "ڈالی" موصول ہوئی تھی، اس کے بھیجنے والے کا نام معلوم کرنے کے لئے ہم نے اپنے دوست صوفی بشیر احمد ہوشیار پوری سے استمداد کی تھی، اس کے جواب میں آپ لکھتے ہیں کہ "جب تک آپ اس بات کے قائل نہ ہوجائیں گے کہ صوفیوں کو غیب کی خبریں مل جایا کرتی ہیں، اس وقت تک آپ کو "ڈالی" بھیجنے والے کا نام نہیں بتایا جائے گا۔ میں خود صوفی ہوں اور معلوم کرسکتا ہوں کہ تحفہ بھیجنے والا کون تھا لیکن سب سے پہلے اقرار کیجئے کہ آئندہ صوفیوں کی غیب دانی سے انکار نہ کریں گے"۔

"ڈالی" بھیجنے والے کا نام معلوم کرنا تو معمولی سی بات ہے۔ اگر کوئی صوفی صاحب ہماری عمر بھر کی صحیح "جنم پتری" بھی تیار کریں، جب بھی ہم اللہ کے سوا کسی کو عالم الغیب ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ اگر آپ کو نام بتانا ہے تو سیدھی طرح بتا دیجئے نکاح کی سی شرطیں منوانے سے کیا فائدہ ہے؟

Marfat.com

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۶۴۔ شنبہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۸ء

(۶)

اخبار نویس کے سب سے بڑے دشمن اس کے دوست ہوا کرتے ہیں۔ ممکن ہے یہ "حقیقت باطل نما" بعض احباب کو عجیب معلوم ہو لیکن ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ یہ درست ہے۔ جو لوگ اخبار نویس نہیں ہیں انہیں کیا معلوم کہ ہم شب و روز کس قدر مصروفیت میں بسر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارا نظام الاوقات ملاحظہ کیجئے۔ آج کل رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ طعام سحری کھانے اور نماز فجر بجا لانے کے بعد ہم مردانہ میں آبیٹھتے ہیں اور مراسلات کی اصلاح' شذرات کی تحریر اور "افکار و حوادث" کی تسوید میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ یہ سارا کام دو تین گھنٹے سے زیادہ کا نہیں ہوتا لیکن بلا مبالغہ دو بجے بعد دوپہر اس سے فارغ ہوتے ہیں۔

آپ پوچھیں گے کہ آخر آٹھ گھنٹے تک کرسی پر بندھے رہنے کی وجہ کیا ہے وجہ بھی سن لیجئے۔ پو پھٹنے سے طلوع آفتاب تک تو ہم کسی قدر سکون میں رہتے ہیں لیکن جونہی آفتاب عالم تاب دریچہ مشرق سے سر نکال کر جھانکتا ہے کوئی نہ کوئی دوست بلائے بے درماں کی طرح نازل ہوکر دروازے پر اپنے ڈنڈے سے بڑے زور کی دستک دیتے ہیں یا نیچے سے ہمارا نام لے کر باآواز بلند پکارنا شروع کر دیتے ہیں اور معاً ہمارے دماغ میں یہ آیہ مبارکہ آجاتی ہے کہ الذین ینادون من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون

طبیعت جل کے خاک ہو جاتی ہے لیکن خوش اخلاقی تقاضا کرتی ہے کہ چین ابرو کھول کر "آیئے تشریف لائیے" کا منافقانہ فقرہ عرض کریں چنانچہ دوست یہ سنتے ہی درانہ کمرے میں گھس آتے ہیں اور نہایت فراغ اور سہاؤ کے ساتھ تشریف رکھ دیتے ہیں اور بیٹھتے ہی ادبیات' سیاسیات' بچوں کی صحت' اخبار کی پالیسی' شفیع اور جناح کا قضیہ' فرقہ وار نیابت' ممتاز بیگم' سلطان ابن سعود غرض تمام مسائل پر ایک پریشان کن بحث شروع کر دیتے ہیں۔ ڈیڑھ گھنٹہ اس لاطائل گفتگو میں غارت ہو جاتا ہے اور ستم ظریفی کی انتہا اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ دوست یہ کہہ کر اٹھتے ہیں کہ "لیجئے اب اجازت دیجئے۔ آپ کا وقت بہت قیمتی ہے' میں زیادہ حرج نہیں کرنا چاہتا"

Marfat.com

دوست ابھی سیڑھیوں سے اتر کر سڑک پر نہیں پہنچتے کہ ایک اور صاحب ہمارے مکان کا پتہ دریافت کرتے آخر ہمیں آلیتے ہیں۔ "جناب کا اسم گرامی؟ کہاں سے تشریف لانا ہوا؟ میرے لائق کیا خدمت ہے؟" "صاحب کیا بتاؤں اسلامیہ کالج میں پڑھتا ہوں۔ والد کا انتقال ہوگیا۔ مصارف تعلیم دینے والا کوئی نہیں اور مجھے بی۔ اے پاس کرنے کا بے حد شوق ہے۔ اگر کہیں سے وظیفہ کا بندوبست ہوجائے تو بہت ہی اچھا ہے۔ آپ کا اثر و رسوخ مسلم ہے، کہیں میرے لئے کوشش کیجئے"۔

ہم نے خط کا کاغذ اٹھایا اور انجمن ترقی مسلمانان امرتسر، انجمن حمایت اسلام، نواب احمد یار خان، میاں نظام الدین، حضرت عبدالقادر قصوری یا کسی اور بڑے آدمی کے نام سفارشی خط لکھ کر اپنا پیچھا چھڑایا۔

یہ صاحب رخصت ہوئے اور ہم نے پھر مضمون نویسی کے لئے قلم سنبھالا۔ ابھی دماغ کے خیالات مجتمع نہ ہونے پائے تھے کہ ایک مقامی کالج کے بزم ادب کے سیکرٹری صاحب سراپا نیاز بنے ہوئے آن موجود ہوئے۔ "حضرت فلاں تاریخ کو ہمارے کالج کی بزم ادب کا سالانہ مشاعرہ ہے، آپ کا اسم گرامی صدارت کے لئے تجویز ہوا ہے۔ آپ کا تشریف لانا ہمارے لئے عزت کا باعث ہے۔ کچھ تازہ کلام بھی ساتھ لائیے گا"۔

زیادہ غصے اور بے زاری کی حالت میں ہوئے تو صاف کہہ دیا کہ "صاحب میں بہت مصروف ہوں نہ تازہ کلام ہوسکتا ہے، نہ مشاعرے کی صدارت کے لئے آسکتا ہوں۔ آپ کسی اور کو صدر بنا لیجئے۔ آپ کی اس عزت افزائی کا بہت ممنون ہوں لیکن امر مجبوری ہے" اور اگر ذرا خاطر داری منظور ہوئی تو جھوٹا سچا وعدہ کر کے انہیں رخصت کردیا۔ غرض کہاں تک لکھا جائے، دو بجے تک یونہی تانتا لگا رہتا ہے اور مختلف اغراض و مقاصد رکھنے والے حضرات آتے جاتے رہتے ہیں ع

یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

دو بجے کپڑے پہن، وضو کر، نماز ظہر پڑھ کر دفتر کو روانہ ہوگئے۔ اخبار کی کاپی تیار رکھی ہے، کاتب انتظار کررہے ہیں اور دو تین ملاقاتی بھی تشریف رکھتے ہیں۔ جلد جلد کاپی پڑھی، ملاقاتیوں سے مغززنی کی۔ پانچ بجے اخباروں کا پلندہ باندھ کر بغل میں دبایا اور گھر پہنچ گئے۔ گھنٹہ دو گھنٹہ روزے کو بہلاتے رہے۔ افطار کیا، نماز پڑھی، کھانا

Marfat.com

کھایا اور پھر اپنے "اڈے" پر آبیٹھے۔ اخبار پڑھے، "سنڈے ایڈیشن" کے لئے کچھ ترجمہ کیا۔ نظم کے چند اشعار بہ ہزار دقت و خرابی گھسیٹ دیے لیکن اس وقت بھی بعض بے فکرے دوست آگئے۔ کوئی صاحب پوچھ رہے ہیں کہ مولانا عبدالحلیم شرر کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ؟ بلبل مذکر ہے یا مونث ؟ بہبود درست ہے یا بہبودی۔ سندھ بمبئی سے الگ کیوں ہونا چاہئے ؟ کیا ملا رموزی آپ ہی ہیں یا کوئی اور صاحب ہیں ؟ مہر صاحب وہابی ہیں یا حنفی ؟ پرسوں پہلے صفحے پر جو نظم شائع ہوئی تھی وہ آپ کی تھی یا مہر صاحب کی ؟ عبدالرحمٰن چغتائی کی تصویروں میں آنکھیں ہمیشہ بند کیوں ہوتی ہیں ؟

اس قسم کے گوناگوں سوالات سن کر نیند سے خود ہماری آنکھیں بند ہونے لگتی ہیں۔ آخر ساڑھے گیارہ بجے چھٹکارا ہوتا ہے۔ عشاء و تراویح کے بعد ہم بستر پر پہنچنے سے پہلے خراٹے لینے لگتے ہیں۔ ابھی پلک نہیں جھپکتی کہ الارم ٹائم پیس "اعلان سحری" کا ڈنکا بجا دیتا ہے اور ہم کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے اٹھ بیٹھتے ہیں۔ غرض اسی چکر میں شب و روز گزرتے چلے جاتے ہیں۔

ایک دفعہ اس یورش احباب سے تنگ آکر ہم مردانہ کا لیمپ گل کر کے مکان کے زنانہ حصے میں تحریر مضامین کے لئے جا بیٹھے تو وہاں کچھ اور ہی "سیاسیات" چھڑ گئیں۔ بچوں کی چیخم دھاڑ اور برتنوں کی کھڑکھڑاہٹ کے علاوہ "سنتے ہو' میں کیا کہہ رہی ہوں۔ وہ مسلم سپلائی اسٹور کا گھی تو۔۔۔۔ ہزار دفعہ کہا گیا' گاؤں سے ایک کنستر۔۔۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ہم جھٹ قلم دوات کاغذ اٹھا کر مردانہ کو بھاگے اور اس کے بعد آج تک زنانہ میں بیٹھنے کی حماقت نہیں کی۔

اگر احباب ازراہ کرم نوازش فرمائیں تو ہماری مشکلات آسان ہوجائیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان "افکار" کے بعد بھی ان کی توجہات گرامی کا سلسلہ ہرگز منقطع نہ ہوگا اور ہم بدستور اسی مصیبت میں گرفتار رہیں گے۔

انقلاب ۔۔ جلد ۲ ۔۔ نمبر ۲۰۶ ۔ جمعہ ۔ ۶ مارچ ۱۹۲۸ء

آج کل ہندوستان میں بہت سے "عرب نما" اشخاص ہندوستانی مسلمانوں کی خوش عقیدگی سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کے لئے شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ پھر رہے ہیں اور ان میں سے ہر شخص اپنے آپ کو خادم روضۃ النبی ہی ظاہر کرتا ہے تاکہ مسلمان

Marfat.com

محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اپنا سب کچھ خادم بارگاہ کے حوالے کردیں اور اس طرح حضور آقائے دو جہاں کی خوش نودی حاصل کریں۔ ہمیں اس قسم کے دروغ باف عربوں کے متعلق چند تجربے ہو چکے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے ہمارے مکان کے پاس عربوں کی ایک ٹولی رہا کرتی تھی۔ یہ لوگ شام و فلسطین کی طرف کے رہنے والے تھے۔ دن بھر چائے پیتے۔ تاش کھیلنے اور گپیں ہانکنے کے سوا ان کا کوئی کام نہ تھا۔ ایک بدوضع سی عورت بھی ان کے پاس تھی جس سے وہ سب کے سب دن رات چہلیں کیا کرتے تھے۔ ہم متعجب ہوتے تھے کہ آخر یہ کماتے کہاں سے ہیں؟ آخر ایک دن یہ عقدہ عجیب طریقے سے کھلا۔

ہم ایک دو دن کے لئے حضرت قبلہ گاہی والد صاحب کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے پٹھان کوٹ گئے تو بعض خلافتی کارکنوں سے یہ سنا کہ ایک نہایت مقدس حجازی بزرگ تشریف لائے ہوئے ہیں جو حضورؐ آقائے کائنات کے روضہ اقدس کے خادم ہیں۔ محض سیرو سیاحت کے لئے ہندوستان آئے تھے لیکن یہاں آکر کچھ ایسی افتاد پڑی کہ ایک حبہ بھی پاس نہ رہا۔ اب ہم ان کی امداد کے لئے چندہ جمع کررہے ہیں۔

ہم نے کہا' ذرا ہمیں بھی تو ان بزرگ کی زیارت کرایئے جنہیں چندے کی فراہمی کے لئے سارے ہندوستان میں سے صرف پٹھان کوٹ ہی پسند آیا۔ وہ "حجازی بزرگ" ہمیں دکھائے گئے تو معلوم ہوا کہ آپ انہی شامیوں کی ٹولی سے ہیں جو ہمارے مکان کے پاس عشرت کی زندگی بسر کررہے ہیں اور جن کا "حجازی" اور "خادم روضہ" ہونا تو درکنار اسلام بھی متحقق نہیں تھا کیونکہ بعد میں ان میں سے اکثر یہودی ثابت ہوئے۔

خیر ہم نے بڑی مشکل سے پٹھان کوٹ کے لوگوں کو اس متفنی کی امداد سے روکا اور کہا کہ تم کیوں اپنی حلال کی کمائی کو کنویں میں پھینک رہے ہو' یہ تو عیار اور مکار آدمی ہے' اس کو رسول اللہ کے روضہ اقدس کی خدمت سے کیا کام۔ دریافت حال سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ سال بھر میں تین چار مہینے دور افتادہ اور غیر معروف قصبوں میں جاکر مسلمانوں سے روپیہ بٹورتے رہتے ہیں اور باقی آٹھ نو مہینے نہایت آرام سے لاہور میں بیٹھ کر اس روپے کو "چرندم خورندم" کرتے رہتے ہیں۔ ہم نے ان میں

Marfat.com

سے کسی کو کبھی نماز پڑھتے بھی نہیں دیکھا۔

ایک اور لطیفہ سنئے۔ ہمارے مکان کے پاس دیوار بدیوار ایک شامی (مع اپنی زوجہ محترمہ کے) رہا کرتے تھے۔ انگریزی سوٹ اور ترکی ٹوپی پہنتے تھے۔ اسم گرامی نعومی تھا۔ (بائبل کا ایک مشہور نام ہے) ان کی بی بی کا نام غالباً صفیہ تھا۔ یہ صاحب مصری سگریٹ بنانے کا کام کیا کرتے تھے لیکن ان کا کاروبار کچھ چلتا ہوا معلوم نہ ہوتا تھا۔ نعومی صاحب پرلے درجے کے ملنسار اور خلیق آدمی تھے۔ ہمیشہ السلام علیکم میں سبقت کرتے تھے۔ عید الفطر پر سویاں اور عیدالاضحیٰ پر قربانی کا گوشت ہمارے ہاں بھیجتے تھے اور اس امر میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی کہ آپ مسلمان تھے۔

آپ دو تین سال تک ہمارے ہمسائے میں رہے۔ آخر ایک دن آپ نے بیٹھے بٹھائے اسباب باندھنا شروع کیا اور ہمیں معلوم ہوا کہ اب نعومی اور صفیہ وطن جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ ہر شخص سے رخصت ہوئے اور کراچی میل میں سوار ہوگئے تاکہ وہاں سے جہاز میں عراق اور عراق سے وطن چلے جائیں۔

لیکن آپ کی روانگی سے تین دن بعد ہم اخباروں میں یہ پڑھ کر حیران رہ گئے کہ ملتان کی فلاں مسجد میں فلاں مولوی صاحب کے ہاتھ پر مسٹر نعومی اور مادام صفیہ (جو دیار بکر کے رہنے والے اور عیسائی تھے) مشرف باسلام ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ استقامت بخشے۔ آپ اپنے وطن تشریف لے جا رہے تھے' اب مسلمانان ملتان کے اصرار پر چند روز قیام فرمائیں گے۔ لاحولا ولا قوۃ الا باللہ۔ صاف معلوم ہوگیا کہ آپ مسلمان تھے۔ دو تین سال مسلمانوں میں رہے اور مسلمان بن کر رہے۔ جب وطن جانے کے لئے روپیہ پیسہ میسر نہ آیا تو ملتان کے مسلمانوں کو دھوکہ دیا کہ ہم اب مسلمان ہو رہے ہیں لہٰذا ہمیں کچھ روپیہ جمع کر کے دو تاکہ ہم وطن پہنچ جائیں۔

خدا جانے اب نعومی صاحب کہاں ہیں؟ وطن تشریف لے گئے یا نہیں' کراچی یا بمبئی میں جال بچھائے بیٹھے ہیں' خدا جانے آج کل وہ عیسائی ہیں یا یہودی' مسلمان ہیں یا آریا سماجی؟ خدا ہر مسلمان کو اس قسم کے مذہب فروش مکاروں سے بچائے۔

انقلاب - جلد ۲ - نمبر ۲۴۶ - چہار شنبہ - ۲۱ مارچ ۱۹۲۸ء

(۸)

مرزا بیضا خاں صرودی کے "برادر خورد" (مباش) مرزا شجاع مروی مدیر رسالہ

Marfat.com

"غالب" رحمتہ اللہ علیہ ۳۱ مارچ کو امرتسر سے عذاب الٰہی کی طرح نازل ہوئے اور اس زاویہ نشین گم نامی کو جو مدیر "افکار" کہلاتا ہے' یکم اپریل کو جسے بے وقوفوں کا دن کہتے ہیں' اپنے سحرالفت میں گرفتار کر کے امرتسر لے گئے۔ مرزا فہیم گوالیاری' حضرت ساحل بلگرامی اور حضرت جعفری (ہزل طراز) بھی ہمراہ تھے اور تقریب یہ تھی کہ زندہ دلان امرتسر نے "جشن بہار" کے سلسلے میں ایک مشاعرہ ترتیب دیا تھا۔ لاہور اور امرتسر کا درمیانی سفر مرزا فہیم صاحب کی بذلہ سنجی اور لطیفہ باشی کی وجہ سے نہایت لطف کے ساتھ کٹ گیا اور ہم لوگ امرتسر بخیرو خوبی پہنچ گئے۔

اس مشاعرے کے دو صدر تھے۔ جناب خواجہ غلام صادق صدر بلدیہ امرتسر اور جناب بال مکند صاحب بھاٹیا رئیس امرتسر' اجلاس کے نصف اول کی صدارت خواجہ صاحب نے اور نصف آخر کی بھاٹیا صاحب نے کی۔

رہے ہم خاکسار تو ہمارا جو کچھ حشر احباب امرتسر کے ہاتھوں ہوا' اس کی تفصیل تو بزم ادب کے سیکرٹری سے سن لیجئے گا لیکن اتنا بتائے دیتے ہیں کہ ہمارے لئے تین تمغوں کا اعلان کیا گیا جن میں سے ایک سونے کا تمغہ تو امرتسر کے ایک مسلمان اور گگے زئی تھانے دار نے پیش کیا اور باقی دو لالہ بال مکند بھاٹیا اور ایک کانگرسی بھائی نے (جن کا اسم گرامی ہم بھول گئے) تجویز فرمایا۔ ہم اپنے ان کرم فرماؤں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہمیں عمر بھر میں تمغہ یابی کا یہ پہلا اتفاق ہے۔ خدا کرے یہی آخری بھی ہو کیونکہ شاعر کے لئے تمغہ یابی بالکل بے محل ہے۔ شعر کہنا کوئی میدان مارنا نہیں ہے۔ مشاعرے کی شرکت "فیلڈ سروس" نہیں ہے کہ اس کے لئے تمغے دیئے جائیں لیکن ہم ان تینوں تمغوں کی بے انتہا قدر کرتے ہیں کیونکہ ان کے عطا کرنے میں مسلمان' پولیس' ہندو' کانگریس' چار متضاد عناصر جمع ہیں۔ کیا اب بھی آپ کو مدیر "افکار" کی عالم گیر ہردل عزیزی میں کوئی شبہ ہے؟

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۶۶۲۔ چہار شنبہ۔ ۴ اپریل ۱۹۲۸ء

جب "رشی" کے اڈیٹر صاحب جیسے جاہل اور کندہ ناتراش اشخاص بعض الفاظ کو اپنے انداز پر بولتے ہیں تو مارے ہنسی کے سننے والوں کے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ مثلاً لاہور کے بعض پوربیئے اخبار فروش سڑکوں پر یہ آواز بلند کرتے سنائی دیتے ہیں۔ "آج کا تاجا تربھون' چھپاسٹھ' ہندو ہیرٹ"۔ مطلب یہ ہوتا ہے۔ "آج کا تازہ "ٹریبون"

Marfat.com

"سیاست" "ہندو ہیرلڈ"

"سیاست کو شکر کرنا چاہئے کہ اسے "چھیاسٹھ" کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ کے عدد چھیاسٹھ ہیں۔ "ہیرلڈ" میں رے اور لام اور ڈال کا اجتماع بہت تکلیف دہ تھا' اس لئے وہ "ہیرڑ" بنا دیا گیا۔ یہ مزے دار تصرف اپنی مثال نہیں رکھتا۔ "جیویں دار" اور "انکلاف" بھی اکثر سنے جاتے ہیں لیکن سب سے زیادہ دلچسپ ہمارے ایک چپڑاسی کی جدت تھی جس نے "مسلم آوٹ لک" کو "مسلم الٹ پلٹ" کہہ دیا تھا۔

ایس۔ پی۔ ایس۔ کے ہال کا ۴۹ سال کا چپڑاسی بہت دلچسپ آدمی ہے۔ کبھی اس سے ملنے کا اتفاق ہو تو یہ ضرور پوچھئے کہ تم کہاں ملازم ہو؟ اس کا جواب ذیل کے طول طویل فقرے میں ملے گا۔ "دی سوسیٹی فار پروموشن سائنٹی فک نالج ایس پی ایس کے ہال نیم سرکاری انجمن اشاعت علوم موری گیٹ لاہور"۔

یہ چپڑاسی جب کبھی "انقلاب" کے دفتر میں آتا ہے تو ہم اس سے یہ فقرہ ایک دفعہ ضرور سنتے ہیں اور اس کا حقیقی لطف سننے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

انقلاب جلد ۲۔ نمبر ۲۶۲۔ چہار شنبہ۔ ۱۶ مئی ۱۹۲۸ء

(۱۰)

آج سے قریباً بیس سال قبل راقم الحروف کو چند ماہ کے لئے جنوبی وزیرستان کے مقام وانو ٹھے میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ ایک ملازم مسمی حیات اللہ خان راقم کے لئے کھانا پکایا کرتا تھا۔ شام کو کام کاج سے فارغ ہونے کے بعد اس کا معمول تھا کہ ماورائے سرحد کے پشتونوں کی شجاعت جنگ جوئی کے قصے سنایا کرتا اور اس ضمن میں انگریزی علاقے کے پنجابیوں کی بزدلی پر کچھ ایسے انداز سے چوٹیں کیا کرتا کہ طبعیت جل کر کباب ہو جاتی۔ راقم ہمیشہ اسے کہا کرتا تھا کہ پٹھان کی طاقت اور شجاعت میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس طاقت یا شجاعت میں اس کا تمنچہ یا بندوق بہت زیادہ ممد معاون ہے۔ اگر وہ بھی ہماری طرح غیر مسلح ہو تو ہم سے بہتر نہیں ہو گا۔ چنانچہ ہندوستان میں صدہا سرحدی پٹھان ہینگ بیچتے پھرتے ہیں جو غیر مسلح ہونے کی وجہ سے ہماری ہی طرح بے دست و پا ہیں۔

حیات اللہ خان راقم کی باتیں سن کر ہنس دیا کرتا اور کہنے لگتا' ہم نے سنا ہے کہ پنجاب کے کسی مقام پر دو دن تک لڑائی ہوتی رہی جب آخر میں مقتولین و مجروحین کی

Marfat.com

تلاش ہوئی تو صرف ایک شخص ملا جو اپنے سر میں جوتے کی ضرب کی شکایت کر رہا تھا اور بس۔ راقم نے اس سے کہا کہ پنجابی اگرچہ غیر مسلح ہیں لیکن ان کی ڈانگ (لاٹھی) اس قدر کارگر ہتھیار ہے کہ ایک اچھا چابک دست پنجابی اس کی ایک ہی ضرب سے مخالف کو ہلاک کر سکتا ہے۔ حیات اللہ خان اس بات پر ہرگز یقین نہ کرتا اور صاف کہہ دیتا کہ "یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ لاٹھی نہ ہوئی بندوق ہو گئی۔ آپ بھی کمال کرتے ہیں"۔ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ اس تذکرہ کے پندرہ بیس دن بعد جب ہم ٹانک میں تھے، پہاڑ پور ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان سے "خوست وال" پٹھانوں کے ایک ڈاکے کی اطلاع موصول ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ایک پٹھان کی نعش بھی ٹانک میں پہنچائی گئی۔ اس مقتول کے جسم پر کوئی زخم نہ تھا۔ جب واقف کاروں نے اس کے مرنے کی سرگزشت سنائی تو معلوم ہوا کہ پہاڑپور میں چند جاٹوں کے گھر میں ایک دن رات کے وقت خوست وال وزیریوں کی ایک ٹولی نے بندوقوں سے مسلح ہو کر ان کے گھروں پر ڈاکہ ڈالا۔ ایک جاٹ اپنی ڈانگ اٹھا کر باہر جو نکلا تو دروازے ہی پر ایک ڈاکو سے مڈبھیڑ ہوئی۔ جاٹ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک "ڈانگ" جو اٹھا کے رسید کی تو پٹھان کی بندوق کا کندہ ٹوٹ کر دور جا پڑا۔ جاٹ نے دوسری ضرب اس کے سر پر لگائی تو وہ ہائے کہہ کر زمین پر گر پڑا اور وہیں جان دے دی۔

اس پٹھان کی بندوق "مارٹینی رائفل" تھی اور اس کی پیٹی میں ایک سو کارتوس تھے لیکن سارا سازو سامان ڈانگ کے سامنے کام نہ آسکا۔ حیات اللہ خان نے جب اس پٹھان کی نعش دیکھی اور یہ سرگزشت سنی تو بہت متاثر ہوا اور اس کے بعد ہمیشہ یہی کہتا رہا کہ انسان کا سب سے بڑا ہتھیار اس کے اوسان ہیں۔ یہ قائم رہیں تو لاٹھی بھی بندوق کا کام دے جاتی ہے۔

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۲۸۔ سہ شنبہ۔ ۲۴ جولائی ۱۹۲۸ء

آج کل کے زمانے سے خدا بچائے(۱۱)، نہایت خطرناک زمانہ ہے۔ ہمارے بچپن میں ایک مولوی صاحب کہیں سے آیا کرتے تھے، جن کا نام "ڈنڈے باز" مولوی مشہور تھا۔ آپ بالغ مسلمانوں کو ڈنڈے مار مار کر نماز پڑھایا کرتے تھے اور ہمیشہ دورے ہی پر رہا کرتے تھے۔ جہاں پہنچے ایک مسجد میں بوریا بستر رکھا جب نماز کا وقت آیا ایک لٹھ ہاتھ میں لیا اور شہر کے بازار میں نکل گئے۔ اب ہر بالغ مسلمان سے کہتے

Marfat.com

پھرتے ہیں "او کم بخت سن' اذان ہو رہی ہے۔ مسجد میں چل کر نماز پڑھ۔ اگر کسی نے ذرا سی سرتابی کی یا عذر کیا یا یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ "بہت اچھا میں ابھی حاضر ہوتا ہوں' آپ ذرا دوسروں کی تلقین سے فارغ ہو جایئے میں خود ہی مسجد میں پہنچ جاؤں گا"۔ پھر مولوی صاحب کا پارہ کھولاؤ کے درجے تک پہنچ جاتا اور آپ بے تحاشا اس مسلمان پر لٹھ برسانے لگتے اور کہتے "کیوں بے نماز کے لئے مسجد میں چلے گا یا نہیں" ۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بڑے بڑے سرکش اس لٹھ کے خوف سے سیدھے مسجد کا رخ کرلیتے تھے اور کوئی چون و چرا تک نہ کرتا تھا۔

اگرچہ مولوی صاحب کی یہ حرکت شریعت کے مطابق نہ تھی اور راسخ العلم علما اس کو پسند نہ کرتے تھے لیکن چونکہ احترام دین کا زمانہ تھا' کوئی کان تک نہ ہلاتا۔ سب یہی کہتے ہوئے سنے جاتے تھے کہ "اگر مولوی صاحب پیٹتے ہیں تو نیک کام ہی کے لئے پیٹتے ہیں' پھر ان سے تعرض کرنا کیا معنی"۔۔

انقلاب۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۳۰۔ پنج شنبہ۔ ۲۶ جولائی ۱۹۲۸ء

(۱۲)

لاہور میں شاہ عالمی دروازہ کے پاس سیتلا مندر کے سامنے ایک نئی سڑک نکالی گئی ہے جو سرکلر روڈ کو چوک متی سے ملاتی ہے چونکہ اس سڑک سے شہر میں ایک نئے دروازے کا اضافہ ہو گیا ہے' اس لئے غالباً عنقریب ہماری میونسپل کمیٹی میں یہ سوال پیش ہوجائے گا کہ اس سڑک اور اس دروازے کا نام کس ممبر کے اسم گرامی سے منسوب کیا جائے۔ اس سوال پر رقابت و مسابقت کی کش مکش ہوگی۔ ہر ممبر یہ چاہے گا کہ میں ہی کامیاب ہو جاؤں تاکہ میرا نام روز محشر تک لوگوں کی زبانوں پر رہے۔ ہم میونسپل کمیٹی کو اس طوفان رقابت سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ اس سڑک اور دروازے کا نام "مہر روڈ" اور "سالک گیٹ" رکھ دئے جائیں۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ "خواجہ دل محمد روڈ" تو ہو اور "سالک گیٹ" نہ ہو' حالانکہ دونوں شاعر ہیں اور سالک شعر کہنے میں خواجہ صاحب سے بہتر نہیں تو "گھٹیا" بھی نہیں ہے۔ اگر قومی خدمت کا سوال پیدا ہو تو واضح رہنا چاہیے کہ جس دن ہمارے مکرم خواجہ صاحب بلدیہ کے ممبر ہوئے ہیں اس سے آٹھ مہینے قبل سالک نے

Marfat.com

اخبار نویسی شروع کی ہے۔ مہر نے شاید دو تین مہینے بعد اس خدمت کا آغاز کیا ہو۔ اس کے علاوہ ارکان بلدیہ صرف ایک شہر کی خدمت بجا لاتے ہیں لیکن اخبار نویس ملک اور ساری قوم کا خادم ہوتا ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ میونسپل کمیٹی لاہور کو اس تجویز پر ہمدردانہ غور کرنا چاہئے اور اگر وہ غور نہ کرے تو پھر اہل لاہور کو چاہئے کہ خود بخود اس سڑک اور دروازے کو "مہر روڈ" اور "سالک گیٹ" کہنا شروع کر دیں اور اگر اہل لاہور نے بھی ان ناموں کو اختیار نہ کیا تو ہمیں افسوس نہ ہو گا کیونکہ لاہور میں جن سڑکوں کے نام ممبروں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں' ان کا بھی یہی حشر ہو رہا ہے کہ کوئی نام تک نہیں لیتا۔

بعض اخباروں اور رسالوں کے مدیران محترم آئے دن ہمیں لکھتے رہتے ہیں کہ "صاحب ہمارا خاص نمبر شائع ہو رہا ہے۔ آپ ملک کے مایہ ناز انشاپرداز ہیں' لہٰذا اپنے رشحات قلم سے ہمیں بھی سیراب فرما دیجئے" ۔ بارہا گزارش کی ہے کہ روزانہ اخباروں کے لکھنے والے بے انتہا مصروف ہوتے ہیں۔ ان سے مضامین طلب کرنا اپنے بے خبری اور بیدردی کا ثبوت دینا ہے لیکن کوئی نہیں سنتا' خط پہ خط آرہے ہیں۔

سنئے صاحب' ہمارا آخری جواب یہ ہے کہ "سخی سے شوم بھلا جو ترت دے جواب" ۔ہمارے خاص نمبروں کے لئے آپ کچھ نہ لکھئے' آپ کے خاص نمبروں کے لئے ہم کچھ نہ لکھیں ۔ چلو قصہ ختم ہوا۔ آپ ہی ایمان سے کہہ دیجئے کبھی ہم نے بھی آپ کو "انقلاب" میں کسی خاص نمبر میں مضمون لکھنے کی تکلیف دی ہے ؟ جس طرح ہم اپنے خاص پرچوں کی تیاری میں راتوں کو بیٹھ کر آنکھوں کا تیل ٹپکاتے ہیں' اسی طرح آپ بھی محنت کیا کیجئے۔ سو پچاس مضمون نگاروں کو خطوط لکھ کر ان کے مضامین منگا لینا' خود صرف کاپیاں اور پروف پڑھ لینا اور پھر ناز کرنا کہ ہمارا خاص نمبر نہایت خوب رہا۔ یہ مفت کی قلعی ہماری سمجھ میں نہیں آتی بس مختصر یہ ہے کہ نہ آپ ہمارے لئے لکھئے نہ ہم آپ کے لئے لکھنے کو تیار ہیں۔

انقلاب۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۱۳۵۔ چہار شنبہ۔ ۲۸ نومبر ۱۹۲۸ء

(۱۳)

اگرچہ یہ بیان کرتے ہوئے شرم سی آتی ہے لیکن حقیقت کو چھپانا ایمان دار

Marfat.com

آدمی کا کام نہیں' لہٰذا مدیر "افکار" اپنے تمام احباب کو صاف صاف بتائے دیتا ہے کہ اس نے اپنی ساری عمر میں دلی کبھی نہ دیکھی تھی۔ احباب بار بار مرزا داغ کا یہ مصرع سنا سنا کر دق کیا کرتے تھے ع

دلی نہیں دیکھی لو زباں داں یہ کہاں ہیں

آخر راقم کو بھی یقین آگیا کہ "زبان داں" ہونے کے لئے اساتذہ نے جو شرائط معین کی ہیں' ان میں ایک شرط دلی کا دیکھنا بھی ہے' چنانچہ راقم نے ادبدا کے پکا ارادہ کر لیا کہ اب مہر صاحب چیں کریں یا پیں' ہم دلی ضرور دیکھیں گے۔ وہ ناراض ہوجائیں تو بلا سے' محض انہیں خوش رکھنے کے لئے اپنی زبان دانی کو تو بٹا نہیں لگایا جا سکتا۔

اللہ بھلا کرے حکیم جمیل خان صاحب کا کہ آپ نے راقم کو بھی آل انڈیا مسلم کانفرنس میں شرکت کی دعوت دے دی۔ یہاں پہلے ہی سے رخت سفریا کم از کم "کمر عزم" باندھے بیٹھے تھے۔ دیوانہ را ہوئے بس است۔ چنانچہ جونہی تاریخ مقررہ آئی' ہم مہر صاحب کے احتجاج کے باوجود بقول پنڈت رتن ناتھ سرشار "سپاٹے کی دھن جو سمائی تو ریل کے انجن کی طرح چل کھڑے ہوئے اور نوک دم دلی پہنچ گئے"۔

راقم' مہر صاحب اور چودھری محمد حسین (علامہ اقبال کے رفیق سفر) دو دن تک ان عمارتوں اور کھنڈروں میں مارے مارے پھرتے رہے۔ کہیں فاتحہ پڑھی' کہیں روتے رہے۔ اپنے رومال اشکوں سے بھگوتے رہے اور انقلاب زمانہ کی اس بے درد نیرنگی پر غور کرتے رہے کہ اللہ اکبر! کبھی ہمارے اسلاف اس سرزمین کے ذی اقتدار حکمران تھے۔

انقلاب۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۱۶۷۔ یک شنبہ۔ ۶ جنوری ۱۹۲۹ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۱۴)

دہلی میں بڑے بڑے عظیم الشان تاج داروں کی قبریں اور یادگاریں دیکھنے میں آئیں لیکن علم و ادب کا وہ جلال و جمال جو درگاہ خواجہ نظام الدین کے پاس ایک ٹوٹے پھوٹے احاطے میں ایک بے حقیقت سی قبر پر نظر آیا وہ مدت دراز تک یاد رہے گا۔ یہ قبر حضرت مرزا اسد اللہ خان غالب خلد آشیاں کی تھی جو ہندوستان بھر میں ملک معانی کے یکہ و تنہا شہنشاہ تھے۔ ارشاد والا ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

ہندرا رند سخن پیشہ گم نامے ہست اندریں دیر کہن مے کدہ آشامے ہست

آج سے چند سال پیشتر مرقد غالب محض ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کا ایک انبار تھا لیکن اس کے بعد بعض دردمندوں کی کوشش سے قبر بن گئی اور ایک کتبہ بھی لگادیا گیا۔ این ہم غنیمت است۔ راقم اور مہراور چودھری محمد حسین دیر تک غالب مرحوم کی قبر پر بیٹھے ہوئے ان کے لئے دردمندانہ دعائے مغفرت کرتے رہے۔

یہ "قبر بے نشاں" اسد خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

بلی ماراں کے محلہ میں ہندوستانی دواخانہ کے سامنے مرزا غالب کا مکان تھا۔ وہاں سے گزرے تو اس پر عقیدت و احترام کی نظریں ڈالیں۔ ذرا آگے بڑھے تو کالے خان کی حویلی نظر آئی، جس کے متعلق مرزا صاحب کا مشہور لطیفہ ہے کہ "گورے کی قید سے چھوٹ کر اب کالے کی قید میں ہوں"۔ اس حویلی کی جس کھڑکی میں حضرت بیٹھا کرتے تھے، اس کو ہم دیر تک دیکھا کئے۔ اب اس مکان اور نشست گاہ کی حالت بہت ردی ہے لیکن

از نقش و نگار درودیوار شکستہ
آثار پدیداست صنادید عجم را

کیا دہلی کے کوچوں اور بازاروں میں پھرنے والے کبھی اس زمانے کا تصور بھی کرتے ہیں جب انہیں رستوں سے مرزا غالب کا ہوادار بھی گزرتا تھا۔

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۱۶۹۔ چہار شنبہ۔ ۹ جنوری ۱۹۲۹ء

(۱۵)

ہندوستان عجب بدقسمت ملک ہے۔ اس کی مصروفیتیں تو روز بروز مغربی ہوتی چلی جارہی ہیں لیکن عادتیں بدستور مشرقی ہیں۔ ہندوستانیوں نے اخبار نویسی مغرب سے سیکھی لیکن اخبار نویس کی مصروفیات کا اندازہ لگانے میں ہمیشہ مشرقیت کا ثبوت دیا۔ مدیر "افکار' بارہا لکھ چکا ہے کہ میں بے حد مصروف رہتا ہوں' اس لئے ملاقات کرنے والے حضرات میری مجبوریوں کو مدنظر رکھ کر اپنی عادات میں اصلاح فرمائیں تاکہ مجھے مروت کے مشرقی اصول کو خیرباد نہ کہنا پڑے لیکن ملاقاتی حضرات بدستور بے تکلفی پر عمل پیرا ہیں اور ایک دن آنے والا ہے جب مدیر "افکار" ہر شخص سے صاف کہہ دیا

Marfat.com

کرے گا کہ اب آپ تشریف لے جائیے۔

ان ملاقاتی حضرات میں مختلف قسم کے لوگ ہیں۔ پہلی قسم تو ان زیرک و فہیم حضرات کی ہے جو کسی ضروری کام کے بغیر کبھی تشریف نہیں لاتے اور جب آتے ہیں تو فی الفور کام کی بات کہہ کر اس کا شافی جواب پاکر رخصت ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے مہربانوں کی تعداد روز افزوں فرمائے۔

دوسری قسم ایسے حضرات کی ہے جو یوں تو کسی ضروری کام ہی کے سلسلے میں تشریف لاتے ہیں لیکن نہایت طویل مزاج پرسی اور ادھر ادھر کی غیر متعلق باتیں کرنے کے بعد حرف مطلب زبان پر لاتے ہیں۔ خاکسار فوراً ان کی بات کا جواب دے دیتا ہے' اس امید پر کہ شاید اس جواب کے بعد مخلصی کی صورت نکل آئے لیکن وہ حضرات جواب سننے کے بعد مطمئن ہوکر اور بھی زیادہ پاؤں پھیلا دیتے ہیں اور نہایت فراغت کے ساتھ دنیا جہان کے قصے' ادھر ادھر کی باتیں' واقعات پر تبصرہ اور حالات پر رائے زنی شروع کردیتے ہیں اور خاکسار دل ہی دل میں اپنے وقت کے خون ہوجانے کا ماتم کرتا رہتا ہے۔

تیسری قسم بے انتہا تکلیف دہ ہے۔ ان حضرات کی تشریف آوری کا کوئی قطعی مقصد نہیں ہوتا محض "نیاز حاصل کرنے" کے لئے تشریف لاتے ہیں حالانکہ اکثر حالت میں خاکسار کو ان کی خدمت میں اس سے پیشتر پچیس دفعہ نیاز حاصل کرنے کا شرف نصیب ہوچکا ہوتا ہے۔ اگر "حصول نیاز" کی مدت مختصر ہو تو خیر اسے بھی برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن وہ حضرات نہایت ڈٹ کر بیٹھتے ہیں اور اس وقت اٹھتے ہیں جب ان کا اٹھنا میرے لئے بالکل مفید نہیں رہتا۔

خاکسار دن کے وقت تحریر کا کام نہیں کرتا کیونکہ تنہائی اور یک سوئی دن کے وقت بالکل مفقود ہوتی ہے۔ گرمی ہو یا جاڑا' بہار ہو یا خزاں' ہر روز رات کے دو بجے تک کام کرنا پڑتا ہے چونکہ اس وقت کوئی خلل انداز نہیں ہوتا اس لئے کام بسہولت ختم ہوجاتا ہے لیکن ایک چوتھی قسم کے حضرات ہیں جو خاکسار کے وقت پر شب خون مارنے سے بھی باز نہیں آتے۔ ایک صاحب کا ذکر ہے' آپ پچھلے دنوں رات کے بارہ بجے تشریف لے آئے۔ خاکسار نے متعجب ہوکر پوچھا۔ "حضرت اس وقت کہاں؟" فرمانے لگے۔ "سینما دیکھ کر آیا تھا' سڑک پر آپ کے لیمپ کی روشنی دیکھی' جی میں

Marfat.com

کہا چلو سالک صاحب سے تھوڑی دیر گپیں ہانکیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ گپوں کے لئے کتنا موزوں وقت تلاش کیا ہے۔

مرتا کیا نہ کرتا۔ نہایت مری ہوئی آواز سے کہا "تشریف لے آیئے"۔ آپ آکر بیٹھ گئے کچھ بات شروع کرنے والے ہی تھے کہ خاکسار نے چپ سادھ لی اور لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ وہ خدا جانے کیا کچھ فرماتے رہے' کوئی لفظ خاکسار کی سمجھ میں آیا' کوئی نہ آیا لیکن ایک مقررہ وقفہ سے "ہوں ہوں' برابر کرتا رہا تاکہ بالکل ہی بے مروتی اور بدتمیزی ظاہر نہ ہو۔ اگر خاکسار کی جگہ کوئی اور شخص اور ان حضرت کی جگہ خاکسار ہوتا تو دوسرے شخص کو اس قدر مصروف دیکھ کر اور اس کی بے معنی "ہوں ہوں" سن کر پانچ منٹ بھی بیٹھنا گوارا نہ کرتا لیکن حضرت ممدوح کامل ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھے اور جب تشریف لے گئے تو پانوں کی تھالی اور سگریٹ کی ڈبیا خاکسار کے دل کے طرح ویران پڑی تھی۔

دوسرے دن ایک مجلس میں ان حضرت سے ہمارا سامنا ہوگیا۔ آپ بے تکلفی سے فرمانے لگے "رات تو آپ بے انتہا مصروف تھے"۔ ایک بذلہ سنج دوست پاس کھڑے تھے' کہنے لگے۔ "جی ہاں عمر بھر میں سالک پر ایک ہی مصروفیت کی رات آئی ہے اور وہ شب گزشتہ تھی"۔ وہ حضرت کھسیانے ہو کر ہنسنے لگے۔ خاکسار نے موقع پاکر نہایت متانت سے منہ بنا کر کہا کہ "مجھے کبھی غصہ نہیں آتا لیکن جو شخص رات کے وقت میرے کام میں خلل انداز ہو' اسے جان سے مار دینے کو جی چاہتا ہے۔ کیا کروں میری یہ خواہش بالکل اضطراری ہے۔ مجھے تو اس پر قابو نہیں لیکن احباب کو ضرور احتیاط کرنی چاہئے"۔ وہ حضرت نہایت غور سے میری بات سنتے رہے پھر چپ چاپ ایک طرف چل دیئے اور آج تک رات کے وقت کبھی تشریف نہیں لائے۔ جان کتنی عزیز شے ہے۔

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۲۷۴۔ یک شنبہ۔ ۱۹ مئی ۱۹۲۹ء۔ سنڈے ایڈیشن

Marfat.com

(۴)

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اخبار نویسوں میں بھی بہت سے ایسے ہیں جو اس " ودیعت نحوست" کا مقابلہ کر کے دن کو کچھ وقت آرام کے لئے نکال لیتے ہیں۔ ہاں ایک ہم ہیں کہ ہمیں کسی وقت بھی آرام کا موقع نہیں ملتا۔ اگر دوپہر کے وقت ذرا سی دیر کو کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ جائیں تو بلا مبالغہ لیٹتے ہی دو مصیبتیں شروع ہوجاتی ہیں۔ ایک تو بدقسمتی سے ہمارے سرہانے ٹیلیفون لگا ہے۔ دوسرے ملاقاتیوں نے بھی دوپہر ہی کا وقت موزوں ترین قرار دے رکھا ہے۔ جہاں ذرا آنکھ لگی ٹیلیفون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ فوراً ریسیور اٹھایا تو آواز آئی۔ " لالہ گورداس مل جی کو بھیج دو 'آٹے کا سودا ہوگیا'۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ہم نے نہایت عاجزی سے جواب دیا۔ "مگر صاحب' یہ تو انقلاب کا دفتر ہے' یہ سنتے ہی وہ " اوہو" کہہ کر رخصت ہوگئے اور ہماری نیند اور آرام کو بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے۔

اب ہم پھر مطمئن ہوکر اور کروٹ لے کر جو لیٹے تو ابھی پانچ سات منٹ ہی گزرے تھے کہ پانچ چھ معززین کے بوٹوں کی آہٹ نے چونکا دیا۔ آنکھیں مل کر جو دیکھتے ہیں تو خان سرفراز علی خان بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر صوبہ سرحد' آقائے حمید گل کوہستانی' ایجنٹ صاحب اخبارات نصیر آباد' مولانا عباس علی سوداگر کلاہ ولنگی پلنگ کے پاس کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ " اخاہ۔ السلام علیکم۔ معاف فرمایئے رات بھر جاگنا پڑتا ہے' اس لئے ذرا لیٹ گیا تھا۔ تشریف لایئے۔ ارے چپراسی' جاؤ آپ حضرات کے لئے لائم جوس کی بوتلیں لے آؤ"۔

حضرات خوانین کرام نے ازراہ معذرت فرمایا کہ " معاف فرمایئے' آپ کو ہم نے بے موقع تکلیف دی لیکن ہم بہت دور سے آئے ہیں اور آج ہی رات واپس چلے جانے کا ارادہ ہے"۔ سوال کیا۔ " ارشاد فرمایئے' کوئی خاص خدمت میرے لائق؟" جواب ملا یونہی زیارت کے لئے حاضر ہو گئے تھے۔ (ایک صاحب زادہ کی طرف اشارہ کر کے) یہ بچہ آپ کے " افکار و حوادث " بہت شوق سے پڑھتا ہے۔ اس کا اصرار تھا کہ سالک صاحب کا نیاز ضرور حاصل کروں گا۔ ہم نے صاحب زادے صاحب کا شکریہ ادا کیا اور ان کی تعلیم وغیرہ کے متعلق کچھ سوالات کیے

Marfat.com

سرپرستانہ انداز میں کئے کچھ مشورے بھی دئے۔ اس کے بعد گفتگو شورش افغانستان کے مختلف پہلوؤں پر ہونے لگی اور کامل ایک گھنٹے بعد یہ حضرات مرخص ہوئے۔

اب ہم نے پھر نیند کا سلسلہ شروع کرنا چاہا۔ ذرا غنودگی طاری ہوئی تھی کہ پریس کا آدمی بھاگا ہوا آیا اور دور ہی سے نہایت مضطربانہ انداز سے بولا۔ " سالک صاحب جی، پریس میں بجلی کا فلوس اڑا گیا۔ بجلی گھر والوں کو فون کیجئے"۔ یہ فلوس، اڑ گیا، درحقیقت فیوز، تھا جس نے پنجابی محاورے کی صورت اختیار کرلی تھی۔ ہم نے ٹیلی فون سنبھالا اور بجلی گھر والوں سے کہہ دیا کہ فوراً آؤ اور اپنی اس حماقت کی تلافی کرو۔ انہوں نے دس پندرہ سوالات کرڈالے۔ مسلم پرنٹنگ پریس کہاں واقع ہے؟ آپ کا نام کیا ہے؟ آپ کا فون کا نمبر کیا ہے؟ اس قصے سے فارغ ہوکر پھر لیٹے تو ہیڈ کلرک صاحب اور پریس مینیجر حسابات لے کر آن پہنچے اور خواب راحت نے ہم سے ہمیشہ کے لئے مفارقت اختیار کرلی.. انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کہتے ہیں بادشاہ میں اکیس پیروں کی کرامت ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک اخبار نویس میں بھی کم از کم سات پیروں کے برابر تو ضرور ہے۔ اگر ہم میں اتنی کرامت نہ ہوتی تو اس بے آرامی کی زندگی کے باعث اب تک کبھی کے انتقال کرچکے ہوتے۔

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۲۱۔ یک شنبہ۔ ۷ جولائی ۱۹۲۹ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۱۷)

قومی کارکنوں اور پولیس کے بہادروں کے درمیان ہنسی مذاق ایک عام چیز ہے اور پولیس کی بعض بدحواسیاں بھی بے حد دلچسپ ہوا کرتی ہیں۔ اللہ مغفرت کرے مرزا غلام حسین انسپکٹر پولیس کو۔ ترک موالات کے زمانے میں ہمیں گرفتار کرنے کا فرض آپ کے سپرد ہوا تھا۔ جب آپ ہمیں ہمارے مکان سے نہایت عزت و احترام کے ساتھ تانگے میں بٹھا کر نولکھا تھانہ میں لے گئے تو چند ہی منٹ بعد احباب کا ایک مجمع تھانے میں پہنچ گیا، جن میں سید امتیاز علی تاج بی۔ اے، سید احمد شاہ بخاری ایم اے، مولانا سید حامد حسین بیدل شاہ جہان پوری مرحوم اور مولوی شفاعت اللہ خان بی اے تھے۔

سردی کا موسم تھا اور شام کا وقت، مرزا صاحب نے ازراہ کرم چائے تیار کرائی

Marfat.com

۔ احباب نے چائے نوشی کیساتھ ہی ساتھ کچھ ہنسی مذاق اور تفریح و تفنن کا سلسلہ بھی جاری کردیا ۔ بہت سی مزے کی باتیں ہوئیں لیکن ایک لطیفہ بہت زور کا رہا ۔ ان دنوں یار لوگوں میں ایک بے معنی لفظ " بالمس " بہت رائج تھا ، جس کے معنی اصطلاحاً " بیوقوف " کے لئے جاتے تھے ۔ مولانا بیدل مرحوم کو شوخی جو سوجھی تو آپ نے مرزا صاحب سے پوچھا " کیوں حضرت ، آپ کی تشریف آوری سے پہلے جو ایک سکھ سردار صاحب یہاں انسپکٹر تھے ، وہ کہاں تشریف لے گئے ؟ " مرزا صاحب نے جواب دیا کہ وہ فلاں تھانے میں ہیں ۔ اس پر بیدل صاحب نے نہایت متانت سے فرمایا " واہ وا ، عجب " بالمس " آدمی تھے ۔ ایسے " بالمس " بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں " ۔

مرزا صاحب کی جانے بلا " بالمس " کس جانور کا نام ہے ۔ کچھ خاموش رہے ، کچھ ہوں ہاں کرتے رہے لیکن امتیاز صاحب نے کمال کردیا ۔ آپ نے نہایت برجستگی سے کہا " اجی مولانا ، یہ اپنے مرزا صاحب بھی تو کچھ کم " بالمس " نہیں ہیں ، میرے نزدیک تو آپ سردار صاحب سے بھی زیادہ " بالمس " ہیں ۔

مرزا صاحب سمجھے تو کچھ نہیں لیکن نہایت انکسار کے لہجے میں فرمانے لگے " اجی صاحب میں کیا چیز ہوں ، حضرات کی مہربانی ہے جو مجھے ایسا سمجھتے ہیں " ۔ اس پر یار لوگوں نے اس قدر زور دار قہقہہ لگایا کہ تھانے کا بڑا کمرا گونج اٹھا اور مرزا صاحب بے چارے حیران ہوکر بغلیں جھانکنے لگے ۔ خدا بخشے عجب بھولے بھالے آدمی تھے ۔

ہماری گرفتاری کے دوسرے دن دفتر " زمیندار " کی تلاشی ہوئی ۔ یہ کام بھی مرزا صاحب ہی کے ہاتھوں انجام پایا ۔ آپ کو دفتر میں اگر ایک معمولی پرزہ کاغذ پر بھی سالک کا نام نظر آیا تو آپ نے فی الفور اسے اپنے قبضے میں لے لیا ۔ یہ سلسلہ اس قدر مضحکہ خیز حد تک بڑھ گیا کہ مولوی شفاعت اللہ خان شرارت کئے بغیر نہ رہ سکے ۔ آپ مولانا ظفر علی خاں کے کمرے میں جاکر وہاں سے دیوان حافظ اٹھا لائے ۔ پہلی ہی غزل کھول کر مرزا صاحب کے سامنے رکھ دی اور کہا " لیجئے مرزا صاحب ، یہ کتاب بھی لیتے جائیے اس میں بھی سالک کا نام لکھا ہے ۔ مصرع ملاحظہ ہو ۔ ع

کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزل ہا

مرزا صاحب بے حد کھسیانے ہوئے لیکن ہنس کر ٹال گئے ۔۔۔

Marfat.com

انقلاب ۔ جلد ۴ ۔ نمبر ۲۴ ۔ پنج شنبہ ۔ ۱۱ جولائی ۱۹۲۹ء

(۱۸)

جیل خانے کی دنیا ہماری دنیا سے بالکل مختلف ہوتی ہے ۔ یہاں تک کہ وہاں کی اصطلاحات بھی خاص ہیں ۔ مثلاً " سیاست خانہ " جیل کے اس حصے کو کہتے ہیں جہاں قیدیوں سے چکی پسوائی جاتی ہے ۔ "کوٹ " جیل کی بیرونی بلند دیوار کا نام ہے ۔ " اک بارہ احاطہ " اس حصے کو کہتے ہیں جس میں صرف وہی قیدی رکھے جاتے ہیں جو پہلی دفعہ قید ہوتے ہوں ۔ اسی طرح " دوبارہ احاطے " میں عادی مجرم رکھے جاتے ہیں ۔ " منڈے خانہ " اور " بڈھی خانہ " علی الترتیب لڑکوں اور عورتوں کے احاطوں کو کہتے ہیں ۔ " بدمعاشی " ہر اس چیز کا نام ہے جو جیل خانے میں بلا اجازت لائی جائے مثلاً اگر کسی قیدی کے قبضے سے تمباکو ' چاقو ' شکر گڑ یا اسی قسم کی کوئی اور ممنوع چیز برآمد ہو تو کہتے ہیں کہ " بدمعاشی " پکڑی گئی ۔

اس کے علاوہ " بدمعاشی " کی اصطلاح زیادہ وسیع معنی میں بھی استعمال کی جاتی ہے مثلاً اگر کوئی قیدی اپنے کھانے میں سے کچھ حصہ دوسرے قیدی کو دے دے تو یہ بھی " بدمعاشی " ہے ۔ اگر کوئی شخص کسی قیدی کو بلا اجازت پانی بھی پلا دے تو وہ بھی " بدمعاشی " ہے ۔ غرض ہر وہ کام " بدمعاشی " ہے جو جیل کے قواعد کے خلاف ہو ۔

ہمارے جیل خانوں میں " بدمعاشی " بہت عام چیز ہے ۔ ہم خود جس زمانے میں میانوالی جیل میں " سوراج " حاصل کرنے گئے تھے ' اس وقت ہم سے بھی کئی دفعہ " بدمعاشی " کا ارتکاب ہوا ۔ مثلاً ہم کبھی کبھی باہر سے اخبار منگا لیا کرتے تھے ۔ چند دفعہ سگریٹ منگانے کا بھی اتفاق ہو ۔ اسی طرح ہمارے بعض معزز رفقا مختلف اشیائے خوردنی " بدمعاشی " سے منگا لیا کرتے تھے اور جیل خانے والوں کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی ۔

قیدیوں نے " بدمعاشی " کے بعض نہایت اعلیٰ طریقے دریافت کر رکھے ہیں جن پر وہ سال ہا سال تک نہایت کامیابی سے عمل کرتے رہتے ہیں اور جیل کے ملازموں کو پتا نہیں چلنے دیتے ۔ مثلاً بعض قیدیوں نے نقد روپیہ رکھنے کا یہ ڈھنگ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ اپنے حلق کے اندر سیسے کی ایک گولی اتار کر اچھا خاصا خلا پیدا کر لیتے ہیں

Marfat.com

جس میں بیس بیس پچیس پچیس روپے یا پاؤنڈ باسانی رکھے جاسکتے ہیں اور کسی کو شبہ تک نہیں ہو سکتا۔ اس خلا کو جیل کی اصطلاح میں "گوتا" کہتے ہیں۔ ہمیں لاہور جیل میں ایک ڈاکو سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ دوران گفتگو میں اس نے بے انتہا عقیدت سے کہا کہ "مولوی صاحب' اگر آپ کو کچھ روپوں کی ضرورت ہو تو آپ بے تکلف ارشاد فرما دیا کیجئے' بندہ حاضر کردیا کرے گا"۔ ہم نے پوچھا کہ "آخر تم روپوں کو رکھتے کہاں ہو" یہ سنتے ہی اس نے احتیاطاً ادھر ادھر دیکھ کر اپنا ایک ہاتھ حلق پر اور دوسرا منہ پر رکھ کر "عو" کی آواز جو نکالی تو ہمیں پندرہ چمکتے ہوئے ساورن (پاؤنڈ) اس کی ہتھیلی پر نظر آئے۔

جیل کے اکثر ملازموں کو ان باتوں کا علم ہوتا ہے لیکن چونکہ قیدی ان کی مٹھی گرم کرنے میں کبھی تامل نہیں کرتے' اس لئے وہ اغماض سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ ہمارا خیال ہے کہ سنٹرل جیل لاہور کے اندر کم از کم پانچ ہزار روپیہ قیدیوں کے قبضے میں پوشیدہ ہوگا۔

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۱۲۹۔ شنبہ' ۱۲ نومبر ۱۹۲۹ء

(۱۹)

جس دن ملک معظم جارج پنجم انگلستان کے تخت پر بیٹھے ہیں[۵] ' ہندوستان میں حکومت اور اس کے وفاداروں کی طرف سے ہر مقام پر جلسے منعقد کئے گئے۔ مدارس کے لڑکوں میں شیرینی تقسیم کی گئی اور آتش بازی چھوڑی گئی۔ راقم الحروف اس زمانے میں طالب علم تھا اور پٹھان کوٹ میں رہا کرتا تھا۔ ہمارے مکان کے پاس ہی کسی بزرگ کا تکیہ تھا' جس میں دن رات بھنگڑا اور چرسی فقیروں کا جمگھٹا ہو حق کے نعرے لگایا کرتا تھا۔ تاج پوشی کے دن کسی وفادار نے کوئی ایک روپے کی بھنگ اور دو تین روپے کی چرس خرید کر اس تکیے کے فقیروں کو دے دی تاکہ وہ بھی اپنے انداز میں جشن منائیں۔ فقیروں نے صبح ہی سے "کونڈی ڈنڈا" دھو دھا کر رگڑا شروع کردیا اور پے در پے پیالہ ہائے بنگ لنڈھانے لگے۔

کوئی دوپہر کا وقت ہوگا' راقم الحروف نے تکیہ کے پاس سے گزرتے ہوئے محض بر سبیل تفنن ایک سائیں جی سے پکار کر کہا۔ "سائیں' کچھ معلوم بھی ہے آج یا

Marfat.com

بادشاہ تخت پر بیٹھا ہے"۔ سائیں نے دعا دے کر کہا۔ "نہیں سالک صاحب ابھی نہیں بیٹھا"۔ راقم کسی دوست سے باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں پندرہ بیس منٹ اور گزر گئے اور فقیروں نے دو دو پیالے اور چڑھا لئے۔ اس کے بعد راقم نے پھر سائیں سے پوچھا۔ "کیوں حضرت، ابھی بادشاہ تخت پر بیٹھا ہے یا نہیں ؟" جواب ملا کہ " ابھی نہیں"۔ راقم چند منٹ ٹھہر کر سیر دیکھنے لگا۔ فقیروں نے بے شمار پیالے پی لینے کے بعد چرس کی گولیاں قلیان میں بھریں اور ایسے ہنگامہ خیز دم لگائے کہ چلم سے شعلے اٹھنے لگے۔ جب یہ دور پورا ہوچکا تو بڑے سائیں نے خود ہی آواز دے کر راقم کو بلایا اور للکار کر کہا "سالک صاحب، صبح سے بادشاہ تخت کے گرد ہی گھوم رہا تھا۔ اب تخت پر بیٹھا ہے۔ لگے دم نہ خطرہ نہ غم۔ حقا! توڑ کفر دکھلا مکہ، بیری دشمن کو دے دھکا"۔ یہ للکار سن کر بہت ہنسی آئی اور خیال آیا کہ فقیروں کی بادشاہی اور تخت نشینی وہی ہے کہ نشہ ہوجائے۔ جس وقت دماغ پر سرور و سرخوشی کا عالم طاری ہوگیا۔ اس وقت فقیر نے محسوس کیا کہ میں بادشاہ ہوں اور تخت پر بیٹھا ہوں۔ اس بادشہی کے لئے ملک و رعایا، شوکت شاہانہ اور تخت و تاج کی کوئی ضرورت نہیں۔

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۱۶۹۔ شنبہ ۔۔ ۴ جنوری ۱۹۳۰ء

(۲۰)

اخباروں میں ایک اطلاع شائع ہوئی ہے کہ کوئی صاحب نفیس الحسن نسیم ایم۔ اے لکھنوی عنقریب لاہور سے ایک روزنامہ جاری فرمانے والے ہیں، جس کا نام "سالک" ہو گا۔ اس قدر افزائی کا شکریہ لیکن ہم ابھی سے پیش گوئی کئے دیتے ہیں کہ یہ اخبار کامیاب نہ ہوگا کیونکہ اس کے نام ہی میں خرابی مضمر ہے"۔ "سالک فروشی" کوئی اچھا کاروبار نہیں۔ سالک تو ایک ایسی جنس کا سد ہے جس کا کوئی خریدار نہیں۔ اگر جناب نسیم اپنے اخبار کا نام بدل کر "نسیم" رکھ دیں تو بہتر ہے ۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۱۷۳۔ جمعہ۔ ۱۰ جنوری ۱۹۳۰ء

(۲۱)

۲۷، فروری کی شام کو ایک ہندو بزرگ نے جو ہمارے حال پر بہت شفقت فرماتے ہیں، ازراہ شفقت بزرگانہ ٹیلیفون کے ذریعے سے استفسار فرمایا کہ "میں آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ شراب کا شغل بھی فرماتے ہیں؟" مدیر

Marfat.com

افکار" نے لاحول پڑھ کر گزارش کی کہ آخر اس سوال کی شان نزول کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ "میرے ایک دوست نے ریاست جیند سے نہایت نفیس ریاستی شراب کی چار پانچ بوتلیں بہ طور تحفہ بھیجی ہیں اور میں ٹیلی فون پر اپنے بعض مکرم دوستوں سے دریافت کر رہا ہوں کہ انھیں شوق ہو تو ایک بوتل بھیج دوں"۔

راقم الحروف نے عرض کیا کہ آپ کو غلطی ہوئی۔ یہ "انقلاب" کا دفتر ہے۔ "انقلاب" مسلمانوں کا اخبار ہے۔ اور میں سالک ہوں جس نے آج تک اس ام الخبائث کا ایک قطرہ بھی نہیں چکھا اور مجھے عمر بھر میں یہ پہلا اتفاق ہے کہ میرے کسی دوست نے مجھے ایسی چیز بہ طور ہدیہ بھیجنے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ آپ کسی اور اخبار کے دفتر میں فون کر کے دریافت کیجئے۔ جو یندہ یا بندہ ممکن ہے کہ آپ کو کوئی ایسے ایڈیٹر صاحب مل جائیں جو بغیر پئے مقالہ افتتاحیہ نہ لکھ سکتے ہوں اور مرزا غالب کے اس شعر پر عامل ہوں ۔۔

بے مے نکند در کیف من خامہ روانی　　　سردست ہوا آتش بے دود کجائی

یہاں تو روزے سے ہوں اور افطار کا وقت قریب ہے کوئی چھوہارا ہو تو بھیج دیجئے"۔
اس پر وہ ہندو بزرگ اپنی غلطی محسوس کر کے نادم ہوئے اور ٹیلی فون بند کر کے چلے گئے

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۲۱۵۔ چہار شنبہ۔ ۵' مارچ ۱۹۳۰ء

(۲۲)

افواہوں کے تذکرے میں ہمیں وہ زمانہ یاد آگیا جب یورپ جنگ عظیم میں مبتلا تھا اور بے سروپا افواہیں خوب پھیلتی تھیں۔ کبھی ہم سنتے تھے کہ ضلع جھنگ کے ایک کھیت میں کوئی ہوائی جہاز اترا' جس میں انور پاشا تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے گاؤں کے لوگوں کو بہت سی اشرفیاں دیں اور ان کو ممنون احسان بنا کر چل دئے۔ کبھی یہ سننے میں آتا کہ "جرمن" (یعنی قیصر) آج کل ہندوستان میں ہے اور انگریزوں کے استحکامات کا اندازہ کر رہا ہے' اس کے بعد وہ جاتے ہی ہندوستان پر ... بول دے گا"

وہ ہمارا لڑکپن کا زمانہ تھا۔ دل میں شرارت سوجھی تو ہم نے بھی پٹھان کوٹ میں ایک نہایت مزے کی افواہ تصنیف کی۔ ہمارے پاس متعدد احباب بیٹھے ...

Marfat.com

نے انھیں نہایت راز دانہ انداز سے بتایا "کیا آپ حضرات نے یہ خبر نہیں سنی ؟ ابھی ابھی اطلاع پہنچی ہے کہ رات " جرمن " کا ایک ہوائی جہاز لاہور کے عجائب گھر کے سامنے اترا اور بھنگیوں کی توپ اٹھا کر لے گیا کیونکہ اب قیصر صاحب جنگ میں اس قسم کی توپ بھی استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

یہ افوہ جس کی لغویت بالکل روشن اور ظاہر تھی ' قصبے میں پھیل گئی اور اس قدر "آنا" "فانا" پھیلی کہ کوئی دو گھنٹے کے بعد ہمارے والد صاحب کے ایک قدیم الخیال دوست ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے " میاں تم ' تو ہمیشہ اخبارات کو لپٹے رہتے ہو ' کبھی کوئی دلچسپ خبر تو سناتے ہی نہیں ' لاؤ ہم تمہیں آج ایک خبر سناتے ہیں ' تم بھی کیا یاد کرو گے"

ہم سراپا توجہ ہو گئے تو آپ نے اپنا منہ ہمارے کان کے پاس لا کر فرمایا کہ رات " جرمن " کا ایک ہوائی جہاز لاہور میں اترا اور بھنگیوں کی توپ اٹھا کر لے گیا۔ بس اس سے سمجھ لو کہ انگریز اب ہندوستان میں دو دن کے مہمان ہیں۔ میاں ! ذرا دیکھنا جو شخص راتوں رات ایک غیر ملک میں پہنچ کر " بھنگیوں کی توپ " جیسی بڑی چیز ہوائی جہاز میں لے جائے ' اس کے لئے اس ملک کو فتح کر لینا کونسی بڑی بات ہے "

ہم نے ان بزرگ کی زبانی افواہ سن کر بے اختیار ایک قہقہہ لگایا اور کہا " حضرت ' آپ کس خیال میں ہیں ' یہ افواہ تو ابھی دو گھنٹے ہوئے ہمارے ہی کارخانے میں گھڑی گئی تھی اور آپ ہمیں اس انداز سے سنا رہے ہیں گویا آپ کے پاس ریوٹر ایجنسی کا تار براہ راست آیا۔ یہ کہہ کر ہم نے پھر ایک طویل قہقہہ لگایا اور وہ بزرگ ہماری اس گستاخی پر برافروختہ ہو کر چلے گئے۔

اس زمانے میں شہزادہ علی گوہر خان پٹھان کوٹ میں انسپکٹر پولیس تھے اور راقم الحروف پر بے انتہا شفقت فرماتے تھے۔ اس افواہ کی اشاعت کے دوسرے ہی دن آپ نے خاص آدمی بھیج کر ہمیں بلوایا۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ ہمیں دیکھ کر بے اختیار ہنس دیے اور فرمانے لگے کہ صاحب وہ بھنگیوں کی توپ کا قصہ تو ہمیں بھی سنا دیجئے۔

یہ معلوم کر کے کہ معاملہ پولیس تک پہنچ چکا ہے ' ہم تو ایسے چپ ہوئے کہ کچھ جواب ہی نہ دے سکے۔ شہزادہ صاحب نے نہایت شفیقانہ نصیحت کی اور فرمایا کہ "

Marfat.com

میں جناب کے تخیل کی تو داد دیتا ہوں کہ آپ نے نہایت پرلطف افواہ تصنیف فرمائی لیکن ادب کی یہ صنف کسی قدر خطرناک ضرور ہے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کسی موقع پر دھر لئے جائیں "۔ ہم نے اس تنبیہہ کے بعد سے آج تک " ادبیات " کی اس صنف لطیف کی طرف توجہ نہیں کی لیکن احباب کا خیال ہے کہ مذکورہ افواہ اس فن خصوصی میں شہکار کی حیثیت رکھتی ہے ۔

انقلاب ۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۵ ۔ چہار شنبہ ۔ ۴ جون ۱۹۳۰ء

(۲۴)

بعض حضرات کی بے تکلفی نہایت دل چسپ ہوتی ہے ۔ سہسوان ضلع بدایوں میں ایک صاحب نے عطر تیل کا کارخانہ جاری کیا ہے اور حال ہی میں مہتمم " انقلاب" کے نام ذیل کا مکتوب بھیجا ہے ۔

مزاج شریف ' گزارش یہ ہے کہ ہم نے حال میں عطر تیل کا کام شروع کیا ۔ جس کے لئے آپ کی عنایت کی بھی ضرورت ہے ' لہٰذا جناب ایک مسلم ہونے کی حیثیت سے ایک مسلم کے ساتھ یہ عنایت فرمایئے کہ آپ کے خریداران اخبار کے ایک ہزار پتے چاہئیں ' لہٰذا جو قیمت ہو اس سے مطلع فرمایئے ۔ امید ہے کہ مثل اور اخباروں کے آپ بھی مجھ جیسے ناچیز پر اپنا کرم فرمائیں گے ۔

گویا ان حضرت کے نزدیک ہم اخبار فروش نہیں بلکہ " پتا فروش " ہیں ۔ ہمارا پیشہ یہی ہے کہ بہت سے شریف آدمیوں کے پتے کسی نہ کسی طرح حاصل کرلیں اور اس کے بعد ان کو بازار میں بیچنا شروع کردیں اور ہر طرف صدا لگاتے پھریں ۔ " پتے لے لو پتے ! ایک روپے کے دس ' دس روپے کے سو ' سو روپے کے ہزار ' تازہ بہ تازہ ہیں ۔ پتے لو لے پتے " ۔

جناب نے یہ فقرہ بھی لکھا ہے کہ " ہم ایک مسلم ہونے کی حیثیت سے ایک مسلم کے ساتھ یہ عنایت کریں " ۔ بندہ پرور ' جب قیمت اور معاوضہ کا سوال درمیان میں آگیا تو پھر مسلم اور غیر مسلم پر کیا موقوف ہے ' جس کی ناک پر ٹکا رکھ دیجئے گا ' وہی آپ کا کام کردے گا ' لیکن وہ کوئی احمق اخبار ہوں گے جو اپنے پتے چند روپے کے معاوضے میں آپ کے حوالے کردیں ۔ " انقلاب " والوں سے یہ توقع نہ رکھئے

انقلاب ۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۱۵ ۔ پنج شنبہ ۔ ۱۹ جون ۱۹۳۰

Marfat.com

راقم الحروف عدم تعاون کے زمانے میں قید ہوا تو اے کلاس میں رکھا گیا۔ چند ہی مہینے میں وزن ۱۳۰ پونڈ سے بڑھ کر ۱۷۵ پونڈ تک جا پہنچا۔ انسان کی صورت سے اسٹیم رولر کی ہیئت اختیار کر لی اور جو طرح طرح کے امراض لاحق ہو گئے وہ علیحدہ رہ گئے۔ آخر کئی سال کے بعد اب کھانا پینا کم کر دیا۔ بیسیوں اشیائے خوردنی ہمیشہ کے لئے ترک کر دیں تو خدا خدا کرکے وزن کم ہوا اور انسانوں کی جون میں آئے۔

جب اے کلاس میں ہمارا یہ حال ہوا تو آپ خود سوچ لیجئے اگر ہم کو "سی کلاس" دے دی جائے اور ڈائریکٹر صاحب کے قول کے مطابق اس حالت میں ہمارا وزن بڑھنے لگتا تو غالباً ۱۷۵ سے بڑھ کر ۷۵ء۳ پونڈ تک پہنچ جاتا اور دنیا اس قدر وسعت کے باوجود ہم پر تنگ ہو جاتی۔

انقلاب ۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۱۴۴ ۔ جمعہ ۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۰ء

آج کل جرمنی میں سب سے زیادہ ہر دلعزیز شخصیت ایڈولف ہٹلر کی ہے۔ آپ نیشنلسٹ سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر ہیں اور ملک میں آپ کی طاقت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ آپ نے ملاقاتیوں کی کثرت سے تنگ آکر اعلان کیا ہے کہ میں ہر نمائندۂ جراید سے ملاقات کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ میری گفتگو ایک ہزار الفاظ سے کم نہ ہو گی اور میں چار شلنگ فی لفظ کے حساب سے معاوضہ وصول کروں گا۔

اگرچہ اس ترکیب سے ہٹلر صاحب کا وقت ضائع کرنے والوں کی تعداد میں کمی واقع ہو جائے گی لیکن جرمنی میں ایسے اولوالعزم اخبار موجود ہیں جو اس شرح پر بھی ہٹلر صاحب سے ملاقات کرنے کو تیار ہوں گے۔

مدیر "افکار" کے ملاقاتیوں کی تعداد بھی خدا جھوٹ نہ بلوائے تو روزانہ پچاس ساٹھ تک ضرور پہنچ جاتی ہے۔ اگرچہ ہم نہ سرہال کین ہیں نہ ایڈولف ہٹلر لیکن بہرحال قوم کے خادم اور اخبار نویس تو ہیں اور دن رات کی مصروفیت کے باعث یہ استحقاق بھی رکھتے ہیں کہ اپنے وقت کو ضائع ہونے سے بچائیں۔ اگر احباب اور دیگر حضرات نے تضیع اوقات کا سلسلہ برابر جاری رکھا تو ایک دن بادل نخواستہ ہمیں بھی اپنی ملاقات کی قیمت مقرر کرنی پڑے گی۔ اگر زیادہ نہیں تو ایک سو روپیہ فی ملاقات تو ضرور ملنا چاہئے لیکن یہ ہندوستان ہے اگر ہم نے اس قسم کی حرکت کی انشاء اللہ انسان کی صورت دیکھنے کو بھی ترسا کریں گے۔

انقلاب ۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۱۳۳ شنبہ ۔ ۱۵ نومبر ۱۹۳۰ء

Marfat.com

تعلیقات و حواشی

(۱) صوفی لچھمن پرشاد ۱۸۸۶ء میں ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے تھے ۔ آپ نے ایف ۔ ایس ۔ سی پاس کرنے کے بعد آیورویدک اور یونانی طب پڑھی تھی ۔ اس کے بعد لاہور میں مطب کرنے لگے تھے ۔ آپ نے ۱۹۱۲ء میں رسالہ " مستانہ جوگی " جاری کیا تھا جو ۱۹۴۷ء تک جاری رہا تھا اور طب کے موضوع پر کئی کتابیں تصنیف کی تھیں

نقوش ۔ لاہور نمبر ۔ شمارہ ۹۲ ۔ ص ۸۳۷ ۔ لاہور ۱۹۶۲ء

(۲) سالک تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے دوران ۴ نومبر ۱۹۲۱ء کو گرفتار کرلئے گئے تھے اور ایک سال قید رہے تھے ۔ آپ اس وقت " زمیندار " کے ایڈیٹر تھے ۔

(۳) امرتسر سے ایک، ہفت روزہ نکلتا تھا جس کے ایڈیٹر سینت ہری چند تھے ۔ اس میں اسلام پر ناروا حملے کئے جاتے تھے اور قرآنی آیات کا مذاق اڑایا جاتا تھا ۔

(۴) Socety for Promotinon of Scinentfc Knowledge

(۵) سالک کے چچا محمد افضل خاں ٹانک میں سرکار انگریزی کے ملازم تھے ۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کو سالک پٹھان کوٹ سے ٹانک روانہ ہوئے ۔ ملازمت کے سلسلے میں افضل خان کو وانو میں بھی قیام کرنا پڑا تھا ۔ وہیں سالک کی ملاقات ملا حیات اللہ سے ہوئی تھی ۔ ملا صاحب کا علم ملفوظی تھا اور آپ لکھنا نہ جانتے تھے ۔ سالک ۷ مئی ۱۹۱۲ء کو بٹالہ واپس آگئے تھے ۔

سرگزشت ۔ مصنف عبدالمجید سالک ۔ ص ۴۴ ۔ ۳۶ ۔ باردوم ۔ ۱۹۶۶ء

(۶) سالک یکم اپریل ۱۹۲۰ء کو " زمیندار " سے وابستہ ہوئے تھے ۔ مہر نومبر ۱۹۲۱ء کو " زمیندار " سے وابستہ ہوئے تھے لیکن آپ نے چند روز ہی یہاں کام کیا تھا کہ آپ پھول پور چلے گئے اور " زمیندار " بھی بند ہوگیا ۔ مولانا فروری ۱۹۲۲ء میں " زمیندار " سے مستقل طور پر وابستہ ہوئے ۔

" (مولانا غلام رسول مہر حیات اور کارنامے " ۔ از ڈاکٹر شفیق احمد ۔ ص ۵۴ ۔ ۵۲

Marfat.com

۔ مجلس ترقی ادب لاہور ۔ طبع اول جون ۱۹۸۸ء

(۷) مہر و سالک آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس منعقدہ دہلی میں شرکت کے لئے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء کو دہلی پہنچے تھے ۔

(۸) شہنشاہ جارج پنجم ۲۲ جون ۱۹۱۱ء کو تخت نشین ہوئے تھے ۔ اسی روز سالک انٹرنس (میٹرک) کے امتحان میں کامیاب ہوئے تھے ۔ اس وقت آپ کی رسمی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا ۔ "زمیندار" میں ملازمت کے دوران آپ نے ایف ۔ اے اور بی ۔ اے کے امتحانات پاس کئے تھے ۔

نقوش ۔ لاہور نمبر ۔ شمارہ ۹۲ ۔ ص ۸۹۳ ۔ سرگزشت ۔ ص ۳۲ ۔

(۹) ایڈولف ہٹلر ۱۹۳۳ء میں جرمنی کا چانسلر بنا تھا ۔ ۱۹۳۰ء میں وہ نازی پارٹی کا لیڈر تھا لیکن اس کے جارحانہ عزائم دنیا والوں پر واضح نہ ہوئے تھے ۔

(۱۰) سہو کتابت کی بنا پر یہ لفظ چھوٹ گیا تھا ۔ اضافہ از مرتب ۔

Marfat.com

باب دوم

احباب و معاصرین

Marfat.com

Marfat.com

مولانا غلام رسول مہر

(۱)

بھائی مہر جب سے سرزمین مقدس حجاز سے واپس آئے ہیں، زیادہ تر عربی میں گفتگو فرماتے ہیں۔ دفتر ہو یا مکان، تانگہ ہو یا کوئی تفریحی مقام، غرض ہر جگہ آپ کی زبان عرب ترجمان ام الالسنہ کے پھول بکھیرتی ہے اور قرآنی عربی کے علاوہ حجازیوں کے مخصوص الفاظ و مخففات مثلاً "شف" "ایس تقول" اور "مافش" وغیرہم بھی آپ کی زبان پر روا رہتے ہیں۔ سب سے زیادہ دلچسپ منظر وہ ہوتا ہے جب آپ کسی عربی نہ جاننے والے کے سوالات کا جواب بھی اپنی عادت سے مجبور ہو کر عربی ہی میں دیتے ہیں اور وہ غریب ان کا منہ تکتا رہ جاتا ہے۔

پچھلے دنوں ایک نہایت دل چسپ واقعہ پیش آیا، جس کے تذکرے سے قارئین "افکار" کو محروم رکھنا بے انصافی ہوگی۔ لاہور کے اکثر مقامات پر خالی تانگے سواریوں کے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں اور جونہی کوئی شخص پاس سے گزرتا ہے ان تانگوں کے کوچوان پکار پکار کر پوچھتے ہیں "کیوں صاحب تانگہ لاؤں"۔

آج سے چار پانچ روز پیشتر راقم اور بھائی مہر شام کے وقت سیر و تفریح کی غرض سے میکلوڈ روڈ پر جا رہے تھے اور بھائی مہر راقم کے ساتھ نہایت زور و شور سے عربی میں گفتگو فرما رہے تھے۔ اتنے میں ایک تانگے والے نے آواز دی "کیوں صاحب تانگہ لاؤں؟" چونکہ تانگہ کی ضرورت نہ تھی، اس لئے مولانا مہر نے بے ساختہ اسے بھی عربی ہی میں جواب دیا کہ "لا"

یہ جواب سنتے ہی تانگے والے نے گھوڑے کو ٹٹکاری دی اور باگیں اٹھا کر تانگے کو ہماری طرف لے آیا۔ راقم نے اس سے کہا کہ "تانگہ ہمیں نہیں چاہئے"۔

اس پر وہ منہ بنا کر کہتا ہے کہ "صاحب! آپ نے کمال کر دیا۔ آپ کے ساتھی تو کہہ رہے تھے 'لا' اور آپ کہتے ہیں کہ نہ لا۔ آخر میں کس کے حکم کو صحیح سمجھوں؟"

Marfat.com

اس پر ہم دونوں نے مل کر قہقہہ لگایا اور تانگہ والا کھسیانا سا ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ خدا جانے اس نے اپنے جی میں ہمارے متعلق کیا رائے قائم کی ہو گی۔

انقلاب۔ جلد ۱۔ نمبر ۴۳۔ چہار شنبہ۔ ۲۵ مئی ۱۹۲۷ء

(۲)

بھائی بشیر احمد انسپکٹر اورینٹل بیمہ کمپنی لکھتے ہیں کہ:

" چونکہ والدین بچوں کے نام تجویز کرتے وقت ان کے مستقبل سے بے خبر ہوتے ہیں، اس لئے بہ مشکل ہی کوئی " اسم با مسمی " ملتا ہے لیکن تعجب ہے کہ بعض لوگ تخلص کیوں " بے جوڑ " مقرر کر لیتے ہیں۔ حضرت سالک کا تخلص " رند " مناسب تھا۔ (آداب عرض ہے۔ قدردانی کا شکریہ۔ مدیر " افکار ") مہر صاحب سلطان ابن سعود کے مخالفین پر جو سختی کرتے ہیں، اس لحاظ سے ان کا تخلص مہر نہیں بلکہ قہر ہونا چاہئے تھا۔ حفیظ صاحب اثر ہوتے موزوں تھا، وہ اثر کے باپ بن بیٹھے۔ ابوالاثر !۔"

" کپور تھلہ اخبار کے ایڈیٹر جناب مضطر میرے دوست ہیں۔ کاش میں انہیں اس پر مجبور کر سکتا کہ وہ ساکن تخلص کیا کریں۔ جناب خورشید احمد صاحب خاموش (لوئر دیپال پور ڈویژن) سے ملاقات ہوئی تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کیا حسب حال تخلص ہے۔ ماشاء اللہ شاعر اور اتنا کم گو کہ بس خاموش ہی پھبتا ہے "۔

(کہیں خاموش صاحب نے بیمہ تو نہیں کرا لیا کہ ان کی اتنی تعریف ہو رہی ہے)

حفیظ و مضطر تو اس اعتراض کا خود جواب دیں گے لیکن سالک و مہر کی طرف سے جواب حاضر ہے۔ جس طرح والدین اپنے بچوں کے نام تجویز کرتے وقت ان کے مستقبل سے بے خبر ہوتے ہیں، اسی طرح شاعر بھی اپنا تخلص مقرر کرتے وقت عالم الغیب یا "عامل حکیم کریم الدین" نہیں ہوتا۔ سالک لڑکپن میں مراقبے کیا کرتا تھا، اسے کیا معلوم تھا کہ وہ کبھی مدیر "افکار و حوادث" ہو گا۔ مہر صاحب تخلص رکھتے وقت مہر و وفا کے پتلے تھے، انہیں کیا معلوم تھا کہ کبھی خدام الحرمینیوں کے خلاف سنان قلم تیز کرنا پڑے گا۔ اگر حالات کے تغیر کے ساتھ تخلص میں بھی تغیر ہونا لازم ہے تو کیا مہر صاحب اپنے ہر مقالہ افتتاحیہ پر نیا تخلص تلاش کیا کریں اور کسی دن اپنے نام کے ساتھ فسادات کسی دن حقوق، کسی دن نیابت، کسی دن بلدیہ اور کسی دن قلپائن

Marfat.com

لکھا کریں!

افسوس ہے کہ بھائی بشیر نے اعتراض کرتے وقت سالک کے "سلوک" اور مہر کی "مہربانیوں"! کو پیش نظر نہ رکھا اور رندی اور قہر کو زیادہ اہمیت دی۔ کاش وہ آئندہ تخلص اور صاحب تخلص کی طبیعت کے روشن پہلو کو زیادہ مد نظر رکھا کریں۔

انقلاب۔ جلد ۱۔ نمبر ۵۶۔ جمعہ۔ ۱۰ جون ۱۹۲۷ء۔ عید نمبر

(۳)

مولوی حامد صاحب انصاری غازی کے ایک دوست ایاز تخلص فرماتے ہیں۔ آپ کے چند اشعار موصول ہوئے ہیں۔ آخری دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

اے مہر تو جہاں کو پیام سکوں سنا
میں انقلاب دہر سے بیزار ہوگیا

لیکن ایاز صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ "انقلاب" زندگی کی نشانی ہے' اس سے بیزار ہونا موت ہے۔ مہر درخشاں کا کام دنیا کو ہر صبح پیغام ہنگامہ آرائی دینا ہے۔ سکون کا پیام تو رات دیا کرتی ہے۔

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

ایاز صاحب کا دوسرا شعر مقطع ہے۔ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں کہ ؎

ابنائے دہر اتنا ہنسے مجھ پہ اے ایاز
سالک کا میں "حوادث و افکار" ہو گیا

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۸۔ سہ شنبہ۔ ۲۶ جولائی ۱۹۲۷ء

(۴)

بھائی مہر اپنے کمالات صحافت' اپنی علمی قابلیت اور ہوش مندی میں کیسے ہی ممتاز کیوں نہ ہوں لیکن جب کبھی انہیں کسی سفر پر جانے کا اتفاق ہوتا ہے' بچوں کی طرح ضرور ایک آدھ چیز رستے میں کھو آئے ہیں۔ بعض احباب کو یاد ہوگا آج سے چند سال پہلے آپ دہلی میں کانگرس کا اجلاس خاص دیکھنے گئے تو اپنی ٹوپی اور ستر روپے گم کر آئے تھے۔ اگر ایک آدھ دفعہ ایسا ہوتا تو ہم اسے "سوئے اتفاق" سے تعبیر کرتے

Marfat.com

خاموش ہو جاتے لیکن چونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے' اس لئے ماننا پڑے گا کہ بھائی خود ہی اپنی چیزوں کی حفاظت کا خیال نہیں رکھتے۔

پچھلے دنوں آپ کو مغربی پنجاب کے ایک مقام پر جانے کا اتفاق ہوا۔ روانگی سے چند گھنٹے قبل اسٹیشن ماسٹر لاہور کو اطلاع دے دی گئی کہ آج رات کی ٹرین پر ہم فلاں جگہ جائیں گے' لہٰذا ہمارے لئے اس ڈبے میں جو سرگودھا کے لئے مخصوص ہے۔ ایک نشست محفوظ رکھئے گا۔ اسٹیشن ماسٹر نے ٹیلیفون پر آکے سر تسلیم خم کیا اور نشست محفوظ کر دی۔

رات کے دس بجے بھائی مہر ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ ٹرین پلیٹ فارم پر کھڑی تھی۔ آپ نے بدحواسی کے عالم میں خدا جانے کس سے پوچھا کہ سرگودھا والا ڈبہ کہاں ہے؟ اس نامعلوم شخص نے جواب دیا کہ ابھی وہ لگایا نہیں گیا۔ ٹرین میں سب سے پیچھے لگایا جائے گا۔ چنانچہ آپ اپنے اسباب کی گٹھری سنبھال ٹرین کے آخری ڈبوں کے پاس جاکر کھڑے ہوگئے تاکہ جونہی سرگودھا والا ڈبہ لگایا جائے' کھٹ سے اس میں داخل ہوکر بستر جما دیں۔

آپ کو یہاں کھڑے کھڑے مدت ہی گزر گئی لیکن وہ سرگودھا والا ڈبہ خدا جانے کہاں بھاگ گیا کہ نظر ہی نہ آیا۔ آپ نے پریشان ہوکر کسی واقف کار سے سوال کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ڈبہ تو ٹرین کے اگلے حصے میں انجن کے پاس لگا ہوا ہے "لاحول ولا قوۃ" پڑھ کر جو انجن کی طرف بھاگے تو گارڈ نے سیٹی بجا دی اور ٹرین نے چل دینے کا تہیہ کرلیا۔ اب مہر صاحب ہیں کہ بھاگا بھاگ انجن کی طرف لپکے جارہے ہیں۔ آخر خدا خدا کرکے وہ ڈبہ مل گیا۔ آپ اس میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ کم بخت اسٹیشن ماسٹر نے آپ کے لئے ایک بالائی سیٹ محفوظ کر رکھی ہے۔ ہم کہہ نہیں سکتے کہ اسٹیشن ماسٹر نے آپ کو کوئی ٹرنک یا بستر خیال کیا۔ بہر حال قہر درویش برجان درویش آپ کو اس بالائی سیٹ پر ہی اکتفا کرنا پڑا کیونکہ باقی تمام نشستیں رکی ہوئی تھیں۔

دو مسافر اور ایک "مسافرانی" آپ کی ہم سفر تھیں لیکن چونکہ رات کا وقت تھا' ہر شخص سونے کی فکر میں تھا' اس لئے تعارف کی نوبت نہ آئی۔ بھائی مہر نے اپنا کوٹ اور ایک نہایت خوبصورت نظام آبادی چھڑی کھونٹی پر لٹکا دی اور خود اوپر کی سیٹ پر بستر بچھا کر دراز ہوگئے۔

Marfat.com

تھوڑی دیر میں آپ کی جو آنکھ کھلی تو آپ کے ہم سفر نے نہایت اطمینان آمیز انداز سے بزبان انگریزی ارشاد فرمایا کہ "وہ چلے گئے"۔ بھائی نے پوچھا "کون چلے گئے ؟ "۔ جواب ملا "وہی مسافر جو آپ کے نیچے والی نشست پر قابض تھے "مہر صاحب نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنا بستر اٹھا کر نیچے کی سیٹ پر اتر آئے۔ ابھی آپ اس پر سیٹ پر لیٹے نہ تھے کہ دفعتاً" آپ کی نظر کھونٹی پر جا پڑی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ کوٹ اور چھڑی دونوں غائب یا مظہرا لعجائب' یہ کیا معاملہ ہے ؟ ڈرتے ڈرتے ہم سفر سے پوچھا۔ "کیوں صاحب ! یہاں میرا کوٹ ٹنگا ہوا تھا' وہ کیا ہوا ؟ " مہر صاحب نے پریشان ہو کر پوچھا "آخر بتایئے تو سہی ان کا کیا حشر ہوا ؟ "

ہم سفر نے جواب دیا کہ "وہ مسافر صاحب جو اس سیٹ پر براجمان تھے' نہایت بدحواس اور افیمی واقع ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان کا اسٹیشن آگیا جب بھی ٹس سے مس تک نہ ہوئے اور اس وقت ہوش میں آئے جب گاڑی اسٹیشن سے چلنے کو تیار ہو گئی۔ ہڑ بڑا کر اٹھے اور گاڑی سے اتر کر مجھے حکم دیا کہ میرا سارا سامان کھڑکی میں سے باہر پھینک دیجئے۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ان کے ٹرنک اور بستر کے ساتھ ہی کھونٹی پر سے کوٹ اور چھڑی بھی اتار کر باہر پھینک دی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ دونوں چیزیں آپ کی تھیں"۔

بھائی مہر یہ سن کر بہت بھنائے لیکن کیا کر سکتے تھے' خون کے گھونٹ پی کر چپکے ہو رہے۔ وہ تو خدا کا بڑا فضل ہوا کہ آپ نے سونے سے پہلے بٹوہ کوٹ کی جیب سے نکال کر سرہانے رکھ لیا تھا' ورنہ سفر سے واپس آنا تو درکنار منزل مقصود تک پہنچنا بھی ناممکن ہو جاتا۔ کوٹ کی جیب میں کچھ ضروری یادداشتیں اور چند کنجیاں تھیں جو خدا جانے اس وقت کس کے قبضے میں ہیں اور وہ انہیں کیونکر استعمال کر رہا ہے ؟ یہ بھی خیریت ہوئی کہ چلتے وقت آپ نے ایک اوور کوٹ گٹھڑی میں باندھ لیا تھا' ورنہ جس دوست سے ملنے جارہے تھے' وہ یہی خیال کرتا کہ آپ لاہور سے نہیں غسل خانے سے نکل کر آ رہے ہیں۔

واپسی کا سفر بے انتہا دلچسپ ہے' اس کے حالات کے لئے کل کی اشاعت کا انتظار کیجئے۔

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۳۲۔ شنبہ۔ ۲۸ جولائی ۱۹۲۸ء

Marfat.com

(۵)

بھائی مہر کی "رفت" کا حال اشاعت دیروزہ میں شائع ہوچکا ہے۔ آج "آمد" کا قصہ سن لیجئے۔ دنیا میں بہت کم اشخاص کو اس قسم کے سفر کا اتفاق ہوا ہوگا۔ صبح کے ساڑھے سات بجے آپ نے دریائے جہلم کو عبور فرمایا۔ گھاٹ سے دو ڈھائی میل کا فاصلہ گھوڑے پر طے کیا اور پنڈی بہاؤالدین پہنچ گئے۔ یہاں سے ٹرین میں سوار ہوئے لیکن چیلیانوالہ کے اسٹیشن پر جہاں سکھوں اور انگریزوں کی مشہور لڑائی ہوئی تھی، ٹرین سے اتار لئے گئے، کیونکہ آپ کے رفقا آپ کو موٹر پر لاہور لے جانا چاہتے تھے۔ آپ نے بھی سوچا کہ چلو ایک تو ریل کا کرایہ بچ جائے گا، دوسرے سیٹوں کے رک جانے کا قضیہ پیش نہ آئے گا، چنانچہ آپ بطیب خاطر موٹر میں سوار ہو گئے۔

چیلیانوالہ سے جو موٹر روانہ ہوئی تو رستہ نہایت صاف، ہوا نہایت خوش گوار اور موٹر کی رفتار نہایت روح افزا تھی۔ برسات کی وجہ سے گرمی کی شدت کافور ہو چکی تھی اور مہر صاحب کھلی ہوا کے جھونکوں سے مخمور ہو رہے تھے کہ اتنے میں چیلیانوالہ اور ڈنگہ کے درمیان ایک مقام پر موٹر کے پہیئے سڑک میں دھنس گئے۔ ڈرائیور اور دوسرے لوگوں نے بہتیرا زور لگایا لیکن موٹر "گل محمد" ہو کر رہ گئی کہ جنبش کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ بعد از خرابی بسیار یہ مشکل آسان ہوئی لیکن تھوڑی دور جاکر پھر وہی قضیہ پیش آیا۔ کچی سڑک پر جا بجا پانی جمع ہو رہا تھا اور کہیں کہیں دلدلی کیفیت بھی پیدا ہو رہی تھی، چنانچہ یہ دھنسنے کا معاملہ تین چار دفعہ پیش آیا۔ اس مصیبت سے نجات پاکر آپ چار بجے بعد دوپہر ایک گاؤں میں پہنچے، جس کا نام "مٹوانوالہ" مشہور ہے۔ وہاں پہنچتے ہی ایک مصیبت عظمیٰ نازل ہوئی کہ موٹر میں پٹرول ختم ہوگیا۔ سب کے سب پریشان ہوگئے کہ اب کیا ہوگا۔ "ازیں سو رانده وازاں سو درمانده" ۔ "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" ۔ اب بھائی مہر ہیں کہ چپ چاپ موٹر میں بیٹھے ہیں اور ڈرائیور ہے کہ چغد بنا ہوا پاس کھڑا ہے۔ گاؤں کے چھوکروں کو اچھا خاصا تماشہ ہاتھ آگیا۔ انہوں نے موٹر پر ہجوم کردیا اور پچیس تیس کی تعداد میں تنگ دھڑنگ آکر موٹر کے ایک ایک پرزے کا جائزہ لینے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مٹھائی کے ٹکڑے کو بے شمار چیونٹے چمٹے ہوئے ہیں۔ بھائی مہر کا بیان ہے کہ سارے سفر کی پریشانی ایک طرف اور ان چھوکروں کے تمسخر کی تکلیف ایک طرف۔ یہ دونوں مصیبتیں اگر برابر نہ تھیں تو آخر الذکر یقیناً زیادہ شدید تھی۔ قبیلہ کے لونڈوں نے

Marfat.com

قیس عامری کے ساتھ وہ سلوک نہ کیا ہوگا جو بھائی مہر کو "مٹوانوالہ" کے ان نونہالوں کے ہاتھوں برداشت کرنا پڑا۔

اب ذرا غور فرمائیے کہ مٹواں والے میں پٹرول ختم ہونے کی مصیبت کیا معنی رکھتی تھی۔ قریب ترین تین مقامات تھے جہاں سے پٹرول مل سکتا تھا۔ مٹواں والے سے ان مقامات کا فاصلہ ملاحظہ ہو۔ گجرات ۲۱ میل' لالہ موسیٰ ۱۴ میل' پنڈی بھاؤ الدین ۲۲ میل ۔ کوئی ایسا مقام بھی جہاں سے ٹرین میں سوار ہوکر کسی جگہ سے پٹرول لایا جاسکے' پانچ میل سے کم فاصلے پر نہ تھا۔

چنانچہ عالی ہمت ڈرائیور مٹواں والے سے پیدل روانہ ہوکر چوڑا اسٹیشن پر پہنچا جو اس گاؤں سے پانچ میل دور تھا۔ وہاں سے پانچ بجے کی ٹرین میں پنڈی بھاؤ الدین گیا اور پٹرول لے کر رات کے نو بجے کی ٹرین میں واپس چوڑا میں آیا اور پھر وہاں سے اتر کر رات کے گیارہ بجے مٹواں والہ پہنچا جب کہیں مہر صاحب کی مشکل آسان ہوئی۔ مٹواں والہ مرزا قطب الدین صاحب وکیل راولپنڈی کا وطن مالوف ہے۔ مہر صاحب کی موٹر دیکھنے کے لئے جن تماشائیوں کا ہجوم ہوا ان میں حسن اتفاق سے مرزا صاحب کے بھتیجے غلام نبی صاحب بھی تھے جنہیں بھائی مہر کی حالت زار پر بہت ترس آیا اور انہوں نے اس بے کس مسافر کی اس قدر خاطر مدارات کی کہ دن بھر کی پریشانی فراموش ہوگئی۔ مہر صاحب کا بیان ہے کہ مرزا غلام نبی نے "درپریشان حالی و در ماندگی" ان کی جو دست گیری فرمائی وہ مدت العمر نہ بھولیں گے۔

مٹواں والے میں جب مغرب کا وقت ہوا تو بھائی مہر گاؤں کی مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے چلے گئے۔ اس مسجد کا مختصر سا حال سن لیجیے۔ اس کے تین حصے تھے' دالان' برآمدہ' صحن' دالان چھ گز لمبا ڈھائی گز چوڑا' برآمدہ' دالان کے برابر صحن تقریباً چھ گز مربع۔ دیواریں ٹوٹی ہوئی' فرش ندارد۔ قارئین کرام دل میں کہیں گے کہ دیہات کی مسجدیں عام طور پر ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔ مہر صاحب نماز پڑھنے گئے تھے یا عمارت کی زیبائی کا معائنہ کرنا مقصود تھا۔ ہم بھی قارئین کی تائید کرتے ہیں لیکن اس مصیبت کا کیا علاج ہے کہ اس مسجد کی دیوار پر یہ شعر بھی لکھا ہوا تھا۔

بسے ملک گردیدم اندر جہاں ۔ ندیدم چنیں مسجد خوش مکاں

گویا بانی مسجد اور ان کے شاعر صاحب کے نزدیک اس "جامع مٹواں والہ" ــ

Marfat.com

سامنے ایا صوفیہ' جامع سلیم' مساجد اسکندریہ' جامع مسجد دہلی' شاہی مسجد لاہور اور دیگر تمام بادشاہی مساجد بے حقیقت ہیں اور "خوش مکانی" صرف اسی کے حصے میں آئی ہے۔

بھائی مہر کی طبیعت میں تکلیف سفر سے انقباض پیدا ہو رہا تھا لیکن اس شعر کو پڑھ کر انشراح و انبساط سے بدل گیا اور بے اختیار ہنسی آگئی۔ مٹواں والے سے رات کے گیارہ بجے روانہ ہو کر دوسرے دن صبح ساڑھے پانچ بجے لاہور پہنچ گئے اور خدا کا شکر ادا کیا کہ زندہ سلامت واپس آئے۔ اس سفر شبینہ میں کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ صرف ذرا وزیر آباد میں پٹرول دوبارہ لینا پڑا کیونکہ مٹواں والے میں ڈرائیور بوجہ کے خوف سے کم پٹرول لایا تھا۔

سنا ہے کہ آج کل بھائی مہر اس "ہفت خواں" کا مفصل سفرنامہ تحریر فرما رہے ہیں تاکہ موٹر کے مسافروں کے لئے باعث عبرت و بصیرت ہو۔

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۳۳۔ یک شنبہ۔ ۲۹ جولائی ۱۹۲۸ء

(۶)[۴]

کسی گزشتہ اشاعت میں ہم نے بھائی مہر کے سفر کا حال لکھتے ہوئے قارئین کو اطلاع دی تھی کہ اس دفعہ آپ ایک کوٹ اور ایک چھڑی کھو آئے ہیں۔ بھائی اپنی ان چیزوں سے بالکل مایوس ہو چکے تھے اور بظاہر ان کے مل جانے کا کوئی قرینہ بھی نظر نہ آتا تھا کیونکہ نہ مہر صاحب کو وزیر آباد والے مسافر کا نام اور پتہ معلوم تھا نہ اس مسافر کو مہر صاحب کی شخصیت کا علم تھا لیکن خدا کی قدرت دیکھئے کہ جس دن "افکار" میں یہ ماجرا شائع ہوا اس کے دوسرے ہی دن لاہور ریلوے اسٹیشن کے پارسل آفس سے دفتر انقلاب میں ٹیلی فون آیا کہ مہر صاحب کا کوٹ اور ان کی چھڑی دونوں چیزیں یہاں موجود ہیں' کسی کو بھیج دیجئے کہ آکر لے جائے۔

دفتر سے چپراسی کو بھیجا گیا اور چند ہی منٹ میں دونوں چیزیں باقاعدہ پارسل کی صورت میں ہماری میز پر موجود تھیں۔ یوں تو مہر صاحب مدت دراز سے ہمارے معتقد ہیں لیکن "افکار" کی اس تازہ کرامت کو دیکھ کر تو لٹو ہو گئے۔ آپ نے نیاز کے لئے سوا روپیہ پیش کیا اور پیر افکار شاہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس "وہابی مرید" کو استقامت بخشے۔۔۔

Marfat.com

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۱۳۱۔ چہار شنبہ۔ ۸ اگست ۱۹۲۸ء

(۷)

آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے موقع پر جن بزرگوں سے نیاز حاصل ہوا' ان میں مولانا عبدالماجد بدایونی تھے۔ آپ علم دین میں درخوروانی اور خطابت میں مہارت شافی رکھنے کے علاوہ شاعر بھی ہیں اور بہت سریع الفکر شاعر ہیں چنانچہ آپ نے دوران ملاقات ارتجالاً" یہ دو شعر فرما دیئے۔

مہر تابان صحافت "انقلاب" سالک راہ صداقت "انقلاب"
ربک اقبال بالظفر الکبیر اے پیام فتح و نصرت "انقلاب"

مولانا اس قدر افزائی کے لئے ہمارا دلی شکریہ قبول فرمایئے

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۱۹۱۔ چہار شنبہ۔ ۶ فروری ۱۹۲۹ء

(۸)

"افکار" کے پڑھنے والے بھائی مہر کی بدحواسیوں سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ نے آج تک غالباً ایسا کوئی سفر نہ کیا ہوگا۔ جس میں ایک آدھ چیز گم نہ کردی ہو۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ کوٹ اور ٹوپی کھو آئے تھے لیکن ۲۵ اپریل کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو اپنی نوعیت اور اپنی تفصیل کے اعتبار سے نہایت عجیب و غریب ہے۔ احباب کی محفل اس واقعہ کے تذکرے سے گھنٹوں کشت زعفران بنی رہی۔ اب قارئین۔ افکار" کو بھی اس لطف میں شریک کیا جاتا ہے۔

آج کل مہر صاحب پر صبح کی ہوا خوری اور ورزش کا جنون سوار ہے۔ "جنون" اس لئے کہ اس قسم کے دورے اس سے پیشتر بھی پڑ چکے ہیں' جن میں چند روز کے بعد اللہ کے فضل سے صحت حاصل ہوگئی۔ انشاء اللہ موجودہ دورہ بھی چند روزہ ہی ثابت ہوگا۔ ۲۵ اپریل کا ذکر ہے آپ نے حسب معمول علی الصبح نماز سے فارغ ہوکر خاکی قمیص' خاکی نیکر' لمبی جرابیں اور جوتا پہنا اور ننگے سر ہاتھ میں لٹھ لئے ہوئے صحت کی تلاش میں ٹھنڈی سڑک کی طرف بھاگے۔ ماسٹر الہ بخش صاحب آرٹسٹ بھی اسی ہیئت میں ہمراہ تھے۔ رستے میں چودھری محمد حسین ایم اے بھی مل گئے اور یہ تینوں حضرات "متحدہ و متفقہ طور پر" ہواخوری کی "قرارداد" پر عمل کرنے لگے۔۔

پھرتے پھراتے جب یہ ٹولی چڑیا گھر کے پاس پہنچی تو مہر صاحب کو صبح ہی صبح

Marfat.com

جانوروں کی زیارت کا شوق چرایا' چنانچہ آپ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے اعلان کردیا کہ آج چڑیا گھر ضرور دیکھیں گے۔ قرارداد اتفاق رائے سے منظور ہوئی اور یہ تینوں حضرات بقول شخصے چڑیا گھر میں داخل ہوگئے۔

پرندوں کے چہچہے سنے' ہرنوں اور بارہ سنگھوں کی قلانچیں دیکھیں' شیروں کی آنکھوں سے آنکھیں ملائیں' بگلے ملاحظہ فرمائے' یہاں تک کہ بندروں کی باری آگئی جن میں سے مشرقی افریقہ کا میمون مہرصاحب کو خاص طور پر دلچسپ معلوم ہوا۔ آپ اس کے پنجرے کے سامنے کھڑے ہوگئے اور حضرت ڈارون کے اس تختہ مشق یا ہنو مان جی مہاراج کے اس منظر کو بغور دیکھنے لگے۔

مہرصاحب کا بیان ہے کہ عین اس وقت بندر کو خدا جانے کیا سوجھی وہ اپنے ہاتھ کی ایک نہایت سریع اور پھرتیلی حرکت سے مہرصاحب کی آنکھوں پر سے عینک اتار لے گیا اور یہ کام اس قدر سرعت اور صفائی سے عمل میں آیا کہ بندر صاحب کے ہاتھ کے کسی حصے نے مہرصاحب کی آنکھ کو چھوا نہیں۔ کوئی خراش تک نہیں آئی۔ آنکھ جھپکنے کی دیر تھی کہ آپ کی عینک بندر کے ہاتھ میں نظر آئی۔ مہرصاحب تو بندر کے اس کمال فن پر بھونچکا سے رہ گئے لیکن ماسٹر صاحب اور چودھری صاحب نے شور مچادیا۔ "لیجیو' پکڑیو' عینک لے گیا۔ دیکھنا جانے نہ پائے"۔ لیکن بندر نے ان حضرات کے شور و شغب کی کوئی پروا نہ کی۔ ایک جگہ بیٹھ کر عینک کے دونوں شیشے نہایت صفائی سے نکال کر منہ میں رکھ لئے اور فریم کو ٹیڑھا بینکا کر کے ایک طرف ڈال دیا۔

شیشے ذرا قیمتی بھی تھے اور اس کے علاوہ مہرصاحب چشم زدن میں "عینک" سے "بے عینک" ہوگئے۔ نہایت پریشانی لاحق ہوئی۔ آس پاس کے چند آدمیوں نے واقعہ سنا اور مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہوگئے تو چل میں چل' ایک مجمع اکٹھا ہوگیا' جس میں لڑکے بالے جوان مرد عورتیں ادھیڑ اور بوڑھے سبھی شامل تھے۔ ہر طرف یہی چرچا ہونے لگا کہ "بندر نے بابو جی کی عینک اتار لی"۔ مہرصاحب ٹھہرے خلوت پسند آدمی' اس تشہیر سے بے حد گھبرائے' کیونکہ مجمع میں ہمدردی کرنے والے کم تھے اور ہنسنے والوں کی تعداد دم بدم بڑھ رہی تھی۔ دو چھوٹے چھوٹے لڑکوں نے نقیب کے فرائض انجام دینے شروع کئے۔ وہ ہر شخص کو پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ "وہ دیکھو بابو جی

Marfat.com

کھڑے ہیں جن کی عینک بندر نے اتار لی ہے" اور مہر صاحب تھے کہ شرم کے مارے زمین میں گڑے جاتے تھے۔

ماسٹر الہ بخش بھاگ کر چڑیا گھر کے ایک ملازم خاکروب کو بلا لائے اور اس کی خدمت میں استغاثہ کیا کہ "میاں بھنگی' تمہارے بندر نے ایک بہت بڑے انشا پرداز اور ایڈیٹر کی عینک اتار لی ہے اور شیشے نکال کر منہ میں ڈال لئے ہیں۔ خدا کے لئے کچھ مدد کرو"۔ خاکروب کہنے لگا۔ صاحب آپ نے کمال کر دیا۔ اس بندر کے جنگلے کے پاس تو کوئی پھٹکتا ہی نہیں یہ تو بیسیوں بابوؤں کی جیبوں سے رومال اور گھڑیاں اڑا چکا ہے اور عینکوں کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔ جانور کا مزاج بادشاہوں کا سا ہوتا ہے۔ اب وہ خود ہی منہ سے شیشے نکالے تو ہاتھ آئیں اور تو کوئی تدبیر نہیں"

اس کے بعد مہر صاحب اور ان کے رفقاء نہایت صبر و شکیب سے انتظار کی گھڑیاں گننے لگے۔ خاکروب نے اور دوستوں نے بہترے جتن کئے لیکن بندر نے شیشوں کو منہ سے باہر نہ نکالنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

ماسٹر صاحب نے بندر کے آگے کچھ بھنے ہوئے چنے لا کر ڈالے کہ شاید اس طرح وہ منہ کھولے اور شیشے باہر آن گریں لیکن وہ کم بخت چنے بھی کھا گیا اور شیشے بدستور منہ ہی میں رہے۔ خاکروب نے بھی بے انتہا کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کئی گھنٹے بعد بندر صاحب کو خود ہی ان لوگوں پر رحم آگیا اور آپ نے شیشے نکال کر زمین پر ڈال دیئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

خاکروب نے شیشے لا کر مہر صاحب کو دیئے ٹیڑھا بینکا فریم بھی مہیا ہو گیا۔ مہر صاحب کی جان میں جان آئی وہیں سے تانگہ لے کر سیدھے لوہاری منڈی میں شیخ امیر الدین صاحب (مشہور چشمہ ساز) کے وہاں پہنچے۔ شیشوں کو صاف کرایا۔ فریم کی مرمت کرائی صبح پانچ بجے سیر کو نکلے تھے' ۱۲ بجے گھر واپس آئے۔ ایسی سیر بھی آج تک کسی نے نہ کی ہو گی لیکن خدا کا شکر ہے کہ عینک مل گئی۔ شیخ امیر بخش صاحب کا بیان ہے کہ اس سے پیشتر ان کے پاس کوئی پندرہ ایسی عینکیں مرمت کے لئے پہنچ چکی ہیں' جن کو اسی بندر نے چھین جھپٹ کر خراب کیا تھا۔ خدا اس بندر کو انسانیت عطا فرمائے۔

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۲۵۶۔ یک شنبہ۔ ۲۸ اپریل ۱۹۲۹ء۔ سنڈے ایڈیشن

Marfat.com

(۹)

بھائی مہر کی بد حواسیوں کے متعدد قصے زینت "افکار کئے جا چکے ہیں' آج ایک نئی بات سنئے آپ نے ۴ جون کو راقم الحروف کی "منت سماجت" کر کے آٹھ دس دن کی چھٹی لی اور اپنے وطن کو روانہ ہو گئے اس روانگی اور طویل رخصت کی ضرورت کیوں پیش آئی' یہ ایک داستان جمیل ہے جو کسی آئندہ اشاعت میں پیش کی جائے گی۔ فی الحال بد حواسی کا ماجرا سن لیجئے آپ ۴ جون کو دوپہر کے وقت سامان سفر کی تکمیل کے بعد راقم کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ سب سامان مکمل ہو چکا ہے اور میں ابھی پندرہ بیس منٹ میں روانہ ہو رہا ہوں۔ صرف ذرا مکان پہ جاؤں گا اور وہیں سے ریلوے اسٹیشن کو چل دوں گا۔

سلام دعا کے بعد آپ فورا روانہ ہو گئے۔ گھر پہنچے پانچ چھ منٹ کسی ضروری کام میں صرف کئے اور مارا مار اسٹیشن پہنچ گئے۔ ۴ جون سے ۷ جون تک چار دن گزر گئے' راقم کو بھائی مہر کے مکان کی طرف جانے کا اتفاق نہ ہوا اور ہوتا کیوں کر؟ جب مکین ہی موجود نہ ہو تو مکان سے کیا واسطہ؟ لیکن ۷ کی شام کو علامہ اقبال کے یہاں بعض احباب کی دعوت تھی' جس میں راقم بھی مدعو تھا۔ دعوت کے بعد رات کے گیارہ بجے کے قریب راقم بھائی مہر کے مکان کی طرف سے جو گزرا تو دیکھتا کیا ہے دولت کدہ معلیٰ کی کھڑکیوں میں سے بجلی چھن چھن کر نکل رہی ہے۔ سمجھا کہ بھائی واپس آ گئے لیکن تعجب ہوا کہ اس قدر ضروری کام چھوڑ کر کیونکر آ سکتے تھے کچھ نہ کچھ دال میں ضرور کالا ہے۔

آپ کے مکان کے نیچے ایک قصاب کی دکان ہے۔ اس کا لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ راقم نے اس سے پوچھا "کیوں میاں' کیا بھائی آ گئے"؟ اس نے ہنس کر جواب دیا "سالک صاحب! آپ کو بجلی کی روشنی سے غلط فہمی ہوئی ہو گی اور یہ غلط فہمی آپ سے پہلے اور بہت سے حضرات کو بھی ہو چکی ہے بات یہ ہے کہ مہر صاحب اپنے کمرے میں بجلی کا لیمپ جلتا چھوڑ گئے ہیں اور آج چار دن سے شب و روز متواتر جل رہا ہے۔ ہم نے بہتیری تدبیریں سوچیں کہ کسی طرح اس لمپ کو گل کر دیں لیکن سب کمروں میں قفل پڑے ہوئے ہیں' آدمی تو آدمی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا ہے۔"

اس پر بے اختیار ہنسی آ گئی لیکن اس کے ساتھ غصہ بھی آیا اور فکر بھی لاحق ہوئی کہ آخر اس مرض کا کیا مداوا کیا جائے۔ راقم نے کہا "اس وقت رات کے بارہ بج

Marfat.com

چکے ہیں، اب تو کچھ نہیں ہو سکتا، صبح ہی کوئی تدبیر کی جائے گی۔ بجلی کا لیمپ جہاں ۸۲ گھنٹے جل چکا ہے وہاں چھ، سات گھنٹے اور سہی"۔ یہ کہہ کر راقم اپنے گھر پہنچ گیا۔ جب صبح ہوئی تو ایک نیا قفل ساتھ لے کر بھائی مہر کے دولت کدہ پر پہنچا تاکہ جو تالا لگا ہوا ہے، اسے تڑوا لیا جائے اور لیمپ بجھا کر نیا قفل لگا دیا جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا اور ایک عجیب و غریب تشویش سے نجات حاصل ہوئی۔ اگر راقم کو اس دن بھی بھائی کے مکان کی طرف جانے کا اتفاق نہ ہوتا تو وہ بجلی کا لیمپ اب تک برابر جل رہا ہوتا اور خدا جانے بل میں کتنی رقم کا اضافہ ہو چکا ہوتا۔

بھائی مہر ۴ جون کو عین دوپہر کے وقت لاہور سے روانہ ہوئے تھے۔ راقم نے بہتیرا سر پٹکا، کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ آخر انہیں دوپہر کے وقت لیمپ جلانے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ افسوس ہے کہ یہ معمہ مہر صاحب کے واپس تشریف لانے پر بھی حل نہ ہو گا آپ یہ قصہ سن کر اس قدر حیرت و استعجاب کا اظہار کریں گے کہ راقم کے تعجب میں الٹا اور اضافہ ہو جائے گا۔

انقلاب۔ جلد ۴ نمبر ۲ پنج شنبہ۔ ۱۳ جون ۱۹۲۹ء۔ ۴ محرم الحرام ۱۳۴۸ھ

(۱۰)

اس کے علاوہ ۷ جون کو ملا صاحب نکاح کی لڑی میں پرو دیئے گئے اور ۸ جون کو بھائی مہر کی دوسری شادی ہوئی۔ (یہ وہی موقعہ تھا جب آپ اپنے کمرے میں بجلی کا لیمپ جلتا چھوڑ گئے تھے۔) چونکہ ۷ جون کو ملا صاحب کی شادی تھی، اس لئے ہم مہر صاحب کی شادی میں شریک نہ ہو سکے اور چونکہ ۸ جون کو مہر صاحب کی شادی تھی، لہٰذا یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ ہم ۷ جون کو بھوپال جا کر ملا صاحب کی شادی میں شریک ہو سکتے چنانچہ ہم دونوں کی شادیوں میں شریک نہ ہوئے اور دونوں کی شکایت سے بچ گئے۔

انقلاب جلد ۴ نمبر ۱۲۔ چہار شنبہ۔ ۲۶ جون ۱۹۲۹ء

(۱۱)

بھائی مہر انسانی خطا و نسیان کے معاملے میں بے حد شدت پسند اور سخت گیر واقع ہوئے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ملازم حقے پر چلم رکھ دینے کے بعد اس کی نے کو آپ کے دہان مبارک کی طرف بڑھائے بغیر چل دے اور کسی کام میں مصروف ہو جائے تو آپ

Marfat.com

اتنی چھوٹی سی بات پر بھی اپنے ہم نشین سے شکایت کریں گے اور کہیں گے میں حیران ہوں کہ اس نوکر کے دماغ کو کیا ہو گیا۔ میں تو تصور نہیں کر سکتا کہ انسان ایسا غافل بھی ہو سکتا ہے۔ غرض آپ دس پندرہ منٹ کا عرصہ اس نوکر کی دماغی و ذہنی کیفیات کی تحلیل نفسی میں صرف فرمائیں گے اور اتنی دیر تک اور کام نہ کر سکیں گے۔

اگر ایسے مواقع پر راقم الحروف موجود ہو تو مہر صاحب سے یہ کہا کرتا ہے کہ " میں حیران ہوں کہ آپ کو کیا ہو گیا میں تو تصور نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص ہوش و حواس کی حالت میں اتنی چھوٹی سی بات پر آدھ گھنٹہ ضائع کر سکتا ہے'

میرے ان طنزیہ فقروں پر بھائی مہر بہت جھلاتے ہیں لیکن صرف جھلا کر ہی رہ جاتے ہیں۔

بلاشبہ مہر صاحب بہت محتاط' بہت بیدار مغز اور سریع الفکر آدمی واقع ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی ان سے کبھی کبھی ایسی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں کہ "میں تصور نہیں کر سکتا کہ کوئی انسان اتنا غافل بھی ہو سکتا ہے۔"

مثلاً وقت کی پابندی آپ کی طبیعت کے خلاف ہے۔ آپ محض اس لئے دفتر "انقلاب" میں کبھی تشریف نہیں لاتے کہ اگر تشریف لائیں تو وقت کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اگر پانچ بجے کسی دوست کے یہاں چائے کی دعوت ہے اور راقم الحروف مہر صاحب کے ساتھ نہ ہو تو آپ سات بجے سے پہلے وہاں پہنچ ہی نہیں سکتے۔

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۱۲۵۔ سہ شنبہ ۱۲ نومبر ۱۹۲۹ء

(۱۲)

آج سے تقریباً چار پانچ ماہ پیشتر مولانا مہر کو انڈوں کے شوق نے مرغیاں پالنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ ایک دن آپ نے ایک روپیہ چھ آنے کی رقم خطیر صرف کر کے ایک مرغا خریدا۔ ہم نے اس پر آپ کی خدمت میں گزارش کی کہ پہلے مرغیاں خریدنی چاہئے تھیں' اس کے بعد مرغ کا بندوبست کرنا چاہئے تھا۔ آپ نے برجستہ جواب دیا کہ نہیں ' منشائے فطرت یہی ہے کہ مذکر پہلے پیدا ہو اور اسی لئے حضرت آدم حوا سے پہلے پیدا کئے گئے تھے۔" اس کے بعد آپ نے ایک روپیہ دو آنے صرف کر کے ایک مرغی بھی خریدلی۔ نوکر زیادہ شوقین واقع ہوا تھا' اس نے اپنے اختیارات سے کام لے کر تین روپے چھ آنے میں دو بطخیں بھی لا دیں لیکن جب انہوں نے عین اس

Marfat.com

وقت کہ مہر صاحب لیڈر لکھ رہے تھے' قاں قاں کی سامعہ خراش آوازیں نکال نکال کر مغز چاٹنا شروع کیا تو آپ نے بطخیں واپس بھیج کر ان کے عوض ایک مرغی اور بیمار مرغا منگا لیا۔

بیمار مرغا تو نوکر کے کام آیا اور وہ ایک روپیہ چھ آنے والا مرغا چند روز کے بعد "مرغائی ضروریات" کے اعتبار سے کچھ بہت اچھا ثابت نہ ہوا یعنی کسی قدر کم سن تھا اور مرغیاں اس "ننھے سے بالم" کا رعب بھی نہ مانتی تھیں۔ چنانچہ اس مرغ کے ساتھ دو آنے نقد دے کر ایک اور مرغا لایا گیا لیکن کچھ روز کے بعد اس کے متعلق بھی یہی انکشاف ہوا کہ "برات کی تیاری اور دولہا غائب" والا معاملہ ہے۔ مولانا مہر انڈوں کی توقع میں دسمبر سے لے کر فروری کے آغاز تک اسے پالتے پوستے رہے۔ اب تک اس "ٹمترغ" پر چھ روپے صرف ہو چکے تھے۔ بلا مبالغہ آدھ سیر آٹا روزانہ "ملت مرغا" کی نذر کیا جاتا تھا تاکہ "ملت بیضا" پیدا ہو' یعنی انڈے دستیاب ہو سکیں۔ فروری کے آغاز میں ایک مرغی گم ہو گئی کیونکہ وہ تعدد ازدواج کی قائل نہ تھی' صرف ایک ہی رہ گئی اس پر مہر صاحب نے یہ ارادہ کیا کہ اس جوڑے کو ذبح کر کے کسی پیر کے دستر خوان کی رونق بڑھائی جائے' چنانچہ اس کے لئے حضرت پیر افکار شاہ کی دعوت کا فیصلہ کر لیا گیا۔

لیکن کرنا خدا کا کیا ہوتا ہے۔ ایک دن مرغی نے کچھ ایسی آوازیں نکالنی شروع کیں کہ دامن مراد گل مقصود سے بھرتا نظر آنے لگا' چنانچہ دوسرے ہی دن اس نیک بخت نے ایک جیتا جاگتا انڈا دے دیا۔ چونکہ یہ انڈا چھ روپے کی رقم' کئی سیر آٹے اور شدید انتظار کا نتیجہ تھا' اس لئے ایک نوکر کی وساطت سے "تیمنا" و "تبرکا" حضرت مولانا سالک مدظلہ العالی کی خدمت اقدس میں ارسال کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی یہ شعر لکھا گیا کہ ۔

بیضہ ہست تحفہ مرغی چہ کند بے نوا ہمیں دارد

یہ ۱۹ فروری کا واقعہ ہے۔ اس انڈے کے تولد ہونے پر مہر صاحب نے جو خوشیاں منائیں' ان کا حال کچھ ہمیں جانتے ہیں لیکن حوادث آباد عالم میں کوئی خوشی پائیدار نہیں۔ چھ دن بعد ۲۰ فروری کو دفعتہً یہ خبر وحشت اثر موصول ہوئی کہ "مولانا غلام رسول مہر کی اکلوتی مرغی آج دس بج کر گیارہ منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہتی ہوئی

Marfat.com

اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئی۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہر صاحب اور مرحومہ کے شوہر دونوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور دونوں کو مرحومہ مرغی کا نعم البدل عنایت کرے۔

مرحومہ مرغی کا سن پیدائش معلوم نہیں ہو سکا' البتہ بعض اطلاعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرغی مہر صاحب کے ہاں چار مہینے اور کچھ دن سے مقیم تھی۔ جس دن مرحومہ نے پہلوٹھی کا انڈا دیا ہے' مولانا مہر بے انتہا خوش تھے کیونکہ مولانا کے دور حیات میں وہ سب سے پہلا انڈا تھا جو ان کی ایک مملوکہ مرغی نے ان کے گھر میں دیا' اس لئے مولانا خوشی کے جوش میں تیسرے دن اور مرغیاں خریدنے چلے گئے اور بہت دیکھ بھال کے بعد سوا دو روپے میں دو مرغیاں خرید لائے۔ شرط یہ تھی کہ ناپسندیدگی کی حالت میں مرغیاں واپس کر دی جائیں گی۔ پہلے روز ایک مرغی بیمار ہوئی لیکن دو روز بعد تندرست ہو گئی۔ تیسرے چوتھے دن دوسری مرغی کی طبیعت بھی ناساز ہو گئی کھانا پینا چھوٹ گیا۔ مسیحائے زماں حضرت حکیم فقیر محمد صاحب کا علاج بھی قضائے الٰہی پر غالب نہ آسکا۔ آخر ۲۵ فروری کو حالت زیادہ خراب ہونے لگی۔ مولانا نے اسے واپس کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن دس بج کر گیارہ منٹ پر اس جان ہار نے دم توڑ دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ہم مولانا مہر کے تمام ہمدردوں' رفیقوں اور عزیزوں سے متوقع ہیں کہ وہ جا بجا اس حادثہ فاجعہ پر ماتمی جلسے منعقد کریں گے اور ایک روپے دو آنے کا جو گراں قدر نقصان ہوا ہے' اس کی تلافی کے لئے "اٹھارہ آنے فنڈ" کے نام سے سرمایہ فراہم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو جائیں گے۔

اس حادثہ کا تذکرہ اس مخصوص رنگ میں اس لئے کیا گیا کہ مولانا مہر نے اس کو اسی طرح محسوس کیا ہے اور آج بھی اس حادثہ فاجعہ پر پورا ایک مہینہ گزر چکا ہے' مہر صاحب مرحومہ مرغی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی آنکھیں ڈبڈبا آتی ہیں اور ہمارا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اس مرغی کا مرثیہ لکھ دیں' لہٰذا ہم نے یہ چند سطور لکھ دیں کہ اس مرغی کی یادگار قائم رہے اور مہر صاحب کبھی کبھی ان سطور کو پڑھ کر جی ہلکا کر لیا کریں۔

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را — تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

انقلاب۔ جلد ۴ نمبر ۲۲۴۔ پنج شنبہ۔ ۲۷ مارچ ۱۹۳۰ء

Marfat.com

(۱۴)

آخر بھائی مہر سے نہ رہا گیا۔ حج کو چلے ہی گئے لیکن قطعی طور پر کہتے ہوئے ابھی تامل ہی ہوتا ہے' اس لئے کہ ان کا کچھ اعتبار نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کراچی سے ہی واپس آجائیں' اس لئے جب تک آپ "خسرو" جہاز پر سوار نہ ہو جائیں اور جہاز ساحل سے چل کر امواج بحری کی بلندیوں پر نہ پہنچ جائے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ آپ چلے گئے۔

ہمارے بھائی کی قوت فیصلہ ماشاء اللہ بے حد اچھی ہے' جس کا ثبوت یہ ہے کہ گذشتہ ایک ہفتے کے سات دنوں میں آپ نے کوئی ستر دفعہ اپنا ارادہ بدلا اور اکھترویں دفعہ اس قدر قطعی فیصلہ کیا کہ روانہ ہی ہو گئے ہیں۔

اللہ کے گھر حاضر ہونے اور دربار رسالت میں سلام کرنے کا شرف جس کو حاصل ہو' اس کے مجد و علا کا کیا کہنا لیکن سچی بات یہ ہے کہ آج کل کی گرمی میں حج کرنے کا کم از کم ثواب دس حج کے برابر ہونا چاہئے۔ ۱۹۲۵ء میں جب مہر صاحب وفد خلافت کے ساتھ حجاز گئے تھے تو دسمبر کا مہینہ تھا لیکن اس کے باوجود واپس آکر کہتے تھے کہ "بھائی خدا کی پناہ! دسمبر کا مہینہ تھا اور دھوپ میں کھڑے ہونا مشکل ہو رہا تھا۔" جہاں چلے کے جاڑے کا یہ حال تھا' وہاں مئی کی چلچلاتی دھوپ جس میں چیل انڈا چھوڑ دے' کیا کچھ قیامت نہ ڈھاتی ہو گی اور پھر اس دھوپ میں حج کرنا تو سبحان اللہ بڑے دل گردے کا کام ہے۔

مہر صاحب ذکر کرنے لگے کہ منیٰ و عرفات میں بے شمار خیموں کی قطاریں لگی ہوتی ہیں' جو شخص ایک دفعہ اپنے خیمے سے باہر نکل آتا ہے وہ دھوپ کی شدت' خیموں کی کثرت اور یکسانی سے بد حواس ہو جاتا ہے کہ دوبارہ اپنے خیمے میں جا ہی نہیں سکتا۔ یعنی رستہ بھول جاتا ہے۔ ہم نے کہا۔ "واہ کوئی بات بھی ہے۔ تم وہاں نعرہ لگانا "یا پیر افکار شاہ" بس رستہ مل جائے گا کیونکہ خواجہ حافظ آج سے چھ سو سال پہلے فرما گئے ہیں۔ ع

کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

کہنے لگے "میں جانتا ہوں' تمہارا ارادہ مجھے بدوؤں سے پٹوانے کا ہے۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہابی موحد ہونے کے باوجود پیروں' فقیروں سے استعانت کو روا رکھیں"۔ ہم نے کہا کہ آپ کہہ دیجئے گا کہ حضرت پیر افکار شاہ کوئی بدعتی پیر نہیں

Marfat.com

بلکہ وہابی پیر ہیں اور گواہی میں مولانا اسماعیل غزنوی کو پیش کر دیجئے گا کیونکہ وہ مجھے اب تک وہابی ہی سمجھتے ہیں"۔

خدا کا شکر ہے کہ اس دفعہ مہر صاحب کو اپنا ہم مذاق' ذی علم' بذلہ سنج اور شفیق ہم سفر مل گیا۔ ہماری مراد مولانا اسماعیل غزنوی سے ہے جو محض اچھی نشست حاصل کرنے کے لئے تھوڑی دیر کو "ڈپٹی محمد شریف" بن گئے تھے اور اچھے خاصے ڈپٹی صاحب کو "مولانا اسماعیل غزنوی" بنا دیا تھا۔ ایسے خوش صحبت مخلصین کے ساتھ سفر کی تکلیفیں بھی وسیلہ ظفر بن جایا کرتی ہیں' اس لئے نہایت وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ مہر صاحب نہایت آرام و سکون سے جدہ پہنچ جائیں گے۔ انشاء اللہ

تمام اصحاب سے التماس ہے کہ مہر صاحب اور ان کے رفقائے سفر کے لئے دعائے خیر مانگیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جلد سے جلد صحت و تندرستی کے ساتھ واپس لائے۔

انقلاب۔ جلد ۴ ۔ نمبر ۲۵۵۔ چہار شنبہ۔ ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء

(۱۴)

مہر صاحب نے اپنے مکتوب کراچی میں جو کسی گذشتہ اشاعت میں درج کیا جاچکا ہے' رو رو کر راقم سے شکوہ کیا ہے کہ تم نے میرے ٹرنک میں ایک حقہ بھی رکھ دیا' اس کا سارا سامان بھی مہیا کر دیا' تمباکو کا ذخیرہ بھی فراہم کر دیا لیکن اصلی چیز بھول ہی گئے' یعنی کوئلے۔ حالانکہ آگ کے بغیر حقہ پیا ہی نہیں جاسکتا۔

اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ جب حقہ مہر صاحب کا تھا' سفر مہر صاحب کو کرنا تھا' حج کا ثواب مہر صاحب کو بٹورنا تھا تو راقم کو "کوئلوں کی دلالی میں منہ کالا" کرنے کی کیا حاجت تھی؟ ۔۔۔۔

تو مہر صاحب کے حقے کے متعلق تمام سازو سامان مہیا کرتے وقت ہمیں یہ خیال رہا کہ وہ لاہور سے کراچی تک ریل میں اور کراچی سے جدہ تک جہاز میں سفر کر رہے ہیں اور یہ دونوں سواریاں حسن اتفاق سے کوئلے ہی کے بل پر چلتی ہیں' انہیں کوئلے کی کیا کمی ہے؟ اس کے علاوہ حجاز مقدس میں پانی کی قلت ہو تو ہو' آگ تو کمیاب نہیں ہے۔۔۔۔۔

مہر صاحب کفرستان ہند چھوڑ کر اس سرزمین مقدس کے عازم ہوئے ہیں' جو چالیس کروڑ مسلمانوں کے قلب و دماغ کے لئے جنت الفردوس کا حکم رکھتی ہے۔ کہتے

Marfat.com

ہیں کہ اہل جنت کو جس چیز کی ضرورت ہو گی وہ انہیں بلا دقت مل جائے گی تو کیا کوئلے ہی نہ ملیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مہر صاحب کو حقے کی تکلیف کے علاوہ اور کوئی بھی تکلیف نہ ہونے دے اور انہیں اس مبارک سفر سے صحت و سلامتی کے ساتھ واپس لائے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ خیریت رکھے۔ ہم نے تو تہیہ کرلیا ہے کہ آئندہ مہر صاحب کو کہیں جانے نہ دیں گے' اس لئے کہ جب کبھی وہ ہندوستان سے کہیں باہر جاتے ہیں' ان کی غیر حاضری میں اخبار کا بائیکاٹ شروع ہو جاتا ہے۔ جب ہم "زمیندار" میں تھے اور مہر صاحب کو وفد خلافت کے ساتھ حجاز جانا پڑا تھا' اس وقت بھی سلطان ابن مسعود کی پرزور حمایت کی وجہ سے قبہ نواز حضرات نے "زمیندار" کا بائیکاٹ کردیا تھا اور ہر جگہ ہمیں گالیاں دی جاتی تھیں۔ یہی حال آج کل ہے۔ ادھر مہر صاحب نے ساحل ہند پر سے جہاز میں قدم رکھا' ادھر پشاور کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ہندو نواز حضرات نے "انقلاب" کا بائیکاٹ شروع کردیا اور بڑے بڑے "امیر المومنین اور "پروپاگنڈا سیکرٹری" اور "تنخواہیے" "انقلاب" کے خلاف بیہودہ گوئی میں مصروف ہوگئے اور اب تک ان کی ہرزہ سرائی کا سلسلہ جاری ہے۔

مہر صاحب کے پہلے سفر کا یہ نتیجہ نکلا تھا کہ "زمیندار" کو مقبولیت اور اس کی حکمت عملی کو سربلندی حاصل ہوئی تھی اور اب بھی انشاء اللہ یہی ہوگا۔ ایک مہینے میں دشنام و بدگوئی کے بادل چھٹ جائیں گے اور "انقلاب" مسلمانوں کے نزدیک پہلے سے بھی زیادہ محبوب و ممتاز ہو جائے گا۔

انقلاب۔ جلد ۴ ۔ نمبر ۲۲۴۔ یک شنبہ۔ ۴ مئی ۱۹۳۰ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۱۵)

حاجی غلام رسول صاحب مہر کا تازہ ترین مکتوب آج کی اشاعت میں درج کیا جارہا ہے۔ ذرا اس کی "تازگی" ملاحظہ ہو کہ حاجی صاحب ۲۳ اپریل سے ۲ مئی تک جہاز میں بیٹھے ہوئے اس مکتوب کو لکھتے رہے۔ (۲ مئی) کو اسے جدہ کے ڈاک خانے میں ڈالا' اس کے بعد خدا جانے وہ مکتوب چوبیس دن کہاں غائب رہا' حالانکہ اتنے عرصے میں حجاز سے تین خط ہندوستان پہنچ سکتے تھے۔ غالباً حاجی صاحب قبلہ نے ہر ہفتہ ہمیں ایک مکتوب ضرور لکھا ہوگا۔ اگر وہ سارے خطوط اسی حساب سے ہندوستان

Marfat.com

پہنچتے رہے تو غالباً ان کا سلسلہ مہر صاحب کی واپسی کے بعد بھی دو چار مہینے تک جاری رہے گا۔ آپ چند روز میں ہندوستان پہنچنے والے ہیں۔ یہ اچھا ہوا کہ اب آپ خود ہی اپنے خطوط وصول کیا کریں گے اور اپنے ہاتھ سے انہیں "انقلاب" میں شائع کراتے رہیں گے۔ لله

دنیا میں کسی اخبار کو اپنا نامہ نگار نصیب نہ ہوا ہوگا جو خود تو سفر سے واپس آجائے اور اس کی بھیجی ہوئی اطلاعات اس کی مراجعت کے بعد اخبار کے دفتر میں پہنچیں۔ واہ حاجی صاحب واہ! کیا کہنے ہیں آپ کی نامہ نگاری کے۔

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۲۸۳۔ پنج شنبہ۔ ۲۹ مئی ۱۹۳۰ء

(۴)

سلطان ابن سعود اور ان کے نجدی مجاہدین تمباکو کے سخت مخالف ہیں، چنانچہ حجاز میں کسی شخص کو منظر عام پر حقہ پینے کی اجازت نہیں لیکن مہر صاحب کی سرکشی ملاحظہ ہو کہ سلطان المعظم کے سرگرم مداح ہونے کے باوجود حقے کے بھی بہت بڑے رسیا واقع ہوئے ہیں اور سرزمین حجاز سے دیگر تبرکات کے علاوہ ایک عجیب و غریب حقہ بھی لائے ہیں، جس کو اب ہندوستان میں رائج کرنے کا ارادہ ہے۔ چنانچہ آج ہی کے پرچے میں آپ نے اس حقہ کی تیاری پر ایک مضمون بھی لکھا ہے اور اس کا نام "انقلابی حقہ" تجویز کیا ہے حالانکہ ہمارے نزدیک اسے "وہابی حقہ" کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ لطف کی بات یہ ہے کہ اکثر حضرات اہل حدیث بھی اس "ترویج حقہ" میں مہر صاحب کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ معلوم نہیں مہر صاحب کی اس قابل اعتراض مصروفیت کے متعلق حضرت قبلہ مولانا ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کا کیا خیال ہے؟ غالباً وہ تو اس پر بہت جھنجلاتے ہوں گے لیکن دیگر وہابی حضرات ہنسی خوشی اس حقہ نوازی میں مصروف ہیں۔

ایک دوست نے ہم سے دریافت کیا کہ مہر صاحب کے حجازی حقے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ ہم تو قدامت پسند آدمی ہیں، ہمیں تو اپنا وہی فرشی حقہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مہر صاحب کا حقہ کتنا ہی عمدہ ہو لیکن بہرحال "بدعت" کا حکم رکھتا ہے اور کل بدعة ضلالة

مہر صاحب "پینڈو" (یعنی دیہاتی) آدمی ہیں۔ چھاچھ اور حقے پر جان دیتے ہیں۔

Marfat.com

آپ کی خوش قسمتی ملاحظہ ہو کہ منشی احسان اللہ صاحب (نائب قنصل جدہ) کی مہربانی سے آپ کو یہ دونوں چیزیں بافراط ملتی رہیں' حالانکہ وہاں کے لوگ چھاچھ خود نہیں پیتے اور حقہ انہیں کوئی پینے نہیں دیتا لیکن مہر صاحب دونوں سے متمتع ہوتے رہے۔ سچ ہے خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے۔

ہماری رائے یہ ہے کہ جب مہر صاحب نے حقے میں جدت پیدا کی ہے تو تمباکو میں بھی کوئی اضافہ کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر تمباکو میں شیرے کی جگہ کھجوریں ملائی جائیں اور پانی کی جگہ چھاچھ ڈالی جائے تو غالبا بہت لطیف چیز بن جائے۔ ہمیں امید ہے کہ مہر صاحب ہمارے اس مشورے پر مستقلاً نہیں تو تجربتہً ہی عمل کر کے دیکھیں کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۲۳۔ یک شنبہ۔ ۲۹ جون ۱۹۳۰ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۱۷)

شاید پچھلے سال کا ذکر ہے' بھائی مہر کو مرغیاں پالنے کا شوق لاحق ہو گیا۔ ہم نے بتیرا کہا کہ یہ چڑی ماروں کا کام پڑھے لکھے آدمیوں کو زیبا نہیں۔ "جس کا کام اسی کو ساجھے"۔ آپ اسے چھوڑئے اور اپنا فالتو وقت کسی بہتر کام پر صرف کیجئے لیکن وہ مہر صاحب ہی کیا ہوئے جو وقت پر صحیح مشورہ مان لیں۔ خیر' مرغیاں پالی گئیں۔ جب وہ نام خدا جوان ہوئیں تو ان کے لئے مرغوں کی تلاش ہوئی۔ نوکر بڑی تلاش سے ایک مرغا لے آیا لیکن چند روز کے تجربے کے بعد معلوم ہوا کہ میاں مرغا ابھی نون غنہ ہی ہیں اور وہ مرغیاں اس "ننھے سے بالما" کی جوانی کا انتظار نہیں کر سکتیں۔

نوکر پر مہر صاحب کا عتاب نازل ہوا۔ اس دوران میں مرغیاں بیمار ہونے لگیں اور قصہ مختصر یہ کہ مرغیوں اور بطخوں کی خرید اور ادل بدل میں مہر صاحب کے چھ سات روپے بھی صرف ہو گئے اور وہ مرغیاں جانبر بھی نہ ہو سکیں۔ خصوصاً آخری مرغی کے انتقال پر ملال سے مہر صاحب کو بہت صدمہ ہوا کیونکہ اس کے لئے ایک مناسب و موزوں شوہر بھی دستیاب ہو گیا تھا اور میاں بیوی نہایت عیش سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ مدیر "افکار" نے اس مرغی کے انتقال پر مہر صاحب اور مرحومہ کے شوہر سے اظہار ہمدردی کیا اور مدت گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صبر جمیل عطا فرما دیا۔

لیکن پچھلے دنوں بھائی مہر کو کیا سوجھی' آپ نے خرگوش پالنے شروع کر دئے۔ سب سے پہلے جو خرگوش پالا وہ ایک دن بچوں کے ہتھے چڑھ گیا' جنھوں نے اس کے

Marfat.com

ساتھ بے تکلفی شروع کردی اور دن بھر اس کے پیچھے بھاگتے اور اسے پریشان کرتے رہے۔ اس دوڑ دھوپ کا نتیجہ یہ نکلا کہ شام سے پہلے پہلے اس خرگوش نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا ۔ مہر صاحب بچوں پر بہت بگڑے لیکن اب بگڑنے سے کیا ہوتا تھا۔

مرنے والا مرچکا تھا اور کوئی طاقت اسے زندہ نہیں کرسکتی تھی۔ دو چار دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے مرحوم معصوم کا ایک نعم البدل عطا فرمایا اور بھائی مہر ایک اور خرگوش کے مالک بن گئے۔ کسی لال بجھکڑ دوست نے بتایا کہ خرگوش کو آٹا کھلانا چاہیے۔ بس پھر کیا تھا' مہر صاحب نے گیہوں کی موجودہ ارزانی سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کردیا اور خرگوش کو اتنا آٹا کھلایا کہ وہ جاں بلب ہوگیا لیکن بروقت متنبہ ہوجانے سے اس خرگوش کی جان بچالی گئی اور آرد گندم کا نسخہ بالکل بند کردیا گیا۔

لیکن تقدیر کے آگے کسی کی پیش نہیں چلتی۔ اگرچہ اس خرگوش کی پرورش میں مہر صاحب نے اپنے اوپر رات کی نیند اور دن کا آرام حرام کر رکھا تھا لیکن ۲۰ جولائی کو لاہور میونسپل کمیٹی کے انتخابی بورڈ کے سلسلے میں آپ سارا دن شہر کے چکر لگاتے رہے۔ جب شام کو گھر پہنچے تو چند ہی منٹ کے بعد دفعتہً ذیل کی بلیٹن مدیر "انقلاب" کے نام موصول ہوئی۔

بھائی! آج سارا دن انتخابی بورڈ کے سلسلے میں آوارہ گردی کرتے گزرا۔ اب گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ جس خرگوش کو میں نے انتہائی محنت سے پالا تھا' اسے آج عقل مندنی (نوکر) نے صبح کے وقت باہر بند کردیا۔ گھر والوں کو دن بھر خیال نہ آیا اور وہ بیچارہ' بے زبان جانور دھوپ میں تڑپ تڑپ کر مرگیا۔ اس وجہ سے دل سخت متالم ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس حادثہ جاں کاہ کی خبر سنتے ہی ہم پھر سر پکڑ کر بیٹھ گئے' اس لئے نہیں کہ خرگوش مرگیا اور اس کا نعم البدل نہ مل سکے گا بلکہ اس لئے کہ بھائی مہر کے قلب پر اس قسم کے حوادث کا ایسا اثر ہوا کرتا ہے کہ وہ دو تین تین دن تک افتتاحیہ نہیں لکھا کرتے اور یہ مصیبت ہمیں بھرنی پڑتی ہے۔

بہرحال ہمیں اس حادثہ میں مہر صاحب سے دلی ہمدردی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ قارئین "افکار" میں سے بعض شعرا مرحوم و مغفور خرگوش کی بے وقت اور ناگہانی رحلت پر مرثیے لکھیں گے۔ میر انیس کے تتبع میں یہ ٹیپ بھی ملحوظ رکھیں گے کہ ۔

Marfat.com

افسوس کہ دنیا سے سفر کر گیا خرگوش
آنکھیں تو کھلی رہ گئیں اور مرگیا خرگوش

اللہ تعالیٰ خرگوش مرحوم کو جنت الفردوس کی جھاڑیوں میں جگہ دے اور ان کے غم زدہ مالک کو نہ صرف صبر جمیل بلکہ نعم البدل بھی عطا فرمائے۔

انقلاب۔ جلد ۶۔ نمبر ۵۳۔ پنج شنبہ۔ ۲۳ جولائی ۱۹۳۱ء

(۱۸)

بھائی مہر کو اگرچہ مرحوم خرگوش کے دو نعم البدل عطا ہو چکے ہیں لیکن مرحوم و مغفور کے انتقال کا صدمہ اب تک باقی ہے اور احباب کے تعزیت نامے اس صدمے کو روز تازہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آج ایک کرم فرما حضرت فدا کا خط موصول ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ "مہر صاحب" کے خرگوش ذی ہوش کے انتقال پر ملال کا حال معلوم ہوا جس سے دل کو صدمہ ہوا اور بے ساختہ زبان سے غفر اللہ لہٗ نکلا۔ اعداد نکالے گئے تو ۳۱ زیادہ تھے، لہٰذا اسی تاریخ خرگوشی میں تخرجہ کی دم لگا دی گئی۔ قطعہ تاریخ ملفوف ہے۔

اس قطعہ تاریخ کے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ قارئین "افکار" ان اشعار کو عام اصول شاعری کی محک پر رگڑنے کی تکلیف نہ فرمائیں کیونکہ ان کا درجہ عامیانہ (عام) شاعری سے بالاتر ہے۔ جو اشعار روتے بسورتے ہوئے کہے جائیں گے، ان میں فنون شاعری کی امید نہ رکھنی چاہیے کیونکہ ؎

نالہ پابند نے نہیں ہے فریاد کی کوئی لے نہیں ہے

یہ مرثیہ یا قطعہ تاریخ جو کچھ بھی کہئے مستزاد ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ہے رنج و الم مہر کا خرگوش بچارا
دنیا سے سدھارا

ہیہات کہ تھا مہر کو وہ جان سے پیارا
خرگوش بچارا

کیا عاقل و چالاک و خرد مند تھا خرگوش
سنجیدہ و خاموش

تسلیم و رضا کوش تھا، تھا گرچہ بلانوش
خرگوش پیارا

تھا زاہد و دین دار خوش اطوار و خوش اخلاق
بچھڑا ہے خلاق

تھا حسن میں گر فرد تو رعنائی میں تھا طاق
خرگوش پیارا

Marfat.com

چالاکی و چستی میں وہ آہو تھا پری تھا — رستم سے جری تھا
خوش گامی و رفتار میں ہاں کبک دری تھا — خرگوش بچارا
منظور نظر مہر کا اور راحت جاں تھا — نو عمر و جواں تھا
کس طرح یہاں رہتا کہ وہ خلد مکاں تھا — خرگوش بچارا
کرتا ہے فدا حق سے دعا باادب عنظر — اے خالق اکبر
دے مہر کو صبر اور اسے خلد عطا کر — خرگوش بچارا
فوراً غفر اللہ لہ گفت لا لا — یک ہاتف اعلیٰ
ازبہر ۱۳۵۱ سن رحلت آں لولوئے لال — خرگوش بچارا

انقلاب۔ جلد ۶ ۔ نمبر ۶۱۔ یک شنبہ۔ ۲ اگست ۱۹۳۱ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۱۹)

ہمارے کرم فرما مسٹر غلام محمد شاہ نے تین سوال کئے ہیں جن کے جواب بھی درج ذیل ہیں۔ اول۔۔ کیا مالوی جی کی کچھڑ اور گاندھی جی کی لنگوٹیوں کے مقابلے میں مولانا مہر استنجے کے ڈھیلے اور مسواکوں کا گٹھا ساتھ لے گئے ہیں یا نہیں ؟[1]

جواب۔ مہر صاحب استنجے کے ڈھیلوں کی افادی حیثیت کے قائل نہیں' لہٰذا یہ چیز خارج ازبحث ہے۔ مسواکوں کا گٹھا تو نہیں البتہ دہلی کے حکیم نابینا صاحب سے ایک خصوصی منجن اپنے ساتھ لے گئے ہیں جو مسواکوں کا قائم مقام ہوگا۔

دوم۔ مہر صاحب خرگوشوں کا کوئی انتظام کر گئے ہیں یا پہلے کی طرح نوکروں کے رحم و کرم پر چھوڑ گئے ہیں ؟ مبادا ان کے دوستوں کو تعزیتی خطوط دو' دو آنے کے ٹکٹ لگا کر انگلستان بھیجنے پڑیں ؟

جواب۔ آپ مطمئن رہئے' خرگوش لدھیانہ بھیج دئے گئے ہیں' جہاں وہ مہر صاحب کے بال بچوں میں بحفاظت پرورش پاتے رہیں گے۔

سوم۔ اگر کہیں بدقسمتی سے مہر صاحب لندن کا چڑیا خانہ دیکھنے چلے گئے اور کسی منچلے بندر نے ان کی عینک اتار لی تو کیا ہوگا ؟ کیا اس کا کوئی انتظام کرلیا گیا ہے ؟

جواب۔ جی ہاں ! جانے سے پہلے مہر صاحب مولوی امیر الدین صاحب عینک ساز سے

Marfat.com

ایک فالتو چشمہ بنوا کر لے گئے ہیں جو ایسی صورت میں کام آئے گا۔
انقلاب۔ جلد ٦۔ نمبر ۹۳۔ پنج شنبہ۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۱ء

(۲۰)

مہر صاحب آج کل انگلستان کی سیر کر رہے ہیں لیکن بقول حکیم فقیر محمد صاحب ڈاک کا ہرکارہ ہر روز بیس کوس کا دھاوا کرتا ہے' سیاح نہیں کہلا سکتا۔ جو سیر فرائض کی بجا آوری میں کی جائے وہ سیر نہیں پابندی ہے۔ چنانچہ مہر صاحب کے پرائیوٹ خطوط میں آپ کی پریشانی بہت نمایاں طور سے ظاہر ہو رہی ہے۔ لکھتے ہیں کہ جس دن سے آیا ہوں کبھی رات کے دو بجے سے پہلے نہیں سویا۔ ہندوستان میں بھی یہی کیفیت تھی اور انگلستان میں بھی یہی حال ہے۔ "عرش پر گیا چمار' اس کو وہاں بھی بیگار"۔ یہاں ایک "انقلاب" کا کام کرنا پڑتا تھا' وہاں ہر مسلم مندوب انسانی شکل میں "انقلاب" بن کر لپٹا ہوا ہے۔

آپ لندن کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ میں ڈاکٹر اقبال سے ملاقات کر کے واپس آیا تو گھر آنے کے بجائے ایک ایسی موٹر میں بیٹھ گیا جو مخالف سمت میں جاتی تھی۔ "چل الٹے بانس بریلی کو" ہم یہ پڑھ کر بے ساختہ ہنس پڑے کہ آخر مہر صاحب کے بھلکڑپن نے انگلستان میں بھی ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ تو موٹر کمپنی کے ملازموں نے آپ کو سیدھے رستے پر ڈال دیا ورنہ کچھ عجب نہ تھا کہ آپ موٹر میں بیٹھے بیٹھے لندن سے خارج البلد ہو جاتے اور خدا جانے کسی دور دست مقام پر پہنچ کر اپنی غلطی پر متنبہ ہوتے۔ ھھ

فرماتے ہیں۔ میں سخت مصیبت میں ہوں کیونکہ سگریٹ کی ایک ڈبیہ سات آنے میں ملتی ہے۔ کل دیا سلائی کی ایک ڈبیہ مطلوب تھی جو چھ پنس میں دستیاب ہوئی۔ چائے پینے بیٹھے تو ایک پیالی پر دو شلنگ صرف ہو گئے۔ چھتری خریدنے گئے تو دکان دار نے تین پاؤنڈ مانگے۔ یعنی چھتری ایک اور روپے پینتالیس' سنتے ہی رنگ فق ہو گیا۔

Marfat.com

آخر ایک نہایت ذلیل سی چھتری پر اکتفا کرنی پڑی جو ہمارے ملک میں شاید دو روپے میں مل جائے۔ لیکن لندن میں اس کے لئے بھی ایک پاؤنڈ دینا پڑا۔

جو شخص قورمے کا ایک پیالہ آگے رکھ کر روٹیوں سے اس طرح دست و گریباں ہوجانے کا عادی ہو کہ ہندو مسلم بلوے کا دھوکہ ہونے لگے' اس کے سامنے دو ابلے ہوئے آلو' ایک مٹن چاپ اور دو توس آتے ہوں گے اور ان "اطعمہ لذیذہ" پر چار شلنگ صرف ہوجاتے ہوں گے' اس کی بے کسی اور مظلومی کا خود ہی تصور کر لیجئے چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ بمبئی سے روانہ ہونے کے بعد آج تک صرف دو دفعہ پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ ایک دفعہ پیرس کی مسجد کے ملحقہ ہوٹل میں اور دوسری دفعہ برادرم اقبال شیدائی کی دعوت طعام میں باقی اللہ اللہ خیر سلا۔ ان دونوں موقعوں پر ایک تو کھانا ایشیائی تھا' دوسرے خنزیر یاذبیحہ مخدوش کا خطرہ نہ تھا' چنانچہ خوب بڑھ بڑھ کے ہاتھ مارا اور ڈٹ کر کھایا۔

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مہر صاحب گول میز کانفرنس کے سلسلے میں انگلستان گئے ہیں اور کھانے پینے کا غم غلط کرنے کے لئے احباب کا پورا ایک مجمع موجود ہے' ورنہ کہیں عام حالات میں وہاں جانے کا اتفاق ہوتا تو شاید الٹے پاؤں واپس آجاتے اور وہاں پہنچ کر دم لیتے جہاں دہی کی لسی اور حقہ مل سکے۔ جس شخص نے حجاز میں بھی حقے کا انتظام کرلیا ہو اس کو لندن جیسی "سرزمین فراوانی" میں اس "نعمت" سے محروم رہنا بے حد شاق گزرتا ہوگا۔ خیر۔ ع

ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر

کون کہتا ہے کہ حقوق طلب مسلمان ایثار نہیں کرسکتے۔ اس کو تو چھوڑ دیجئے کہ مہر صاحب کے انگلستان جانے میں "انقلاب" نے کتنے ہزار روپے کی رقم محض مسلمانوں کی خاطر صرف کی ہے۔ ہمارے نزدیک تو سب سے بڑا ایثار یہ ہے کہ مہر صاحب وہاں گئے ہوئے ہیں' جہاں نہ شوربہ ہے نہ چپاتی' نہ حقہ ہے نہ لسی' نہ شلوار ہے نہ چپلی' نہ تہمد ہے نہ دھوتی۔ ابلے ہوئے آلو کھانا' سوڈا واٹر اور سیگریٹ پینا'

Marfat.com

سوٹ بوٹ اور کالر ٹائی میں جکڑے رہنا' مہر صاحب کے لئے اتنا بڑا عذاب ہے کہ جو لوگ انہیں جانتے ہیں وہی ان کی اس تکلیف کا اندازہ کرسکتے ہیں۔

انقلاب۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۱۲۹۔ شنبہ۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۱ء

Marfat.com

خواجہ حسن نظامی

(۱)

خواجہ حسن نظامی صاحب (خدا انھیں ہدایت دے) دہلی سے ایک اخبار " منادی " شائع فرما رہے ہیں ۔ اس کے تازہ پرچے میں آپ نے " افکار و حوادث " کے عنوان پر اعتراض کیا ہے ' جس سے اور تو کچھ نہیں ' صرف آپ کی ہٹ دھرمی ظاہر ہوتی ہے ۔ آپ فرماتے ہیں کہ " ہنسی کی باتوں کے کالم کا عنوان " افکار و حوادث " نہ ہونا چاہئے " ۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ " آج کل ترکوں اور عربوں میں فکر اور افکار ' رائے کے مفہوم میں بولا جاتا ہے اور ہندوستان میں فکر کا جو مفہوم ہے ' اس کو سب لوگ جانتے ہیں کہ کسی بات کے اندیشہ اور خلجان اور رنج و غم کو فکر کہتے ہیں ۔ پھر جو ظرافت کے کالم کا عنوان " افکار و حوادث " رکھا گیا تھا تو وہ صرف پنجاب کے انشاپردازوں کے لئے موزوں ہو سکتا ہے ' دلی اور لکھنؤ والے اس کو موزوں نہیں کہہ سکتے ۔

ایسا ہی لفظ " حوادث " ہے کہ اس کے لغوی معنی تو کسی نئی چیز کے واقع اور صادر ہونے کے ہیں لیکن حادثہ اور حوادث بولتے ہیں کسی افسوس ناک اور بہت ہی زیادہ الم خیز واقعہ کے صدور کی نسبت " ۔

اس رائے کے اظہار کے بعد آپ نے " افکار و حوادث " کے عنوان کے بے جوڑ ہونے کا مذاق اڑایا ہے لیکن ہم متعجب ہیں کہ خواجہ صاحب نے " افکار " اور " حوادث " کے لغوی معنی جاننے کے باوجود یہ اعتراض کیوں جڑ دیا ؟ ہر شخص جانتا ہے کہ اخباروں میں بیسیوں ایسے الفاظ چھپتے ہیں جو " دلی اور لکھنؤ " والوں کے محاورہ کی قید سے آزاد ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود زبان ان کو قبول کرتی ہے اور فصحا ان کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہیں ۔ واضح رہے کہ ہم " افکار و حوادث " کو " واقعات و آرا " کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کالم میں بعض واقعات ہی پر اظہار رائے کیا جاتا ہے ' اس کو لازماً " ہنسی کی باتوں " کا کالم قرار دینا بھی بے خبری کی دلیل ہے ۔

یہ بھی غلط ہے کہ ہندوستان میں فکر صرف " اندیشہ و خلجان اور رنج و غم " ہی

Marfat.com

کو کہتے ہیں ' " دلی اور لکھنؤ " کے تمام شعرا تخیل کی معروفیت کو " فکر شعر " کہتے ہیں اور کوئی شاعر ایسا نہیں جو اس حالت کو " اندیشہ و خلجان اور رنج و غم " قرار دے جو دماغ کے انتہائی انشراح کی ایک وجدانی کیفیت ہے ۔ کاش خواجہ صاحب شاعر ہوتے اور " فکر شعر " کی رنگینیوں کو سمجھ سکتے ۔

یہ بھی غلط ہے کہ " اس قسم کا " بے جوڑ " عنوان صرف پنجاب ہی کے انشا پردازوں کے لئے موزوں ہو سکتا ہے " خود خواجہ صاحب " ہنسی کی باتوں " کا عنوان " چٹکیاں " تجویز فرماتے ہیں ' حالانکہ کسی کے چٹکی لی جائے تو وہ ہنسنے کے بجائے درد سے بلبلا اٹھتا ہے ۔

صوبجات متحدہ کے جتنے اخباروں نے (بقول خواجہ صاحب) " ہنسی کی باتوں " کے کالم معین کئے ہیں ' ان میں سے کسی کا عنوان بھی خواجہ صاحب کے قائم کردہ معیار پر پورا نہیں اترتا ۔ مثلاً " سر دلبراں " " سر راہے " "کشکول " " دو دو باتیں " ظاہر ہے کہ ان عنوانات کو " ہنسی کی باتوں " سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں ۔ خواجہ صاحب پہلے صوبجات متحدہ کے اخباروں کو " بے جوڑ " عنوانوں سے پاک کرلیں ' اس کے بعد پنجاب کے انشا پردازوں پر حرف گیری فرمائیں ۔ اس کے بعد خواجہ صاحب اپنے علم اور تہذیب کی نمائش یوں فرماتے ہیں ۔

" زمیندار کے ہاں ایک حادثہ " مہر " تھا اور ایک " حادثہ " " سالک " اور اب " زمیندار " ان دونوں بے نقط حوادث سے محفوظ ہوگیا ہے " ۔

کسی انسان کو " حادثہ " کہنا علمیت کی نہایت روشن دلیل ہے اور پھر دو انسانوں کے لئے " حوادث " کا لفظ استعمال کرنا تو سونے پر سہاگہ ہے ۔ کیا خواجہ صاحب کو عربی جاننے کے باوجود " تثنیہ " اور " جمع " کا فرق بھی معلوم نہیں ؟

سالک اور مہر کے تخلص چونکہ غیر منقوط واقع ہوئے ہیں ' اس لئے ان پر خواجہ صاحب کو " بے نقط " کی پھبتی سوجھی لیکن انہیں یہ خیال نہ آیا کہ کائنات کے دو مقدس ترین نام یعنی " اللہ " اور " محمدؐ " بھی غیر منقوط ہیں اور اس لحاظ سے بے نقط نام باعث شرف و فضیلت ہیں ' مستحق طعن و استہزا نہیں ـــــــ

انقلاب ۔ جلد ا ۔ نمبر ۱۹ ۔ پنج شنبہ ۔ ۲۸ اپریل ۱۹۲۷ء

Marfat.com

دہلی کے البیلے خواجہ یا بقول مولانا محمد علی "تبلیغ کے راجہ" اپنی دیرینہ عادت کے مطابق حکومت انگریزی سے مصروف بوس و کنار ہیں، چنانچہ "منادی" کے تازہ پرچے میں فرماتے ہیں :۔

"میں آج سے نہیں ہمیشہ سے برٹش گورنمنٹ کا خیر خواہ ہوں اور کوئی ایسی بات نہیں کرتا جس سے برٹش گورنمنٹ کو نقصان پہنچے"۔

اس کا مطلب صاف لفظوں میں یہی ہے کہ "برٹش گورنمنٹ" جو ترکی، مصر، عرب، ایران، افغانستان اور دوسرے اسلامی ممالک کو اپنے استعمار کے دوزخ کا ایندھن بنا لینا چاہتی ہے، خواجہ صاحب کے نزدیک خیر خواہی کی مستحق ہے اور وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتے جس سے اس محبوب و مطلوب حکومت کو کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ عقل والے اس پر ناک بھوں چڑھائیں تو چڑھائیں لیکن یہ عشق کی منزل ہے، اس کو اہل عقل نہیں سمجھ سکتے۔

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے :۔

مجھے نہ پہلے حضور نظام سے کوئی شکایت تھی، نہ اب کوئی شکایت ہے۔ نہ پہلے ان سے کچھ لالچ تھا، نہ اب کوئی لالچ ہے اور مجھے انگریزوں سے بھی گاندھی پارٹی کی طرح نہ پہلے کچھ عناد تھا، نہ اب کوئی دشمنی ہے۔ میں پہلے بھی انگریزوں کی حکومت کو ہندوستان کی موجودہ حالت کے لئے ضروری اور مفید سمجھتا تھا اور اب بھی انگریزوں کی حکومت کو ہندوستان کی موجودہ حالت کے لئے ضروری اور مفید سمجھتا ہوں اور گاندھی پارٹی کے ہر منصوبے و ارادہ سے جو گورنمنٹ کی بیخ کنی کے لئے ہو، مجھے اعلانیہ اختلاف ہے۔

اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب سے مسلمانوں کو نہ پہلے کوئی خیر و فلاح کی امید تھی، نہ اب ہے۔ وہ پہلے بھی حکومت سے حضور نظام کی غمازی کرتے تھے اور اب بھی شملہ جاجا کر یہی حرکتیں کرتے ہیں۔ وہ پہلے بھی ہندوستان کی آزادی کے دشمن تھے اور اب بھی ان کی وہی حالت ہے۔

کیا خواجہ صاحب انگریزوں کی حکومت کو ہندوستان کے لئے اس لئے ضروری اور مفید سمجھتے ہیں کہ اس حکومت کے ماتحت آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین

Marfat.com

ہوتی ہے اور اس حکومت کا کوئی قانون اس کا سدباب نہیں کر سکتا ؟ ۔ خواجہ صاحب کو واضح ہو کہ اگر آپ تبلیغ اسلام کا کام کرنا چاہتے ہیں تو دوسرے جھمیلوں میں نہ پڑیں ' اپنے کام سے کام رکھیں ۔ " سیاسیات " کا میدان بہت پرخار ہے ' اسے آبلہ پایان خلافت ہی کے لئے چھوڑ دیجئے کہ ۔

عاشقی شیوهٔ رندان بلاکش باشد

یہ کون نہیں جانتا کہ آپ سرکار کے آدمی ہیں ۔ انگریزوں کے وجود کو باعث رحمت سمجھتے ہیں اور آزادی ہند کے دشمن ہیں لیکن ان خیالات کے اظہار کی کیا ضرورت ہے ؟

ہم پبلک طور پر خواجہ صاحب سے ایک سوال کرتے ہیں ' جس کا جواب " منادی " کے آئندہ پرچے میں ضرور ملنا چاہئے ۔ سوال یہ ہے کہ اگر آج حکومت انگریزی افغانستان کے خلاف اعلان جنگ کردے تو آپ کا رویہ اس حکومت کے متعلق کیا ہوگا ؟ کیا آپ افغانستان کو بھی " گاندھی پارٹی " ہی کی طرح ذلیل سمجھیں گے اور افغانستان حکومت انگریزی کے خلاف جو کچھ کرے گا ' آپ اس سے " علانیہ اختلاف " کریں گے ؟

کیا آپ کوئی ایسی حرکت تو نہ کریں گے جس سے " برٹش گورنمنٹ " کو نقصان پہنچے ؟

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۱۹ ۔ چہار شنبہ ۔ ۲۷ ' جولائی ۱۹۲۷ء

(۳)

ایک دوست دیوبند سے لکھتے ہیں : ۔

آپ خواجہ حسن نظامی کو انگریزوں سے " معروف بوس و کنار " دیکھ کر ہی ان کے پیچھے پڑ گئے ۔ اگر اسی تاریخ کے " منادی " کے صفحہ ۱۰ کی نویں سطر بھی ملاحظہ سے گزرتی ' جس میں کوئی مخلص ' حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں اپنے اخلاص کا ثبوت ان الفاظ میں دیتے ہیں ۔ " میرے کون و مکان کے مالک دام ظل اللہ تعالیٰ " تو غالباً یہ معاملہ ایسی ضربات شدید تک پہنچ جاتا کہ " تبلیغ کے راجہ " کو التجائے مداوا انہی پرانے دوستوں سے کرنی پڑتی جو آپ کے رقیب ہیں ۔

ایک مرید اپنی جہالت کی وجہ سے خواجہ صاحب کو " کون و مکان " کے مالک

Marfat.com

سے خطاب کرتا ہے اور خواجہ صاحب اس کو نہایت فخر سے اپنے اخبار میں چھاپ کر گویا مسلمانوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ اگر مولانا محمد علی مجھے صحیح معنوں میں "بندہ" بھی نہیں جانتے تو دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو مجھے خدا سمجھتے ہیں ۔ نعوذ باللہ من شرور انفسہم ۔

اس کے علاوہ ذرا " دام ظل اللہ تعالیٰ " ملاحظہ ہو ۔ گویا دعا مانگی گئی ہے (خدا جانے کس سے) کہ اللہ میاں کا سایہ ہمیشہ رہے ' حالانکہ نہ اللہ میاں کا سایہ ہے اور نہ وہ اپنے قیام و دوام کے لئے کسی بندے کی دعائے خیر کا محتاج ہے ۔ کل من علیھا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ۔

خواجہ صاحب کو چاہئے کہ اس قسم کے بیہودہ خطوط اخبار میں نقل نہ کیا کریں ۔ یہ اسلام کا کام نہیں کفرو زندقہ کی خدمت ہے ------

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۲۵ ۔ چہار شنبہ ۔ ۳ اگست ۱۹۲۷ء

(۴)

پچھلے ہفتے ہندوستان کے بعض مشہور آدمیوں کے انتقال کی افواہیں بیک وقت اڑائی گئیں ۔ خواجہ حسن نظامی کے متعلق مشہور ہوا کہ دو ہندوؤں نے جو مسلمان ہونے کے بہانے سے خواجہ صاحب کے پاس آئے تھے ' آپ کو قتل کردیا ہے ۔ اس پر خواجہ صاحب کے احباب میں اس قدر تشویش پھیلی کہ متعدد تار اور ٹیلی فون کے پیغامات دہلی گئے جن میں خواجہ صاحب کے قتل کے تفصیلی حالات دریافت کئے گئے تھے ۔

آدھی رات کے وقت خواجہ صاحب کے ایک محب صادق کو ٹیلی فون سے یہ پیغام پہنچا کہ خواجہ صاحب قتل کردئے گئے ہیں ۔ آپ نے جھٹ خواجہ صاحب کے مکان پر ٹیلی فون کیا اور پوچھا "کیا خواجہ صاحب سچ مچ قتل کردئے گئے ہیں" ؟

جواب ملا " ہیلو ! میں حسن نظامی ہوں " ۔

دوست نے دریافت کیا ۔ " آپ کہاں سے بول رہے ہیں " ؟

غالباً ان کا یہ خیال ہوگا کہ خواجہ صاحب عدم آباد سے ٹیلیفون پر گفتگو فرما رہے ہیں ------

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۳۸ ۔ پنج شنبہ ۔ ۱۸ اگست ۱۹۲۷ء

Marfat.com

(۵)

مولانا محمد علی آئے دن خواجہ حسن نظامی کے پیچھے لٹھ لئے پھرا کرتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک تو ان دونوں کی دماغی حالت میں ذرا بھی تفاوت معلوم نہیں ہوتا۔ خواجہ حسن نظامی نے ایک دفعہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کو چیلنج دیا تھا کہ مرزائیت اور اسلام کے درمیان فیصلہ کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ آؤ میں اور تم دونوں دہلی کی شاہی مسجد کے منارے پر کھڑے ہوجائیں اور وہاں ناک سے ناک ملا کر الا اللہ کا نعرہ لگائیں اور کود پڑیں۔ پھر جس کی جان بچ جائے وہی فاتح سمجھا جائے۔ اگر میں مرگیا تو مرزائیت سچی اور اگر تم مرگئے تو اسلام کا بول بالا ہوگا۔

اس کے بعد جب خواجہ صاحب کو آریا سماجیوں سے واسطہ پڑا تو آپ نے ان کے سامنے بھی یہی معیار حق و باطل پیش کیا اور کئی کرامتوں کا دعویٰ بھی کیا۔ مثلاً یہ کہا کہ ایک مقام پروید کا نسخہ رکھ کر ایک گائے کو اس طرف بھیجا جائے وہ سونگھ کے ہٹ جائے گی۔ اس کے بعد قرآن مجید رکھ دیا جائے انشاء اللہ وہ گائے قرآن کی تعظیم کرے گی اور اس کے گرد سات چکر لگائے گی۔ اسی آزمائش سے صاف ظاہر ہوجائے گا کہ آیا حسن نظامی کا مذہب سچا ہے یا آریا سماجیوں کا۔

بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ ناک پکڑ کر مسجد کے مینار پر سے کود پڑنا اور گائے سے قرآن کا طواف کرانا' یہ کہاں کا اسلام ہے اور کیا اسلام اپنی حقانیت کے لئے اس قسم کی "دلیلیں" پیش کرنا چاہتا ہے؟----

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۳۳۔ سہ شنبہ۔ ۲۹ نومبر ۱۹۲۷ء

(۶)

حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کچھ مدت سے اس پروپیگنڈے میں مصروف ہیں کہ جمعہ کا خطبہ اردو میں ہونا چاہئے چنانچہ آپ اپنے اخبار "منادی" میں کبھی کبھی ان خطبات کا نمونہ بھی درج فرما دیا کرتے ہیں۔ ۲۹ جون کے پرچے میں آپ نے ماہ محرم کے جمعہ اول کا خطبہ شائع فرمایا ہے جس کے پہلے چند فقرے عربی خطبے کی شان پیدا کرنے کی غرض سے مقفیٰ لکھے گئے ہیں۔ مثلاً سبحان اللہ تعالیٰ' تیرا بول بالا' تیری توحید فہم و ادراک سے بعید۔ تیرا دیدار ہماری عید۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید لیکن چونکہ خواجہ صاحب شاعر نہیں اس لئے قافیے میں غلطی کرگئے۔ ایک جگہ

Marfat.com

لکھتے ہیں ۔ سچے پیغمبر' سچی کتابیں' بھائیں دل کو ان کی ادائیں ۔

اچھی خاصی ناسوتی زبان لکھتے لکھتے آپ تصوف کی لاہوتی اور ہاہوتی بولی پر اتر آئے ہیں' جسے نمازیوں میں سے بہت کم سمجھتے ہوں گے اور غالباً کہنے والے کا مدعا بھی سمجھانا نہیں ہے ۔ فرماتے ہیں :۔

" قطرے کا کچھ نہیں' ایک فرضی نام ہے ۔ ذرہ کچھ نہیں سب آفتاب کا کام ہے ۔ نہ دریا نہ قطرہ' نہ آفتاب نہ ذرہ' نہ زوال نہ روشنی' جو افسانہ وہ افسانہ' جو سمجھا وہ دیوانہ' افسانہ ہیچ دیوانہ ہیچ ۔ کل من علیھا فان

اب آپ حضرات ہی انصاف فرمایئے کہ آخر اس مجذوب کی بڑکا خطبۂ جمعہ میں کیا کام! خواجہ صاحب قبلہ اردو خطبے کی حمایت تو محض اس مقصد سے کررہے ہیں کہ لوگ اسے سمجھ سکیں لیکن اگر خواجہ صاحب نے ایسی ہی اردو لکھنی شروع کردی تو پھر افہام و تفہیم کے لئے کوئی دوسری زبان اختیار کرنی پڑے گی ۔ یہ خاص قسم کی اردو تو کام دینے کی نہیں ۔ ان فقروں میں یہ فقرہ کس قدر بے ساختگی سے آگیا ہے کہ " جو سمجھا وہ دیوانہ ۔ " سچ ہے عقل مند آدمی تو ان نکات تصوف کو سمجھنے سے قاصر ہے ۔ دیوانوں کی باتیں دیوانے ہی خوب سمجھ سکتے ہیں ۔

نثر کے درمیان حضرت خواجہ صاحب کچھ " از قسم نظم " بھی ارشاد فرما دیا کرتے ہیں مثلاً مثنوی کی طرز میں چند اشعار لکھے ہیں' جن میں (سے) ایک شعر ملاحظہ ہو ۔

مومنو دل سے کرو یاد خدا　　قبر میں کاٹے گا تم کو اژدہا

اس شعر کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر تم یاد خدا کرو گے تو تمہیں قبر میں اژدہا کاٹے گا لیکن شعر پڑھ کر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مصرع ثانی مصرع اولیٰ کی جزا ہے ۔ خدا جانے خواجہ صاحب کو کونسا ذلیل شاعر مل گیا تھا ۔ جس نے حضرت کو خطبہ کے لئے ایسے شعر لکھ دئے' جن پر قدیم سے قدیم واعظانہ اشعار کا پھس پھسا پن بھی بے ساختہ قربان ہورہا ہے ۔ ضرورت تو اس امر کی تھی کہ گذشتہ صدی سے آج تک اردو نثر و نظم ترقیات کے جو مرحلے طے کرچکی ہے' ان کو رائیگاں نہ کیا جاتا اور ان کے اچھے نمونے پیش کئے جاتے لیکن خواجہ صاحب نے غالباً طرز قدیم کو زیادہ موثر سمجھا جو فی الحقیقت صحیح نہیں ہے ۔۔۔۔

انقلاب ۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۱۲ ۔ پنج شنبہ ۔ ۴ جولائی ۱۹۲۸ء

Marfat.com

(۷)

حضرت خواجہ حسن نظامی بھی ایک لطیفہ ہی ہیں ۔ آپ کو جو سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے ۔ کبھی آپ ہندوؤں کی شدھی سے متاثر ہوکر تبلیغ اسلام کا کام بظاہر نہایت زور و شور سے شروع کردیتے ہیں ۔ کبھی تمام مسلمانوں کی رائے اور علمائے شریعت کے فتوے کو پس پشت ڈال کر شاردا ایکٹ کی حمایت کرنے لگتے ہیں ۔ کبھی مسلمانوں کو تلقین فرماتے ہیں کہ گائے کا گوشت کھانا چھوڑ دو اور اسے قربانی کے لئے بھی ذبح نہ کرو اور کبھی مسلمانوں کو کانگرس میں شریک ہونے کا مشورہ دیتے پھرتے ہیں ۔

آج کل اس صوفی ہزار شیوہ کو ایک اور نئی سوجھی ہے ۔ " منادی " کی اشاعت مورخہ ۲۱ فروری میں حضرت خواجہ صاحب کا ایک مضمون جلی قلم شائع ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ پنجاب کے مسلمان بھی عجیب ہیں ، جھٹکے سے نفرت کرتے ہیں ، حالانکہ میں ذاتی طور پر جھٹکے کے گوشت کو حرام نہیں سمجھتا کیونکہ سکھ بھی بکرے کی گردن کاٹتے وقت واہ گورو کا نام لیتے ہیں اور مسلمانوں کے نزدیک بھی صرف اس جانور کا گوشت ممنوع ہے جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو ۔

سبحان اللہ ! کیا استدلال ہے ؟ غالباً خواجہ صاحب کے نزدیک وہ مرغی بھی حلال ہی ہوگی جس کی گردن خدا کا نام لے کر مروڑی گئی ہو ۔ وہ بکرا بھی حلال ہی ہوگا جس کو اللہ کا نام لے کر پہاڑ پر سے گرا دیا جائے اور وہ گرتے ہی دم توڑ دے ۔ وہ جانور بھی حلال ہی ہوگا جس کو بسم اللہ کہہ کر کے پتھر مار کر مار ڈالا جائے یا جس کا مارے لاٹھیوں کے قیمہ کردیا جائے ۔

اجی حضرت خواجہ صاحب قبلہ ! مسلمانوں کے طریق ذبح میں دو خصوصیتیں ہیں اول یہ کہ وقت ذبح تکبیر پڑھی جاتی ہے ۔ دوم ، مذبوح جانور کا خون پوری طرح نکلنے دیا جاتا ہے ۔ آپ فرماتے ہیں کہ سکھ جانور کا جھٹکا کرتے وقت گرمکھی زبان میں خدا کا نام لیتے ہیں ، حالانکہ گرمکھی کوئی زبان نہیں بلکہ رسم الخط ہے ۔ زبان پنجابی ہے اور ظاہر ہے کہ پنجابی میں کوئی فقرہ کہہ دینے سے حق تکبیر ادا نہیں ہوتا ۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک ہی وار میں جانور کی گردن اڑا دینے سے اس کا خون پوری طرح خارج نہیں ہوسکتا اور طبی ماہرین کی رائے میں ایسا گوشت انسانی صحت کے لئے مضر

Marfat.com

ہے۔

قرآن مجید نے تو صرف اہل کتاب غیر مسلمین کے ذبیحہ کو مسلمانوں کے لئے حلال قرار دیا تھا کیونکہ ان کا طریق ذبح مسلمانوں کے طریق سے ملتا تھا اور وہ اس پر خدا کا نام بھی لیتے تھے لیکن خواجہ صاحب قبلہ نے "اہل گرنتھ" کو اہل کتاب میں شامل کردیا ہے' حالانکہ گرنتھ منزل من اللہ نہیں ہے۔

اگر خواجہ صاحب کو جھٹکے کی وجہ ایجاد معلوم ہوتی تو شاید وہ ایسی رائے ظاہر نہ فرماتے۔ جھٹکا سکھوں نے محض اس لئے ایجاد کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے طریق ذبح سے بالکل الٹا طریقہ اختیار کر کے عام سکھوں میں مسلمانوں کے خلاف عصبیت کی حس پیدا کرنا چاہتے تھے۔ رہا یہ امر کہ مسلمان جھٹکے سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جھٹکے کا گوشت حضرات علمائے اسلام کے نزدیک حرام ہے اور حرام سے نفرت کرنا مسلمان کا کام ہے۔

ہم آج تک یہ نہیں سمجھ سکے کہ بعض لوگ اس قسم کی فضول باتوں میں اپنا وقت عزیز کیوں ضائع کرتے ہیں؟ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ اگر مسلمان جھٹکے کا گوشت کھانا شروع کردیں گے تو سکھ ان سے نفرت کرنا چھوڑ دیں گے؟ ایں خیال است و محال است و جنوں۔ کیا اگر ہم گردن مروڑی مرغی کھانا شروع کردیں تو عیسائی اسلام لے آئیں گے یا مسلمانوں سے محبت کرنے لگیں گے؟ یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمان کو سکھوں یا عیسائیوں یا ہندوؤں کی رضا جوئی سے زیادہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوش نودی کی حاجت ہے۔

باقی رہا یہ معاملہ کہ آپ خود اپنے لئے جھٹکے کو حلال سمجھتے ہیں تو اس سے کسی کو کیا بحث ہے۔ جھٹکے کا گوشت تو ایک طرف رہا' آپ شراب' جوئے' خون اور لحم خنزیر کو بھی اپنے لئے حلال کرلیں تو انگریز کے راج میں آپ کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے لیکن خدا کے لئے اگر آپ مسلمان کہلاتے ہیں تو اپنے ان بے سروپا خیالات کو اپنے تک ہی رکھا کیجئے' مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ احکام اسلام اور مصالح شرعی کی جہالت بہت بڑی ابتلا ہے ہر عامی شخص اٹھتا ہے اور احکام دینی میں اپنے اجتہادات ناقصہ کو پیش کرنے لگتا ہے۔ ان لوگوں نے دین کو بازیچہ بنا رکھا ہے۔ مدیر "افکار" خود عامی ہے' علم دین

Marfat.com

کا دعوے دار نہیں لیکن اس کا جہل " بسیط " ہے اور خواجہ صاحب کا " مرکب " ہے

آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند در جہل مرکب ابدالاہر بماند

عام دنیاوی امور میں رائے زنی کا حق ہر شخص کا حاصل ہے لیکن مذہب ایسی گری پڑی چیز نہیں کہ ہر شخص منصب افتاء اختیار کرلے ۔ من فسر القرآن برایہ فقد کفر

انقلاب ۔ جلد ۴ ۔ نمبر ۲۰۹ ۔ یک شنبہ ۔ ۲۳ فروری ۱۹۳۰ء ۔ سنڈے ایڈیشن

(۷)

شمسۃ المشائخ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے پچھلے دنوں اپنے اخبار " منادی " میں لکھا تھا کہ مسلمانوں کو جھٹکے کے گوشت سے نفرت نہ کرنی چاہئے اور اپنے متعلق یہ ارشاد فرما دیا تھا کہ میں جھٹکے کے گوشت کو حلال سمجھتا ہوں کیونکہ سکھ جھٹکے کے وقت خدا کا نام لیتے ہیں ۔ اس پر ہم نے " افکار " میں اظہار خیالات کیا اور خواجہ صاحب سے پوچھا کہ اگر صرف خدا کا نام ہی لینا کافی ہے اور طریق ذبح کی کوئی اہمیت نہیں تو آیا آپ ایسی مرغی کھالیں گے جس کی گردن خدا کا نام لے کر موڑی گئی ہو ؟ اس سلسلے میں ہم نے اور سوالات بھی کئے تھے لیکن خواجہ صاحب ہماری تحریر پر بے انتہا برہم ہوئے اور " منادی " مورخہ ۱۱ مارچ کے " روزنامچہ " میں " انقلاب " اور اس کے ایڈیٹروں کے خلاف نہایت طفلانہ انداز میں زہر اگلا :۔

" روزنامچہ " میں خواجہ صاحب نے ہمارے اعتراضون کا جواب تو نہ دیا لیکن ادھر ادھر کی ہانکنی شروع کردیں ۔ مثلاً آپ کے چند فقرے جو دہلی کی انشا پردازی کی جان ہیں ' ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :۔

۱) انقلاب کے ایڈیٹر کا دماغ ہمیشہ انقلاب میں رہتا ہے ۔

(سبحان اللہ ! کیا خوب فرمایا ' مکرر فرمایئے)

۲) ان لوگوں کو اپنے اخبار کی شہرت اور بکری مقصود ہے ۔

(حالانکہ ہر اخبار نویس کو اپنے اخبار کی بدنامی اور غیر ہر دلعزیزی کی کوشش کرنی چاہئے چنانچہ خواجہ صاحب نے عمر بھر یہی کوشش کی ہے اور چار لاکھ کی جایداد اسی کوشش کا نتیجہ ہے ۔)

Marfat.com

۳) یہ کبھی انگریزوں سے لڑتے ہیں ' کبھی ہندوؤں سے ۔
(حالانکہ ہر مسلمان کو مسلمانوں ہی سے لڑنا چاہئے ' چنانچہ خواجہ صاحب ہمیشہ یہی کرتے ہیں ۔)
۴) کبھی ظفر علی خان سے لڑتے ہیں ۔
(حالانکہ مولانا محمد علی سے لڑنا چاہئے ' چنانچہ خواجہ حسن نظامی مدتوں اسی طرز عمل پر کاربند رہے ہیں ۔)
۵) انقلاب والے اپنے مذاقیہ کالم کے لئے پیروں فقیروں کے خلاف بھی فرضی قصے تصنیف کیا کرتے ہیں ۔ (لعنۃ اللہ علی الکاذبین)
۶) میں مانتا ہوں کہ فقیروں میں برے آدمی بھی بہت ہیں لیکن ان سے زیادہ مولویوں میں برے ہیں اور مولویوں سے زیادہ لیڈروں اور ایڈیٹروں میں برائیاں موجود ہیں ۔
(یہ غلط ہے ۔ ہمیں اس سے اختلاف ہے کیونکہ پیروں ' فقیروں کو ایسی ایسی جدید برائیاں سوجھتی ہیں کہ مولویوں اور ایڈیٹروں کو بھی نہ سوجھیں ۔ ان فقیروں نے تو برائیوں کو بھی فن کا مرتبہ دے رکھا ہے) ۔
۷) انقلاب والے لیڈر بھی ہیں اور ایڈیٹر بھی ہیں ۔ خدا ان کو نیک ایڈیٹر بنائے ۔
(واضح رہے کہ ہم لیڈر نہیں ہیں ' صرف ایڈیٹر ہیں ۔ یہ دونوں خوبیاں حضرت خواجہ صاحب کی ذات عالی صفات میں جمع ہیں ۔ خدا ان کو نیک صوفی بنائے)
(۸) خدا لیڈری کی بیماری سے ان کو اور ان کے پرانے مہاتما ظفر علی خاں کو صحت و تندرستی عطا فرمائے ۔ لاہور کا کوئی اشتہاری حکیم ان بیماروں کا علاج نہیں کرسکتا کیونکہ سب ان کے لیڈرانہ جنون سے ڈرتے ہیں ۔
(ہم تو لیڈری سے انکار کرچکے ہیں ۔ رہا مولانا ظفر علی خان کا معاملہ تو ہمیں اس میں کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ' مولانا خود خواجہ صاحب سے نبٹ لیں گے دہلی کا اشتہاری حکیم جو " سات چھو ہاروں " اور " کشتہ طلا " کا اشتہار اپنے اخباروں میں چھاپ کر صوفیا و مشائخ کا نام روشن کررہا ہے ' لاہور کے اشتہاری حکیموں پر حملہ کرتا ہوا اچھا نہیں معلوم ہوتا ۔)
۹) درحقیقت یہ لوگ اخبار کا پیٹ بھرنے کے لئے مضمون ڈھونڈا کرتے ہیں اور جب کوئی ان کو چھیڑنے والا نہیں ملتا تو بازار میں کھڑے ہوکر سر کو کھجاتے ہیں اور ادھر

Marfat.com

ادھر دیکھتے ہیں کہ آج کوئی آدمی چھیڑنے والا نہیں ملا "افکار و حوادث" میں کیا لکھیں

(حالانکہ ان لوگوں کو اخبار میں اپنا روزنامچہ لکھنا چاہئے ' جس میں بتانا چاہئے کہ "آج میں فطرتی صاحب سے ملنے گیا۔ قربتی بانو مجھ سے ملنے آئی ہوئی تھیں۔ روحہ بڑے تماشے کرتی ہے۔ ابن عربی لکھ رہے ہیں ' میں حور بانو سے باتیں کررہا ہوں۔ آج پارہ ۶۰ درجے پر ہے کل ۵۰ درجے پر تھا ' مہاراجہ بیکانیر بہت اچھے آدمی ہیں۔ میں گورنمنٹ ہاؤس میں گیا ' وہاں انگریزوں سے ملا ' پھر گھر واپس آگیا۔ پارہ پھر بھی ۶۰ ہی درجے پر رہا")۔

اس دفعہ خواجہ صاحب کے روزنامچے میں ایک نہایت ناگوار فقرہ نظر پڑا۔ ہم آپ کی خدمت میں مودبانہ گزارش کرتے ہیں کہ خدا کے لئے ایسے فقروں سے مسلمانوں کی دل آزاری نہ کیا کیجئے۔ فرماتے ہیں :۔

ایک ریاست کے ہندو دیوان میرے دیکھنے کے بہت مشتاق تھے۔ کہنے لگے ' آج آپ کو دیکھا گویا حضرت محمدؐ صاحب کو دیکھا۔

اگر اس فقرے کو نقل کرنا ہی مقصود تھا تو اس کے ساتھ معاذ اللہ یا نعوذ باللہ لکھ کر صادقانہ و مخلصانہ اظہار انکسار کرنا نہایت ضروری تھا لیکن خواجہ صاحب نے اس فقرے کو مزے سے سن بھی لیا اور لکھ بھی دیا۔ یہ پرلے درجے کی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اللہ تعالیٰ خواجہ صاحب کو معاف فرمائے۔

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۲۲۴۔ شنبہ۔ ۱۵ مارچ ۱۹۳۰ء

(۸)

مولانا محمد علی اور خواجہ حسن نظامی کے درمیان آج سے چار سال قبل جو کاغذی جنگ ہوئی تھی ' اس کی تفصیلات اخبار بیں حضرات کو اب تک فراموش نہیں ہوئیں مولانا محمد علی نے تو خواجہ صاحب کی بعض حرکتوں کے خلاف اپنے اخبار "ہمدرد" میں مضامین لکھے تھے لیکن خواجہ صاحب نے ایک روزانہ اخبار خاص اس مقصد ہی سے نکالا تھا ' جس میں روزانہ مولانا کے خلاف بہتان تراشے جاتے تھے[۱۲] مولانا نے خواجہ حسن نظامی پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ حکومت ہند کے سامنے حضور نظام کے

Marfat.com

خلاف مخبری کرتے رہے ہیں اور خواجہ صاحب اس الزام کے جواب میں مولانا محمد علی کو گالیاں دے رہے تھے۔

خدا خدا کر کے یہ اخباری آویزش ختم ہوئی لیکن دل پھر بھی صاف نہ ہوئے۔ آخر مولانا محمد علی نے پہل کی اور جب ۳۰ جنوری ۱۹۲۸ء کو خواجہ حسن نظامی پر پستول سے قاتلانہ حملہ ہوا اور ان کے خسر گولی کا شکار ہوگئے تو مولانا محمد علی اظہار ہمدردی کے لئے خود خواجہ حسن نظامی کے ہاں پہنچ گئے۔ گویا اپنی طرف سے خلوص اور صفائی قلب کا ثبوت دے دیا اور بقول خواجہ صاحب " خود تشریف لا کر میری اپنی دوستی کو پھر زندہ کردیا "۔

لیکن وہ خواجہ حسن نظامی ہی کیا ہوئے جن کا دل صاف ہوجائے۔ آپ بظاہر تو مولانا محمد علی سے اچھی طرح ملے اور ان کی دوستی کے دعوے دار بھی ہوگئے لیکن اندر ہی اندر حملے کا موقعہ تلاش کرتے رہے۔ جب مولانا محمد علی گول میز کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے ہندوستان سے روانہ ہوگئے تو خواجہ صاحب نے ان کی خدمت میں ایک "نیاز نامہ" لکھ کر شائع کردیا اور اس کی نقلیں تمام اخبارات ' تمام حکام ' تمام ارکان کانفرنس بلکہ سارے اسلامی ممالک میں بھی بھیج دیں۔

اس "نیاز نامے" میں "خواجہ نیاز مند" نے مولانا محمد علی سے اظہار محبت اور ان کی علالت پر اظہار تشویش کے بعد (مختصراً) یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مولانا چونکہ پے در پے علالت کی وجہ سے مختل الحواس ہوگئے ہیں ' لہٰذا ان کو مسلمانوں کا نمائندہ نہ سمجھا جائے۔ خدا جانے وہ کانفرنس میں کیا بول اٹھیں اور مسلمانوں کا حقیقی عقیدہ کیا ہو۔ اس کے بعد مولانا محمد علی کے ایک بیان پر تبصرہ بھی فرمایا ہے لیکن چونکہ اس تبصرے کے دوران میں مولانا محمد علی کی بعض ایسی باتوں کی مخالفت کرنی پڑی ہے جو کانگرس سے مسلمانوں کی علیحدگی اور موجودہ تحریک سے بیزاری ظاہر کرتی ہے ' اس لئے خواجہ صاحب کے اظہار خیالات کا رجحان کچھ کانگرسی ہی سا ہوگیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی ایسے مسلمان کی مخالفت کرے گا جو کفار سے برسرپیکار ہو تو وہ شخص یقیناً کفر کا ساتھی معلوم ہوگا اور ہوش مند لوگ بھی اسے ایسا ہی سمجھیں گے

لیکن چونکہ آج کل ذرا کانگرس " خلاف قانون " ہو رہی ہے اور خواجہ حسن

Marfat.com

نظامی جیل جانے سے بہت گھبراتے ہیں ' لہٰذا آپ نے ایک جگہ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ " میں انڈین نیشنل کانگرس کا ممبر نہیں ہوں ' نہ کبھی ہوا ' نہ آئندہ ہونے کا ارادہ ہے اور نہ موجودہ تحریک سول نافرمانی میں کوئی حصہ لیا " ۔

یہ فقرہ لکھ کر غالباً خواجہ صاحب کے سینے پر سے ایک پتھر سا ہٹ گیا ہوگا اور آپ مطمئن ہو گئے ہوں گے کہ اب ہمیں کوئی گرفتار نہیں کرے گا جو لوگ اپنی سمجھ کے قصور ' اپنے فہم کی پستی ' اپنی قوت فیصلہ کی کمزوری کے باعث ہمیشہ ڈھل مل یقین ہی رہتے ہیں ' ان کا یہی حشر ہوتا ہے ۔ مذبذبین ذالک لا الاھولاء ولا الاھولاء ۔

ایک ایسا خادم قوم اور رہنمائے ملت جس نے ساری عمر قوم کے غم میں بسر کی ' نہایت تشویش انگیز علالت کے باوجود چھ ہزار میل کا سفر اختیار کرتا ہے اور محض اس لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالتا ہے کہ شاید مسلمانوں کا کچھ بھلا ہو جائے لیکن دنیا میں ایسے " سنگ دل صوفی " بھی موجود ہیں جو ایسی حالت میں بھی قساوت سے باز نہیں رہ سکتے اور اس خادم قوم کے مرض کا مضحکہ اڑاتے ہیں ۔ اس کو مجنوں اور مخبوط الحواس قرار دیتے ہیں اور کفار مکہ کی تقلید کرتے ہیں جنہوں نے ہادی دو سرا تک کو (نعوذ باللہ) مجنون کہہ دیا تھا ۔

مولانا محمد علی مسلمانوں کی صحیح نمائندگی کریں گے یا نہ کریں گے ' اس وقت سوال یہ نہیں ۔ سوال صرف یہ ہے کہ عام شرافت اور انسانیت کے یہی معنی ہیں کہ محض اردو میں چند سطریں لکھ سکنے والا ایک صوفی جس نے زندگی بھر کوئی مفید کام نہیں کیا ' مسلمانوں کے حقیقی خادموں کو ان کی علالت کی بنا پر مورد تحقیر و استہزا بنائے ؟

ہمارے نزدیک مسلمانوں کا کوئی طبقہ بھی خواجہ حسن نظامی کے اس " نیا زنامے " کو پسند نہ کرے گا ' جس کی تہ میں محض وہ جذبہ بغض و عناد پوشیدہ ہے جو انہیں مولانا محمد علی کا دشمن بنائے ہوئے ہے ۔

انقلاب ۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۱۲۵ ۔ پنج شنبہ ۔ ۶ نومبر ۱۹۳۰ء

(۹)

دہلی میں پچھلے دنوں ایک اسپتال بننے والا تھا ۔ جب اس تعمیر کے سلسلے میں زمین

Marfat.com

کھودی گئی تو اس میں سے بعض مساجد کے آثار برآمد ہوئے اور مسلمانوں نے اصرار کیا کہ انہیں ہرگز منہدم نہ کیا جائے بلکہ مسلمانوں کو اجازت دی جائے کہ انہیں مکمل کر کے ان میں نمازیں پڑھیں لیکن حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کو قارئین کرام جانتے ہی ہیں کہ کیسے دلچسپ بزرگ ہیں۔ آپ نے "ریاست" کے گزشتہ پرچے میں مسلمانوں کی اس مسجد پرستی پر انہیں بہت لعنت ملامت کی اور لکھا کہ جہاں اسپتال یا کتب خانہ یا اس قسم کو کوئی مفید عام ادارہ تعمیر ہونے والا ہو' وہاں مساجد کی پروا نہ کرنی چاہئے۔ رفاہ عامہ پر مسجدوں کو قربان کر دینا تقاضائے روشن خیالی ہے۔

خدا جانے مسلمانوں میں اس قسم کے "بدنام کنندگان نکونامے چند" کیوں پیدا ہوگئے۔ جو مذہبی پیشواؤں کی حیثیت اختیار کر کے مذہب کی بیخ کنی کرنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ کبھی نہرو رپورٹ کی حمایت شروع کر دیتے ہیں۔ کبھی شاردا ایکٹ کی تائید میں بانگ بے ہنگام بلند کرنے لگتے ہیں۔ کبھی جھٹکے کا گوشت کھانا شروع کر دیتے ہیں اور علی الرغم قران حکیم اس کو حلال بتاتے ہیں۔ کبھی رئیس الاحرار مولانا محمد علی کی توہین کرتے ہیں اور کبھی مسجدوں کو غیر ضروری بتانے لگتے ہیں۔

خواجہ صاحب کے نزدیک اسپتال اور کتب خانہ مفید عام ادارے ہیں' لہٰذا ان کے لئے مساجد کو قربان کر دینا چاہئے۔ گویا آپ کے لئے مساجد عوام کے لئے مفید نہیں ہیں۔ خدا کی شان ہے' اس چودھویں صدی میں ایسے مشائخ بھی پیدا ہونے تھے جن کے نزدیک جسمانی بیماریوں کا علاج انسان کی روحانی ترقی اور عبادت الٰہی سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ کیوں صاحب! اقتضائے حاجت کے لئے پاخانے بنوانا بھی رفاہ عامہ کا کام ہی ہے نا' تو کیا آپ کے نزدیک کسی پرانی مسجد کے آثار کو ڈھا کر ان پر پاخانے بنا دینا بھی سراسر جائز ہو گا؟۔

یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ آیا خواجہ صاحب کا رویہ صرف مساجد ہی تک محدود ہے یا مقابر بھی اس قبیل میں آتے ہیں۔ مساجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرائض کی تکمیل کی جاتی ہے لیکن مقابر پر شرک و بدعت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ قوالیاں ہوتی ہیں' رنڈیوں کا ناچ ہوتا ہے' جذبات انگیز گیت گائے جاتے ہیں۔ عورتیں اپنے حسن و جمال کی نمائش کرتی ہیں اور لفنگے دید بازی کرتے پھرتے ہیں۔ "فقرا صوفیہ" دن دہاڑے جاہلوں کی جیبیں کترتے ہیں۔ خدائے واحد کو

Marfat.com

چھوڑ کر ایک انسان اور وہ بھی مردہ انسان سے مرادیں طلب کی جاتی ہیں لیکن مساجد میں اس قسم کی کوئی لغویت نہیں ہونے پاتی ۔ خواجہ صاحب نے مسجدوں کے متعلق تو جو منہ میں آیا فرما دیا لیکن کیا آپ گوارا فرمائیں گے کہ کوئی بے ادب انسان حضرت خواجہ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ کا مزار کھود کر اس کی جگہ " دہلی پبلک لائبریری " یا " شفاخانہ امراض خبیثہ " قائم کر دے ؟

اللہ اللہ ! اب " طریقت " کی سازشیں شریعت کے خلاف اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ صوفیہ کے نزدیک مساجد کی حفاظت بھی ضروری نہیں رہی ۔

فوج امن و امان کی محافظ ہے ۔ رعایا کی جان و مال کی نگہ بانی کرتی ہے ۔ سلطنت کی پشت پناہ ہوتی ہے اور رفاہ عام و حفظ عوام کا کام کرتی ہے ۔ پھر جب ریاست بھرت پور میں فوجی بارکیں تعمیر کرنے کے لئے تین مسجدیں گرا دی گئی تھیں تو خواجہ صاحب اتنے چراغ پا کیوں ہوئے تھے اور مہاراجہ بھرت پور کو دامن پھیلا پھیلا کر بددعائیں کیوں دینے لگے تھے ؟ وہاں بھی یہی کہہ دیا ہوتا کہ فوج چونکہ رفاہ عام اور حفظ عام کا کام انجام دیتی ہے ' لٰہذا مسجدوں کو قربان کر دینے میں کوئی حرج نہیں ۔

حقیقت یہ ہے کہ جہالت بہت بری چیز ہے ۔ جس شخص کو مسجد کی شرعی حیثیت کا علم نہیں ' عبادت الٰہی کی اہمیت معلوم نہیں " رفاہ عام " کے معنی معلوم نہیں ' وہ آج کل قلم ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اناپ شناپ لکھ مارتا ہے اور مصیبت یہ ہے کہ بعض جہال اس کی ہرزہ سرائی کو ایک صوفی پیر کے ارشادات سمجھ کر اندھا دھند صحیح ماننے لگتے ہیں ۔ جب تک مسلمانوں کو جہالت سے مخلصی حاصل نہ ہوگی ' اس قسم کے " اہل الرائے " برابر پیدا ہوتے رہیں گے ۔

انقلاب ۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۱۴۹ ۔ پنج شنبہ ۔ ۴ دسمبر ۱۹۳۰ء

(۱۰)

حضرت خواجہ نظام الدین کی درگاہ (واقع دہلی) کے احاطے کے ایک گوشے میں دیوار سے متصل ایک قبر ہے جو اپنے زرد رنگ کے باعث خاص طور پر نمایاں نظر آتی ہے ۔ گویا صوفیہ کا شوق نمائش قبر تک کے معاملے میں پورا کیا گیا ہے ۔ اس زرد قبر کی سفید دیوار پر سیاہ حروف میں جلی قلم یہ عبارت لکھی ہوئی ہے ۔ " یہ قبر خواجہ حسن نظامی کے دادا کی ہے " ۔

Marfat.com

ساری دنیا تو " ابن فلاں " اور " نبیرۂ فلاں " ہونے پر فخر کرتی ہے لیکن خواجہ گیسو دراز کی کرامت ملاحظہ ہو کہ " جد فلاں " اور " پدر فلاں " ہونے پر بھی فخر کیا جانے لگا اور قبر پر تعارف کے لئے صاحب قبر کے پوتے کا ذکر ضروری ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ اگر خواجہ حسن نظامی صاحب کے دادا خواجہ صاحب سے زیادہ متقی ' آپ سے زیادہ عابد و زاہد ' آپ سے زیادہ عالم و صوفی تھے تو محض ان کا نام ہی لکھ دینے پر اکتفا کیوں نہ کیا گیا اور ان کے پوتے کی نسبت کیوں بیان کی گئی اور اگر دادا صاحب ' پوتے صاحب کے مقابلے میں کم متقی ' کم عابد ' کم عالم اور کم صوفی تھے تو پھر محض خواجہ صاحب کی نسبت ان کو کیونکر معزز بنا سکتی ہے اور ان کی قبر پر اس بے معنی کتبے کی ضرورت کیوں داعی ہو گئی ؟

مساجد کے آثار کے متعلق تو بعض صوفیوں کا مذہب یہ ہے کہ جہاں کوئی کتب خانہ یا شفاخانہ بننے والا ہو وہاں ان آثار کو بے تکلف مٹا دینا چاہئے لیکن دادا کی قبر ضرور رہنی چاہئے اور اس پر زرد رنگ بھی پھیر دینا چاہئے۔ کیا زمین کے اس ٹکڑے پر جو دادا کی قبر نے خواہ مخواہ روک رکھا ہے " خواجہ اسکول " کے دو کمرے نہیں بنائے جا سکتے ؟ موئی مٹی کا ڈھیر اچھا یا مسلمانوں کے زندہ بچوں کی تعلیم اچھی ؟ کیا تعلیم " رفاہ عام " کا کام نہیں ؟ ــــــــ

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۱۵۳۔ سہ شنبہ۔ ۹ دسمبر ۱۹۳۰ء

اگر کسی مکان کی بنیاد کھودتے وقت پرانے زمانے کی کوئی قبر نکل آئے تو صوفیوں کے ریوڑ کے ریوڑ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور مالک مکان کی جان عذاب میں کر دیتے ہیں۔ جب وہ غریب زمین کا اتنا ٹکڑا مجبوراً علیحدہ کر دیتا ہے تو صوفیہ محلے کے لوگوں سے چندہ جمع کر کے اس قبر کو پختہ بنا دیتے ہیں۔ ہر جمعرات کی شام کو اس پر چراغ جلاتے ہیں اور ہیجڑوں کا ناچ کراتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جاہلوں کے لئے مرادیں مانگنے کا ایک نیا اڈہ تیار ہو جاتا ہے اور پیر " بنیاد علی شاہ " کی درگاہ مرجع خاص و عام بن جاتی ہے ــــــ

حضرت خواجہ حسن نظامی کا روزنامچہ ۲۱ جولائی موصول ہوا۔ چونکہ خواجہ صاحب آج کل کشمیر میں مسلمانوں کی قابل قدر خدمت انجام دے رہے ہیں ' اس لئے ہم نے نہایت شوق سے روزنامچہ کی ورق گردانی شروع کی۔ صفحہ ۲۵ پر پہلے کالم میں لکھا

Marfat.com

تھا:۔

حضرت "جامی" فرماتے ہیں ۔

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم

حالانکہ اس مصرع کو جامی سے کوئی تعلق نہیں ۔ یہ خواجہ حافظ کا نہایت مشہور شعر ہے اور اس کا دوسرا مصرع یہ ہے ۔

اے بے خبر زلذت شرب مدام ما

انقلاب ۔ جلد ٦ ۔ نمبر ٦٠ ۔ شنبہ ۔ یکم اگست ۱۹۳۱ء

Marfat.com

ملا رموزی

(۱)

برخوردار سعادت آثار نیک کردار یعنی نواب ضیاء الملک بہادر ملارموزی ساکن بھوپال کو گم گشتۂ مسالک و مبتلائے مہالک عبدالمجید سالک کی طرف سے دعائے عمر درازی و ترقی درجات پہنچے ۔ اما بعد خط تمہارا پہنچا ' حال معلوم ہوا ۔ یہاں بفضل ایزد متعال مالا مال خیریت ہے اور آں عزیز کی خیر و عافیت کے لئے بدرگاہ مجیب الدعواۃ خمس الاوقات مستدعی ہوں ۔ صورت حال یہ ہے کہ ایک نسخہ کتاب مستطاب " نکات رموزی " کا شرف صدور لایا ' آنکھوں کے لئے نور اور دل کے لئے سرور لایا ۔ الحق کہ اس رونے پیٹنے کے زمانے میں جسے دور حاضر کہتے ہیں ' تمہاری ذات تفنن آیات اور مصدر طنزیات ادبائے کائنات کے لئے باعث فخر و مباہات ہے ۔

تم نے اس کتاب کے متعلق فقیر کی رائے دریافت کی ہے ۔ فقیر اخبار نویسوں کی اصطلاح میں " بلا خوف تردید " کہہ سکتا ہے کہ زبان اردو میں بے ساختہ تفنن و ظرافت کے اعتبار سے تمہارے لازوال مضامین کا یہ مجموعہ اپنی نظیر نہیں رکھتا اور میں سچ کہتا ہوں ' مسلمان ہو تو یقین کرنا کہ " نکات رموزی " نے میرے نہایت قیمتی وقت کے تین گھنٹے بہت بے دردی سے ضائع کردئے ہیں ' کیونکہ میرے نزدیک یہ امر محال عقلی ہے کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی اس کتاب کا ایک صفحہ پڑھ لے اور پھر ختم کئے بغیر چھوڑ دے ۔

میں نے اپنے تمام دوستوں سے جن میں کئی ہزار " افکار و حوادث " پڑھنے والے بھی شامل ہیں ' یہ کہہ دیا ہے کہ اگر زبان کی سلاست و سادگی ' ظرافت کی بے ساختگی اور اصلاحی تفنن کی پاکیزگی دیکھنا چاہو تو ایک روپیہ خرچ کرکے " نکات رموزی " ضرور منگا لو ' ورنہ بعد میں کف افسوس ملنا پڑے گا اور بجز حسرت و پریشانی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا ۔ میں نے ان احباب کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ " نکات رموزی " گلابی اردو کا مجموعہ نہیں بلکہ اچھے خاصے انسانوں کی بولی میں لکھی گئی ہے ' جس کا ایک ایک فقرہ زبان اور مذاق کی لطافتوں کا آئینہ دار ہے ۔

اس مجموعہ میں تھرڈ کلاس ' زنانہ شکار ' قومی ہفتہ ' علی گڑھ جبلی ایسے دل آویز اور نفیس مضامین ہیں کہ لطافت و ظرافت چٹ پٹ بلائیں لے رہی ہے ۔ کیا کروں "

Marfat.com

"افکار" کا کالم اسی سطر کا ہے "نکات رموزی" سو سوا سو صفحے کی کتاب ہے اور دل آویزی کی یہ حالت ہے کہ قوت انتخاب مجروح ہے۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

ورنہ قارئین "افکار" کو تمہاری عدیم المثال تحریر کا نمونہ دکھانے کے لئے "نکات" میں سے کچھ نقل بھی کردیتا۔

بہرحال میری رائے یہ ہے کہ "افکار" کے پڑھنے والوں نے اگر "نکات رموزی" کو نہ پڑھا تو کچھ بھی نہ پڑھا۔ مجھے یقین ہے کہ ان چند سطور کو پڑھ کر سب احباب ایک ایک روپیہ صرف کردیں گے اور "مینیجر کتابستان، مزنگ لاہور" سے "نکات رموزی" کا ایک ایک نسخہ طلب کرلیں گے۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ اس ایک روپے کے صرف پر کبھی پریشان نہ ہوں گے بلکہ کتاب کو دیکھ کر یہ کہہ اٹھیں گے کہ۔

جما دے چند دادم جان خریدم تعال اللہ عجب ارزاں خریدم

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۱۹۵ ۔ شنبہ ۔ ۲۵ فروری ۱۹۲۸ء

(۲)

حضرت ملا رموزی کو شکایت ہے کہ گو ان کے مضامین کے مجموعہ موسومہ "نکات رموزی" پر ملک بھر کے جرائد نے (تعریفوں) کے پل باندھ دئے ہیں اور داد و تحسین کے صدہا خطوط بھی (فوراً) ملا صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ کتاب کی فرمائشیں بہت ہی کم آئی ہیں۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے (تو) کتاب کے خریداروں سے اس کے مداحوں کی تعداد کوئی (پانچ) گنا زیادہ ہوگی۔ ملا صاحب مدیر "افکار" سے دریافت فرما (رہے) ہیں کہ آخر یہ کیا گورکھ دھندا ہے۔

ہم آپ کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ آپ لسان العصر مولانا سید اکبر حسین مرحوم کا یہ شعر کبھی نہ بھولئے۔

کھلا جب بزم میں دیواں مرا تحسین کا غل اٹھا
مگر سب ہو گئے خاموش جب مطبع کا بل آیا

ہندوستان کی ادب نواز دنیا کا یہی حال ہے کہ۔

Marfat.com

"تحسیں" طلبی مضائقہ نیست   زر می طلبی سخن دریں است

حالت یہ ہے کہ جس قصبے میں "نکات رموزی" کا ایک نسخہ کسی طریقے سے پہنچ جاتا ہے اس قصبے کے تمام "خواندہ" حضرات اس نسخہ کو "چشمہ شیریں" سمجھ کر "مردم و مور و ملخ" کی طرح "----- وچوں نکات رابخانہ برند۔ یک قطعہ گرامی نامہ بہ خدمت (مصنف) صاحب می فرستد کہ واہ صاحب واہ ' خوب کتاب لکھی مکرر فرمایئے۔

آپ یقین کیجئے کہ ہمارا بھی یہی حال ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ "افکار و حوادث" کا غلغلہ چار دانگ ہند میں بلند ہوچکا ہے اور عامی سے لے کر عالم تک ' بچے سے لے کر بوڑھے تک اس کالم کو مزے لے لے کر پڑھتے ہیں لیکن حالت یہ ہے کہ "انقلاب" کی اشاعت ہندوستان کی آبادی کے ہزارویں حصے کے برابر بھی نہیں۔ اکثر حضرات "افکار" کے لئے کچھ "مسالہ" بھیجتے ہیں تو اپنے نوازش نامے میں یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ "جس اشاعت میں یہ مسالہ چھپے ' اس کا ایک پرچہ ہمیں ضرور بھیجئے گا"۔ یعنی آپ "انقلاب" کو باقاعدہ نہیں پڑھتے ' صرف وہی خاص پرچہ ملاحظہ فرمانا چاہتے ہیں ' جس میں آپ کے نتائج افکار مندرج ہوں اور پھر وہ پرچہ ہم سے مفت طلب کیا جاتا ہے۔

حضرت ملا صاحب! یہ روپے پیسے کا زمانہ ہے۔ اس (بت) سیمیں عذار" کی مفارقت لوگوں کو گوارا نہیں۔ ہاں ' داد جتنی چاہے لیجئے کیونکہ اس میں پلے سے کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ کلام سنایئے ' واہ واہ لیجئے ' آداب عرض کیجئے اور ٹھنڈے ٹھنڈے مشکوئے معلیٰ کو تشریف لے جایئے۔ کیا خوب کہا ہے مولانا اکبر مغفور نے۔

بوسہ کیسا کہ گلوری بھی نہیں پاتا ہوں میں
بس کلام اپنا انہیں جا کے سنا آتا ہوں
وہ یہ کہتے ہیں کہ کیا "خوب کہا ہے واللہ"
میں یہ کہتا ہوں کہ "آداب بجا لاتا ہوں"

بس قصہ ختم ہوا۔ مابخیرو شما بسلامت۔ مولانا حالی سچ کہتے ہیں کہ۔

شعر کہنے سے تو بہتر تھا کہ چھپر باندھتے
بلا سے دن بھر کی مزدوری کے پیسے تو مل جاتے۔ داد سخن جائے بھاڑ میں ' آخر

Marfat.com

ہے کس کام کی ؟ نہ کھانے کی نہ اوڑھنے کی نہ بچھانے کی ۔

قارئین " افکار " کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگرانہیں ادب و انشا کا ذوق صحیح حاصل ہے تو صرف داد ہی پر اکتفا نہ فرمائیں بلکہ کچھ گرہ سے بھی نکالیں یا کم از کم کسی دوست ہی کی جیب پر ڈاکہ ڈالیں ۔ اگر آج " افکار " کا ہر قدردان " انقلاب " کا صرف ایک نیا خریدار بھی پیدا کردے تو خدا گواہ ہے لاکھوں خریدار مہیا ہوجائیں اور " انقلاب " "ٹائمز آف لندن " ہوتے ہوتے رہ جائے ۔ اگر کہیں ایسا ہوجائے تو ہم سات کروڑ مسلمانوں کے سامنے اپنے قارئین سے وعدہ کرتے ہیں کہ روزانہ " افکار " کے ایک کالم کی جگہ دو کالم لکھا کریں گے اور ہر " سنڈے ایڈیشن " میں ملا رموزی کا ایک پھڑکتا ہوا مضمون درج کیا کریں گے ۔ اگر قارئین کو یہ انتظام پسند ہو تو آج ہی سے اپنے دوستوں کے پیچھے بلائے بے درماں ہوکر پڑجائیں اور ان کو " انقلاب " کا خریدار بنا کر دم لیں اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ ملا رموزی تاقیامت سلامت باکرامت رہیں اور اپنے مطائبات و مضحکات سے فضائے ہند میں قہقہہ آفرینی کرتے رہیں تو دفتر کتابستان ' مزنگ لاہور " سے " نکات رموزی " منگایئے ۔ صرف ایک روپیہ قیمت ہے ۔ پسلیوں کا نقصان بذمہ خریدار ۔۔۔

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۲۲۷ ۔ سہ شنبہ ۔ ۳ اپریل ۱۹۲۸ء

(۳)

ضیاء الملک حضرت ملا رموزی مصنف " نکات رموزی " جو مبلغ ایک روپیہ میں کتابستان مزنگ (لاہور) کے پتے سے مل سکتی ہے ' ذیل کا مکتوب ارسال فرماتے ہیں :۔

مکرمی مدیر افکار سلامت :۔

یورپ میں پچھلے دنوں برنارڈشا انگلستانی کو یورپ کی ادب پرور اقوام نے کئی لاکھ روپیہ اس لئے انعام دیا کہ وہ ایک شگفتہ قلم ناولسٹ ہے ۔ فرانس کی ایک یونی ورسٹی نے گذشتہ ماہ مصر کے پروفیسر احمد صادی ادیب کو اعزازی ڈگری اس لئے عطا فرمائی کہ وہ اخبار " الاہرام " اور " السیاستہ " کے کام یاب بین الاقوامی مقالہ نگار ہیں۔ ان انعامات سے مذکورہ اشخاص کے حوصلے جیسے بلند ہوئے ہوں گے ' انہیں ادب اردو کے حامی خوب سمجھ لیں گے ۔

ان لوگوں کے مقابل میں نے سنا تھا یا سنا ہے کہ آپ کی بہار آرا و فردوس

Marfat.com

آفریں انشا پردازی کے صلے میں کسی ذی حوصلہ ہندوستانی نے آپ کو بھی ایک واٹرمین فونٹین قلم بطریق انعام عطا فرمایا تھا جسے آپ نے پوری "بداحتیاطی" کے ساتھ کھو دیا تھا، مگر وہ ایک سال کے بعد پوری وفاداری کے ساتھ پھر آپ کو مل گیا۔ (اس بیان میں صرف یہی بات غلط ہے کہ وہ قلم ہمیں کسی نے بطور انعام دیا تھا۔ باقی سب واقعات صحیح ہیں۔ مدیر افکار)

اب ادب اردو سے محبت رکھنے والے یہ سن کر خوش ہوں گے کہ کامل گیارہ برس مضمون نگاری کے بعد آج مجھ ایسے بھونڈے اور الجھے ہوئے اہل قلم کا ایک مضمون ملاحظہ فرما کر کان پور کے مشہور قومی محسن حضرت محمد بشیر صاحب بار ایٹ لا نے مجھے بھی ایک واٹرمین فونٹین قلم انعام کے طریق پر عطا فرمایا ہے جس کے لئے میں سراپا سپاس ہوں۔

حضرت محمد بشیر صاحب بار ایٹ لا کان پور نے اس انعام سے یہ ثابت کردیا ہے کہ ادب اردو کے غیرت مند اور ذی حس حامی یعنی سات کروڑ مسلمانان ہند اپنے نادر ارباب قلم کو ایسے انعامات سے بھی زندہ رکھ سکتے ہیں بشرطیکہ وہ (زندہ رہنا۔مدیر) چاہیں۔

کچھ دن ہوئے اخباروں میں یہ بحث چھڑی تھی کہ "موٹر" کو مونث کہیں یا مذکر جواباً کہا گیا تھا کہ اگر اس میں مرد بیٹھے ہوں تو مذکر کہو اور عورتیں ہوں تو مونث۔
اب میری معرفت میرے ایک دوست آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ذیل کے اخبارات کو ان کے ناموں کی نسبت سے مونث کہیں یا مذکر۔

اخبار "ریاست" اخبار "نئی دنیا" اخبار "خلافت" مثلاً کیا یوں کہہ سکتے ہیں کہ اخبار "ریاست" تصویریں عمدہ چھاپتی ہے۔ اخبار "نئی دنیا" فکاہات خوب لکھتی ہے اخبار "خلافت" چھوٹے کاغذ پر چھپتی ہے یا رسالہ "تجلی" دہلی سے نکلتی ہے (ملا رموزی)۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۲۹۔ چہار شنبہ۔ ۲۵ جولائی ۱۹۲۸ء

(۴)

حضرت ملا رموزی صاحب جو پنجاب میں آندھی کی طرح آئے اور بگولے کی طرح ہوا ہوگئے۔ اپنی ایک دلچسپ کتاب "عورت ذات" جس کے ساڑھے چار سو

Marfat.com

کے پتے سے مل سکتی ہے ' چھپوا کر ایسے ففرو ہوئے کہ " خط بھی نہ بھیجا رسید کا " ۔ ہم تو یہ توقع کئے بیٹھے تھے کہ ملا صاحب اگر مل کر نہ بھی گئے تو کم از کم ایک عدد " عورت ذات " حضرت حفیظ کو یہ کہہ کر دیتے جائیں گے کہ مدیر " انقلاب " کے پاس " بغرض ریویو " بھجوا دینا لیکن خدا جانے آپ کو یہ کیا سوجھی کہ ساری کی ساری کتاب ٹرنک میں بند کر کے ساتھ ہی لے گئے اور لطف یہ ہے کہ ایک آدھ مہینہ گزر جانے کے بعد بھوپال ہی میں بیٹھے بیٹھے " انقلاب " سے ناراض ہونے لگیں گے کہ کم بخت نے ہماری " عورت ذات " پر ریویو نہیں لکھا لیکن جب ہم نے اب تک " عورت ذات " کی شکل تک نہیں دیکھی تو ریویو کیا خاک لکھیں ؟ ۔۔۔

انقلاب ۔ جلد ۶ ۔ نمبرا ۔ چہار شنبہ ۱/۲ ۔ ۲۰ مئی ۱۹۳۱ء

(۵)

کسی گذشتہ " افکار و حوادث " میں ہم نے حضرت ملا رموزی سے شکایت کی تھی کہ وہ لاہور سے " عورت ذات " کو چھپوا کر اپنے ساتھ ہی لے گئے حالانکہ اسے ریویو کے لئے ہمارے پاس بھیجنا چاہئے تھا کیونکہ جب " عورت ذات " کو ہم نے دیکھا ہی نہیں تو ریویو کیا کریں گے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ملا صاحب کی سمجھ میں آگیا ہے کیونکہ انہوں نے " عورت ذات " ہمارے پاس بھیج دی ہے اور اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ " ۲۰ مئی کا " انقلاب " دیکھ کر دنیا سیاہ نظر آنے لگی کہ سالک ایسے بھائی کو " مطبوعہ شکایت " پیدا ہو گئی ۔

بات یہ ہے کہ ملا رموزی صاحب کو ایڈیٹر حضرات کی خدمت میں اپنی کتابیں " بغرض ریویو " بھیجنے کی عادت نہیں پڑی ' چنانچہ آپ نے سالک کو بھی انہی عام ایڈیٹروں میں شمار کر کے یہ توقع قائم کرلی تھی کہ وہ " عورت ذات " کو دیکھے بغیر ہی ریویو لکھ دے گا ۔ یہاں جب تک چیز کو ٹھوک بجا کر نہ دیکھ لیں ' قلم میں جنبش پیدا نہیں ہو سکتی ۔ ملا صاحب اپنے مکتوب محبت میں ہم سے یوں احسان جتاتے ہیں :۔

آپ ہی دنیا میں وہ پہلے ایڈیٹر صاحب ہیں کہ آپ کو کتاب " عورت ذات " رجسٹری کے ذریعے روانہ کر رہا ہوں اور قیمت کے لئے منہ سے اف نہیں کرتا ۔

تسلیمات عرض ۔ لیکن آپ ہی دنیا میں وہ پہلے مصنف ہیں کہ آپ کی کتاب "

Marfat.com

صفحات ہیں اور جس کی قیمت ساڑھے تین روپے ہے اور جو " ملا رموزی بھوپال "
عورت ذات " کے لئے مدیر " افکار " نے اپنا مطالبہ اخبار میں چھاپ دیا ' ورنہ ہم تو
بڑے بڑوں کی کتابیں اٹھا کر بالائے طاق رکھ دیتے ہیں ۔ قیمت ساڑھے تین روپے ۔
صفحے ساڑھے چار سو ۔ ملا رموزی بھوپال میں رہتے ہیں ۔ اللہ بس باقی ہوس ۔

انقلاب ۔ جلد ٦ ۔ نمبر ٨ ۔ پنج شنبہ ۔ ۲۸ مئی ۱۹۳۱ء

Marfat.com

سیماب اکبر آبادی اور ساغر نظامی

خدا جانے وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جب ہمارے دوست حضرت سیماب اکبر آبادی اور جناب ساغر سیمابی نے ابنائے وطن کی ناقدردانی سے ملول ہوکر بلدہ مینو سواد اکبر آباد سے ہجرت کی ٹھہرائی تھی کہ اس کے بعد سیماب وار کہیں قرار ہی نصیب نہ ہوا ۔ سبدوش اور " پیانہ " بدست لاہور تشریف لائے ۔ امید یہ تھی کہ صہبائے ادب کے سرشار پنجابی " ساغر و پیانہ " کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور چونکہ شاعر بننے کا شوق یہاں ہر ایک کو ہے اس لئے اجرتی غزلیں بھی خوب لکھوائی جائیں گی لیکن پنجابیوں کی مسلمہ کور ذوقی کو کیا کیجئے کہ انہوں نے نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا ۔ ناچار یہاں سے بادل ناخواستہ رخت سفر باندھا اور آگرہ اور علی گڑھ میں جاکر " پیانہ " اور " ثریا " کی داغ بیل از سرنو ڈالی ۔ داناؤں نے کہا ہے کہ آزمودہ را آزمودن جہل است ' چنانچہ ایک ہی دو مہینے میں ثابت ہوگیا کہ یہ تازہ حرکت سچ مچ جہل ہی تھی ۔

اس کے بعد اس " ادیبوں کی جوڑی " نے اس خیال سے دہلی کا رخ کیا کہ بادشاہی شہر ہے شاید غدر کے بقیتہ السیف قدردانوں میں سے کوئی زندہ ہو جو کمالات سخن کی قدر کر سکے لیکن تازہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابراہیم ذوق کے وطن سے بھی ذوق سلیم رخصت ہوچکا ہے ۔

جب سے یہ دونوں حضرات دہلی میں وارد ہوئے ہیں ' ان کے ورود نے "فتنہ توارد" کی صورت اختیار کرلی ہے چنانچہ چند دلچسپ توارد ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

سب سے پہلا توارد دہلی کے ایک نہایت کہنہ مشق شاعر اور حضرت سیماب کے درمیان واقع ہوا ۔ یعنی جناب ساغر کے متعلق دونوں حضرات کے جذبات نے ایک ہی نوعیت اختیار کرلی ۔

دوسرا توارد سائن بورڈوں کی صورت میں نمودار ہوا ۔ ایک پر لکھا ہے " دارا لتصنیف ' قصر الادب " زیر سرپرستی علامہ سیماب اکبر آبادی " اور دوسرے پر " دارا لتصنیف ' قصر الکتابت " کے عنوان درج ہیں ۔ پہلے قصر کا کرایہ پندرہ روپے ماہوار ہے اور دوسرے کا آٹھ روپے ماہ وار ۔ جھونپڑی میں رہنا اور محلوں کے خواب دیکھنا اسی کو کہتے ہیں ۔

Marfat.com

تیسرا توارد جناب سیماب ساغری اور جناب ساغر سیمابی کے درمیان رونما ہوا۔ حضرت سیماب دفتر " ریاست " میں بحیثیت مترجم ملازم ہو کر تشریف لائے تھے اور جناب ساغر نے حضرت ممدوح الصدر کے " مستقل مہمان " کی حیثیت سے " قصر الادب " ہی میں اپنی چارپائی ڈال لی تھی لیکن ایک ہی ماہ کے بعد جناب سیماب " ہندوستان کے شاعر اعظم " ہونے کے باوجود "ریاست" میں کامیاب نہ ہوسکے اور علیحدہ کردئے گئے۔ اب دونوں بیکار ڈنڈے بجاتے پھرتے ہیں۔ بقول شخصے " ننگوں نے بھوکوں کو لوٹ لیا "۔

چوتھا توارد نہایت دلچسپ ہے۔ یہ حضرت سیماب اور جناب عزیز حسن بقائی مدیر " پیشوا " کے درمیان واقع ہوا۔ ایک " مرغ زریں " قصر الادب کے خوش نما قفس میں اسیر کیا گیا اور "پیانہ" کو از سرنو گردش میں لانے کی جدوجہد شروع کی گئی یہاں تک کہ مضامین فراہم کرلئے گئے۔ کتابت شروع کرا دی گئی۔ خریداروں کے نام اپیل شائع کردی گئی اور علامہ سیماب " پیانہ " کا ڈیکلریشن داخل کرنے کے لئے عدالت میں تشریف لے گئے۔

درخواست پیش ہوئی مگر سیماب صاحب کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہیں معلوم ہوا کہ پندرہ منٹ پہلے اسی نام کے رسالے کا ڈیکلریشن جناب عزیز حسن بقائی نے داخل کردیا ہے اور اب اس نام کا کوئی رسالہ دہلی سے نہیں نکل سکتا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

بقائی صاحب جناب ساغر کو " خیام العصر خالق جذبات " لکھا کرتے ہیں اور ان کے صوفی بھائی بھی ہیں۔ خدا جانے انہیں یہ کیا سوجھی کہ دہلی میں " پیانے " کی اشاعت ہی کا سدباب کردیا۔ بھئی سچ یہ ہے کہ ان دلی والوں سے خدا بچائے۔

لگے ہاتھوں ایک اور توارد کا قصہ بھی سنتے جایئے۔ حضرت عزیز لکھنوی کا دیوان " گل کدہ " ۱۹۱۸ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے صفحہ ۵۶ پر ۷ اکتوبر ۱۹۱۱ء ہی کی لکھی ہوئی ایک غزل درج ہے، جس کا مطلع یہ ہے۔

حقیقت میں جو سیر عالم ایجاد کرتے ہیں
وہ ہر ذرے میں اک دنیا نئی آباد کرتے ہیں

لیکن حال ہی میں ایک صاحب حضرت ارشاد شاہ جہاں پوری نے یہی غزل دہلی

Marfat.com

کے ایک خاص مشاعرے میں اپنی کہہ کر سنا دی ۔ اس "چوری اور سینہ زوری" پر حضرت اکبر حیدری نے مشاعرے ہی میں اعلان کردیا کہ "یہ غزل حضرت عزیز لکھنوی (کی) ہے"[۲۲]

حضرت سائل دہلوی "جانشین و جانشین گر جانشینان داغ" اور حضرت سیماب اکبر آبادی دونوں "داغی" شاعر ہیں ۔ یعنی انہیں حضرت فصیح الملک مرحوم سے شرف تلمذ حاصل ہے اور سنا ہے کہ حضرت ارشاد شاہ جہاں پوری بھی ان کے "داغی" بھائی ہیں ۔ یہی وجہ تھی کہ اول الذکر دونوں بزرگ اپنے خواجہ تاش کی حمایت میں حضرت اکبر حیدری سے الجھ پڑے ۔ اگرچہ ڈاکٹر سعید احمد بریلوی ' جناب محمود اسرائیلی ' جناب آثم ' جناب تائب ' جناب ماہر ' جناب مہر دہلوی اور جناب فانی لدھیانوی نے حضرت اکبر کی تائید کی لیکن "سرقہ" اور "توارد" کا فرق ظاہر نہ ہوسکا اور مشاعرہ برخاست کردیا گیا ۔

مصرعے تو لڑ جایا کرتے تھے ' پوری غزلوں کا لڑ جانا آج ہی سنا ۔ کیا عجب ہے کہ کل کو حضرت ارشاد کا سارا دیوان ہی "گل کدہ" سے لڑ جائے ۔ حضرت عزیز کو جلد سے جلد اپنے کلام کی رجسٹری کرانی چاہئے ۔ احباب دہلی سے گزارش ہے کہ اگر ان دنوں کوئی اور "توارد" واقع ہوا جو ہمارے علم میں نہ آیا ہو تو ازراہ نوازش لکھ بھیجیں ۔ قارئین "افکار" منتظر رہیں گے ۔

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۶۳ ۔ سہ شنبہ ۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۲۷ء

(۲)

۲۰ ستمبر کے "انقلاب" میں حضرت سیماب اکبر آبادی کے متعلق نامہ نگار دہلی کی بہم پہنچائی ہوئی جو اطلاعات شائع کی گئیں ان پر مولانا ممدوح اس قدر چراغ پا ہوئے ہیں کہ الہیٰ توبہ کل آپ کا ایک گرامی نامہ مدیر "افکار" کے نام موصول ہوا جس میں آپ نے "افکار" کی قلقل آمیزی کے باعث دامن متانت کو ہاتھ سے چھوڑ کر جو "رقص عریاں" فرمایا ہے ۔ اس کی داد قارئین "پیمانہ" کے سوا کوئی نہیں دے سکتا کہ اس "ادب عالیہ" کی قدر دانی کی توفیق صرف اسی "طائفہ مقدسہ" کو دی گئی ہے ۔ مولانا نے ہمیں جی بھر کے گالیاں دینے کے بعد نامہ نگار دہلی کی اطلاعات کی تردید کی ہے ۔ مختصراً اس تردید کی پانچ شقیں ہیں ۔

Marfat.com

اول -- ہمارا لاہور سے آگرہ واپس چلے آنا اہل پنجاب کی کور مذاقی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اس کی وجہ خرابی صحت تھی۔

دوم --- یہ غلط ہے کہ دہلی نے ہماری نوازش نہ کی۔

سوم --- دارالتصنیف کے سائن بورڈ پر صرف "دارالتصنیف" اور میرا نام درج ہے۔ "قصر الادب" بدستور آگرہ میں موجود ہے۔ "مچھلی والوں" میں "دارالکتابت" کا ایک بوسیدہ سائن بورڈ ضرور لگا ہوا ہے لیکن اس پر "دار تصنیف" کہیں لکھا ہوا نہیں ہے۔

چہارم --- میں دفتر "ریاست" سے نکالا نہیں گیا' خود مستعفی ہوا ہوں۔ یقین نہ ہو تو سردار دیوان سنگھ سے پوچھ لیجئے۔

پنجم -- "پیمانہ" کو دہلی سے شائع کرنے کا ارادہ اب بھی بدستور ہے لیکن یہ غلط ہے کہ "مضامین فراہم کرلئے گئے' کتابت شروع کرا دی گئی اور خریداروں کے نام اپیل شائع کردی گئی۔" اگر آپ کے نامہ نگار ان باتوں کو ثابت کردیں تو ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ ان شقوں کے متعلق ہماری معروضات یہ ہیں۔

اول -- آپ کا شکریہ ہے کہ آپ نے اہل پنجاب کو کور ذوقی کے الزام سے بچا لیا' ورنہ وہ غریب کہیں کے بھی نہ رہتے۔ خدا کرے کہ اب دہلی سے آگرہ واپس جانے کی وجہ بھی "خرابی صحت" ہی ہو تاکہ اہل دہلی بھی کور ذوق قرار نہ پائیں۔

دوم --- دعویٰ بلا دلیل اعتبار سے ساقط ہے

سوم --- مانا کہ نامہ نگار کی اطلاع حرف بحرف صحیح نہیں لیکن آخر کچھ نہ کچھ بات تو ہے۔ "دارالتصنیف" کے مقابلے میں "دارالکتابت" کا وجود تو ثابت ہوگیا۔

پنجم --- اجی مولانا! یہ کونسا توہین آمیز الزام ہے جس کے رفع کرنے کے لئے آپ اپنے پسینے سے کمایا ہوا ایک ہزار روپیہ کنویں میں پھینکنے پر آمادہ ہوگئے۔

کاش مولانا سیماب اخبار نویس ہوتے اور انہیں معلوم ہوتا کہ اس تردید سے ان کی "پوزیشن" اور بھی زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ اب جو قارئین "انقلاب" ۲۰ ستمبر کا پرچہ اٹھا کر پڑھیں گے، تو انہیں معلوم ہوجائے گا کہ جن "تواردات" کی تردید مولانا نے نہیں فرمائی وہ فی الحقیقت واقع ہوئے ہیں۔

"ایک کہنہ مشق شاعر کے جذبات" "قصر کا کرایہ ماہوار" "مرغ زریں کی

Marfat.com

اسیری " ڈیکلریشن میں بقائی صاحب کی سبقت " " ارشاد شاہ جہاں پوری کی چوری " ۔ غرض بے شمار معاملات ہیں ' جن پر حضرت علامہ سیماب نے سکوت فرمایا ہے ۔ گویا ان پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے ۔

علامہ سیماب نے اپنے دہلوی دوستوں کے متعلق محولہ گرامی نامے میں جو فصاحت و بلاغت صرف کی ہے ' وہ چونکہ " ہندوستان کے شاعر اعظم " کے رشحات خامہ سے ہے ' لہٰذا اس کے چند نمونے تبرکاً " ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ۔ ہمیں یقین ہے کہ حضرت اکبر حیدری اور مدیر " پیشوا " اور دوسرے ادبائے دہلی اس سے بطور خاص لذت اندوز ہوں گے ۔

" لغویت ' افترا ' سفاہت ' رکاکت ' کے فیاضانہ استعمال کے بعد آخر میں آپ پکے ہوئے پھوڑے کی طرح بہے ہیں ۔ مواد ملاحظہ ہو :۔

مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ سراپا غلط اطلاعیں آپ کو ان منافق ' حاسد اور "نامعقول حضرات" (سبحان اللہ ' کیا ترکیب ہے) کی طرف سے پہنچی ہیں ' جنھیں ہمارا دہلی آنا ناگوار گزرا ہے ۔ جو بظاہر ہمارے دوست ہیں اور جو چاہتے ہیں کہ دہلی میں تنہا کوس لمن الملک بجا کر اپنی جہالت سے لوگوں کو مرعوب کرتے رہیں لیکن اگر خدا کو منظور ہے تو ان کا یہ خبیث ارمان کبھی پورا نہ ہوگا ۔ اور ہم لوگ خدا کی حمایت میں ہمیشہ مقابلتاً سرخ رو اور کامیاب ہوں گے "۔

اللہ اللہ ! دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنھوں نے ادب و انشا کو بھی اپنے لئے وبال جان بنا رکھا ہے ۔ جہاں جاتے ہیں ' دشمن تو دشمن ہیں ' دوست بھی دشمن بن جاتے ہیں ۔ کاش مولانا سیماب اور عزیزی ساغر کبھی ٹھنڈے دل سے ان حالات کے وجوہ پر غور فرماتے ۔ ہمارے نزدیک تو صرف دو سبب ہیں ۔ اول ' مہمل نویسی کو ادب قرار دینا ۔ دوم ' تفاخر و تبجز ۔ اگر برخود غلط حضرات ("نامعقول حضرات" کی اچھوتی ترکیب سے تو بہتر ہے) انہی دو باتوں کو چھوڑ دیں تو آخر اچھے خاصے انسان ہیں ' ان سے ملنا کون پسند نہ کرے گا ۔

رہا آپ کا " خدا کی حمایت پر بھروسہ " تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ چور بھی چوری کرنے جاتا ہے تو خدا کے ہی بھروسے پر گھر سے نکلتا ہے ' آپ تو پھر اللہ کے فضل سے بہت بڑے شاعر ہیں ۔

Marfat.com

انقلاب - جلد ۲ - نمبر ۶۸ - یک شنبہ - ۲۵ ' ستمبر ۱۹۲۷ء - سنڈے ایڈیشن

(۳)

۲۵ ستمبر کے " انقلاب " میں مولانا سیماب اکبر آبادی نے چیلنج دیا تھا کہ اگر کوئی شخص یہ ثابت کردے کہ مولانا نے " پیانہ " کے لئے مضامین فراہم کر لئے تھے ' کتابت شروع کرا دی تھی اور خریداروں سے اپیل بھی کردی تھی تو اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔

اس چیلنج کے جواب میں حضرت اکبر حیدری کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا ہے جس میں آپ لکھتے ہیں کہ " جناب سیماب کرم فرما کر یہ ایک ہزار روپے کی رقم امپریل بنک دہلی میں جمع کرا دیں اور رسید مدیر " افکار و حوادث " کی خدمت میں ارسال کردیں - اس رسید کے وصول ہوتے ہی تمام ثبوت " انقلاب " میں جمع کرا دئے جائیں گے اور یہ تمام رقم کسی قومی ضرورت پر صرف کردی جائے گی " -

حضرت اکبر لکھتے ہیں کہ " اگر سیماب صاحب کا یہ دعویٰ بھی ایسا ہی نقش بر آب ہے جیسا ان کا " شیخ صدیقی " " علامہ " اور " ہندوستان کا شاعر اعظم " ہونا تو میں ان کے اس " شاعرانہ مبالغہ " اور اظہار تمول کو نظر انداز کر کے ایک ایسی شرط پیش کرتا ہوں جس کی تکمیل ان کے لئے اتنی مشکل نہیں جتنا ایک ہزار روپیہ فراہم کرنا " -

خالق جذبات جناب ساغر نظامی (جواب سے دس سال پہلے اس خطاب کے زیادہ مستحق تھے) آج کل جناب سیماب کے شریک زندگی ہیں - وہ آج سے دو ہفتہ کے اندر اندر تین حضرات کی نگرانی میں تین دن تک تین تین گھنٹے روزانہ صرف کر کے تین مختلف عنوانوں پر نظمیں لکھ دیں - یہ نظمیں تین باکمال سخن فہموں کی خدمت میں پیش کردی جائیں - اگر یہ تینوں حضرات بالا تفاق یہ فیصلہ کردیں کہ ان نظموں کا معیار ہر پہلو سے ان نظموں کے مطابق ہے جو " پیانہ " اور دیگر ادبی رسائل میں جناب ساغر کے نام سے شائع ہوئی ہیں تو حضرت اکبر حیدری وعدہ کرتے ہیں کہ " میں ایک ہزار روپیہ انعام حاصل کرنے کے بجائے اسی پر مطمئن ہوجاؤں گا اور " پیانہ " کے متعلق جو کچھ لکھا گیا تھا ' اس کا ثبوت پیش کردوں گا " -

دہلی سے چند اور مراسلتیں بھی موصول ہوئی ہیں جن میں مولانا سیماب کے

Marfat.com

خلاف شکایتیں کی گئی ہیں ۔ سب سے زیادہ خوف ناک شکایت یہ ہے کہ مولانا نے دہلی کے بعض آریہ سماجی اخباروں کو ایسی نظمیں لکھ کردی ہیں جن میں اسلام پر حملے کئے گئے ہیں ۔ سنا ہے کہ وہ نظمیں ان اخباروں میں گم نام شائع ہوئی ہیں اور دہلی کے واقف کار طبقوں میں اسلام فروشانہ حرکت کا بہت چرچا ہورہا ہے ۔ کس قدر رنج و افسوس کی بات ہے کہ مسلمان شعرا محض چند پیسوں کی خاطر ایمان فروشی اور ضمیر فروشی کریں ۔ سیماب صاحب کو چاہئے کہ اس معاملے میں جلد سے جلد حقیقت کو واضح کردیں تاکہ چہ می گوئیوں کا سلسلہ بند ہو ۔ اگر آپ نے اس افواہ کی تردید نہ کی تو یہ صحیح سمجھی جائے گی ۔۔۔۔

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۴۷ ۔ یک شنبہ ۔ ۲ اکتوبر ۱۹۲۷ء ۰ سنڈے ایڈیشن

(۴)

" ایجوکیشنل گزٹ " جالندھر (جون ۱۹۳۰ء) کے صفحہ ۴۵ پر جناب ساغر نظامی کی ایک نظم شائع ہوئی ہے ۔ کچھ مدت سے زبان اردو میں اس قسم کی بہت سی نظمیں لکھی جارہی ہیں لیکن بعض شعرا یہ نہیں سمجھتے کہ چھوٹی بحریں اچھی اور ترنم خیز نظم لکھنے کے لئے بہت بڑی قادر الکلامی چاہئے ۔ وہ نہایت پست اور لچر خیالات کو بھونڈے اور پھیکے لفظوں میں نظم کردیتے ہیں اور بزعم خویش قاآنی کا مقابلہ کرتے ہیں ۔ مثلاً ساغر صاحب کی مذکورہ بالا نظم کا ایک بند ملاحظہ فرمائیے ۔

جو کام ہے کرنے کا　　　کتنا ہی گراں تر ہو
ہے آج کا دن اچھا　　　کل ابر گھرا ہوگا
پرسوں یہ اجارہ ہوگیا (؟)　　　وہ کام ابھی کرلے

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بند میں شاعر نے کونسے حقائق ' فلسفہ اخلاق بیان فرمائے ہیں اور کونسی شعریت پیدا کی ہے چند بے معنی الفاظ کا ایک بے معنی مجموعہ ہے جس سے اس کے سوا اور کچھ مترشح نہیں ہوتا کہ جناب ساغر ٹھنک ٹھنک کر مولانا سیماب سے فرما رہے ہیں کہ ۔

وہ کام ابھی کرلے　　　ہے آج کا دن اچھا
کل ابر گھرا ہوگا

دوسرے بند میں یہ " جدت " پیدا کردی ہے کہ " کام کرنے " کے بجائے گیت

Marfat.com

گانے کا ذکر فرما دیا ہے۔ مثلاً۔

جو گیت کہ ہے گانا وہ گا کے کہیں جانا
وہ گیت ابھی گا لے

نغمات کا ہنگامہ چڑیوں کی طرح پھیلا
چھیڑ ایک نیا نغمہ وہ گیت ابھی گا لے

سبحان اللہ ! کیا بلند پروازی ہے اور کیا معنی آفرینی ہے لیکن نغمات کے ہنگامے کا " چڑیوں کی طرح " پھیلنا ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ کیا ساغر صاحب کے نزدیک چڑیوں کو پھیلنے کے فن میں کوئی خاص مہارت حاصل ہے ؟

ہاں ! اب سمجھ میں آیا یہ " پھیلا " ماضی مطلق نہیں۔ بلکہ غالباً " پھیلانا " مصدر سے امر ہے اور مطلب یہ ہے کہ " اے شاعر کے مخاطب کوے یا طوطے ! تو اپنے نغموں کا ہنگامہ چڑیوں کی طرح پھیلا دے "۔ واہ صاحب واہ ! آپ تو فن شعر کے علاوہ منطق الطیر کے بھی بڑے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔

تیسرا بند بھی اللہ کے فضل سے " مطالب عالیہ اور افکار عمیقہ " کا پلندا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اک بات تجھے کہنی ہے آج بہت اچھی
وہ بات ابھی کر لے

کل سے تجھے کیا مطلب کرنا ہے جو کچھ کر اب
بچھڑے گی یہ محفل سب وہ بات ابھی کر لے

اگر یہی شاعری ہے اور اسی کا نام نظم ہے تو ہم دن بھر میں اس قسم کی چالیس پچاس نظمیں کہہ دینے کے لئے تیار ہیں۔ اردو پر ساغر صاحب کا بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے شاعری کو اس قدر آسان کر دیا لیکن ہم آپ سے یہ گزارش ضرور کریں گے کہ۔

اے ساغر سیمابی اچھی نہیں قصابی
تو شعر نہ لکھا کر

سیماب کے پیمانے سیماب کا پیارا بن
سیماب کا پیارا بن اور انجمن آرا بن

Marfat.com

اک بات کہوں تجھ سے　　اک بات مری سن لے
تو شعر نہ لکھا کر　　اے ساغر سیمابی!

انقلاب ۔ جلد ۵ نمبر ۳۶ ۔ چہار شنبہ ۔ ۱۶' جولائی ۱۹۳۰ء

(۵)

پادش بخیر حضرت سیماب اکبر آبادی (وہی ساغر سیمابی والے) جو اپنے "مداح محبوب" کے قول کے مطابق "ہندوستان کے شاعر اعظم" ہیں' غزل و نعت کے علاوہ سلام و مرثیہ میں بھی طبع آزمائی فرمایا کرتے ہیں ۔ چنانچہ کلکتہ کے ایک اخبار میں آپ کا ایک سلام شائع ہوا ہے' جس کا مطلع ملاحظہ ہو ۔

مجرئی ساقی کوثر کو نہ پہنچا پانی　　پانی پانی ہے ندامت سے ہر اک جاپانی

اول تو حضرت امام حسین علیہ السلام کو "ساقی کوثر" کہنا روایات کے خلاف ہے کیونکہ عامہ مسلمین کے نزدیک "ساقی کوثر" جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے اور حضرات شیعہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کو بھی "ساقی کوثر" لکھ دیا کرتے ہیں لیکن اگر یہ لقب شہید کربلا کا بھی تسلیم کر لیا جائے تو خدا کے لئے سیماب صاحب ہمیں بتائیں کہ امام عالی مقام کو پانی نہ ملنے کی وجہ سے جاپانیوں کو ندامت کیوں ہوئی ؟ کیا یزید کے لشکر میں کچھ جاپانی سپاہی بھی تھے ؟ آپ ہی نے فرمایا ہے ۔ ع

پانی پانی ہے ندامت سے ہر اک جاپانی

آج معلوم ہوا کہ کربلائے معلی عراق میں نہیں بلکہ جاپان میں واقع ہے اور یزید اس زمانے کے مکاڈو کا نام ہے ....

انقلاب ۔ جلد ۶ ۔ نمبر ۱۱ ۔ سہ شنبہ ۔ ۲ جون ۱۹۳۱ء

(۶)

چند روز ہوئے ہم نے سیماب صاحب کے اس مصرع پر کہ

پانی پانی ہے ندامت سے ہر اک جاپانی

یہ لکھا تھا کہ آخر جاپانی کیوں ندامت سے پانی پانی ہو گئے ۔ ظاہر ہے کہ یہ شاعر کی بے ہنری اور بد ذوقی پر ایک طنز آمیز بذلہ سنجی تھی اور یہ کہنا مقصود تھا کہ الفاظ کی ترتیب شعر میں ایسی ہونی چاہئے جس سے ذم کا پہلو پیدا نہ ہو یا کوئی ایسے

Marfat.com

مطالب مترشح نہ ہو سکیں جو شعر کے مطلب کو بگاڑ دیں۔

لیکن لکھنؤ کے ایک لال بھکڑ اخبار نویس نہایت استادانہ انداز سے ہمیں یہ سمجھانے بیٹھے ہیں کہ " نقادی کوئی آسان کام نہیں ۔ تم مصرع کو سمجھے ہی نہیں ۔ اجی ! اس مصرع کا مطلب یہ ہے کہ ہر جگہ کا پانی ندامت سے آب آب ہو رہا ہے " ہر اک جا " کے معنی ہیں ہر جگہ نہ کہ " جاپانی "

اس انداز خیال سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ جاہل آدمی دوسرے شخص کو بھی جاہل ہی سمجھتا ہے ۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے ' لکھنؤ کے ایک مقتدر مرثیہ گو منبر پر اپنا کلام سنانے آئے ۔ ایک رباعی پڑھی جس کا ایک مصرع یوں تھا ۔ ع

جورو پہ چڑھاوہ تہ شمشیر ہوا

ایک آزاد منش نے پکار کر کہا ۔ " واہ میر صاحب ! کیا جورو پہ چڑھا ہے ۔ سبحان اللہ " میر صاحب فوراً اپنی غلطی اور ذم کے پہلو پر متنبہ ہو گئے اور دوبارہ اس مصرع کو یوں فرمایا ۔ ۔

جو منہ پہ چڑھا وہ تہ شمشیر ہوا

اگر ہمارے لال بھکڑ اخبار نویس اس محفل میں موجود ہوتے یا خود ہی مرثیہ پڑھ رہے ہوتے تو فی الفور معترض کو سمجھانے بیٹھ جاتے ۔ " دیکھو میاں ! نقادی آسان کام نہیں ۔ تم سمجھے نہیں ۔ رو ایک فارسی لفظ ہے جس کے معنی منہ یعنی چہرے کے ہیں ۔ " رو پہ چڑھنا " یا ' منہ چڑھنا " محاورہ ہے جس کے معنی ہیں " سامنے آنا ' بالمقابل آنا " نہ کہ جورو اور بیوی اوز لگائی ۔ "

ہائے لکھنؤ ! کبھی تیری ذکاوت حس اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ذرا سا تنافر یا ذرا سا ذم کا پہلو بھی تیری طبع نفیس پر بار ہوتا تھا ۔ آج یہ حالت ہے کہ تیرے انشا پرداز اور اخبار نویس اس حد تک ذوق ادب سے محروم ہو چکے ہیں کہ اعتراض اور طنز اور بذلہ میں بھی تمیز نہیں کر سکتے اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ صرف نقادی کے دعوے دار ہی نہیں بلکہ نقادی سکھانے کی بھی جرات کرتے ہیں ۔

مدار روزگار سفلہ پرور راتما شاکن

انقلاب ۔ جلد ۰۶ نمبر ۱۸ ۔ چہار شنبہ ۔ ۱۰ جون ۱۹۳۱ء

Marfat.com

(۷)

یاوش بخیر۔ نائی منڈی (آگرہ) کے رہنے والے خلیفہ آشک حسین المتخلص بہ پارہ (سیماب) کو مدت سے مدیر "افکار" کا تختہ مشق بننے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ کیا کریں، سیاسیات کی مکروہات فرصت ہی نہیں لینے دیتیں، ورنہ جی تو یہ چاہتا ہے کہ دن رات سیماب و ساغری کا تذکرہ رہے کہ۔

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

پچھلے دنوں اپنے ملا رموزی صاحب جو آج کل "عورت ذات" کی تجارت کر رہے ہیں، لاہور میں وارد ہوئے تو چونکہ وہ بھی ہماری طرح اور حفیظ جالندھری کی طرح اور دنیا کے ہر شریف انسان کی طرح بارگاہ سیمابی اور سرکار ساغری کے معتوب ہیں، اس لئے بنحوائے۔

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے تین

"ذکر حبیب" کی اس قدر فراوانی رہی کہ "وصل حبیب" کا مزا آگیا۔

آج ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن کراچی کے بعض "ستم رسیدہ" ارکان کی طرف سے ایک مراسلت موصول ہوئی ہے جس میں مدیر "افکار" اور ملا رموزی کی دہائی دی گئی ہے اور لکھا ہے کہ "نائی کی منڈی والے نے کراچی کے بعض بے گناہوں کا سر مونڈنا شروع کر دیا ہے۔ خدا کے لئے ہماری فریاد رسی کیجئے۔"

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اپریل میں سندھ پراونشل اردو کانفرنس منعقد ہونے والی تھی جس کی صدارت کے لئے بعض اکابر کی طرف سے مایوس ہو کر سندھی "عالم بالا کے سخن فہموں" نے خلیفہ پارہ کو دعوت صدارت دے دی کہ ع

گندم اگر بہم نرسد بھس غنیمت است

بس پھر کیا تھا اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ جھٹ پٹ راضی ہو گئے، مگر ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ ڈیڑھ سو روپیہ چہرہ شاہی دائیں ہاتھ سے "بذریعہ تار" بھیج دیجئے۔ (غالباً اس لئے کہ سارنگی والے اور پکھاوجی کو "سائیاں" دے دی جائیں اور پیشواز وغیرہ درست کرا لی جائے۔

آپ جانئے سخن فہمی اور شے ہے اور تونگری چیزے دیگر۔

جاں می طلبی مضائقہ نیست زری طلبی سخن درین است

کراچی کے اردو پرستوں نے بر سبیل تنزل خلیفہ پارہ کی صدارت گوارا کر لی

Marfat.com

تھی ' ورنہ وہ کچھ ایسے " سیماب پرست " تو تھے نہیں ۔ جب انھوں نے یہ مطالبہ دیکھا جو فی الحقیقت نہایت حیرت انگیز اور خیرہ چشمانہ تھا ' تو وہ جی میں کہنے لگے کہ اس سے تو کسی اچھے گانے والی رنڈی کو بلا لینا بہتر ہو گا جو داغ کی چار غزلیں دس ہزار آدمیوں کے مجمع میں گا کر زبان اردو کی وہ خدمت انجام دے دے کہ خلیفہ پارہ کے دس احمقانہ خطبات صدارت سے بھی بن نہ آئے چنانچہ ان غریبوں نے جواب میں لکھ دیا کہ حضرت ہم اس صدارت سے باز آئے ۔ بخشو بی بلی چوہا لنڈورا ہی جئے گا ۔

خلیفہ پارہ نے جب یہ جواب پڑھا تو آپ نائی کی منڈی کے تھرما میٹر میں کھولاؤ کے درجے تک چڑھ گئے ۔ مثل مشہور ہے کہ "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" چنانچہ جب کانفرنس کی روداد شائع ہوئی تو آپ نے کھسیانے ہو کر کراچی کے دو شاعروں کا "کھمبا نوچنا " شروع کر دیا ' جن میں ایک تو دور حاضر کے مرزا پھویا نزاکت پناہ پیر زادہ انعام الحق انعام گنگوہی تھے اور دوسرے میر مشاعرہ نواب میر ایوب خاں جو سندھی ہونے کے باوجود اردو میں نہایت صاف ستھرا شعر لکھتے ہیں ۔ آپ نے نائی کی منڈی کی رعایت سے ان شعرا کے کلام پر " اصلاح " دینی شروع کر دی ۔ یعنی صدارت سے محرومی کا غصہ ان بے گناہوں پر اتارنے لگے ۔

سنا ہے کہ جناب ساغر آج کل بیمار ہیں ۔ (اللہ تعالیٰ انھیں شفائے عاجل عطا فرمائے ۔) اس کے علاوہ وہ کچھ مدت سے نہرو رپورٹ کی طرح " زائد المیعاد " بھی ہو چکے ہیں اور یہ بھی سنا ہے کہ بارگاہ سیمابی میں اب ساغر کی جانشینی کا شرف کراچی ہی کے ایک نوخیز شاعر کو حاصل ہوا ۔

یعنی ساغر نوشی سے بڑھ کر اب آپ نے سمندر کے کنارے کی " ابلق پری " سے دل لگایا ہے اور یہ غالبا " وارثی " کے بجائے اب " صابری " بن گئے ہیں کہ اپنے نئے منظور نظر کو شاد کرنے کے لئے اس کے ارشاد کے مطابق کراچی کے شعرا کو رگیدنا شروع کیا ہے ۔ کراچی کے " مظلوم " شعرا کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ خلیفہ پارہ کا آپ کے خلاف لکھنا آپ کے لئے نشان کمال اور تمغائے شرافت ہے کیونکہ ہندوستان بھر میں کوئی صاحب کمال اور کوئی شریف آدمی ان " ادبی شہدوں " کے حملوں سے محفوظ نہیں ہے ۔ آپ ذرا اپنے عمل کا احتساب بھی تو کیجئے ۔ آخر

Marfat.com

خلیفہ پارہ کون سے عالی پایہ ادیب تھے کہ آپ کی نظر انتخاب ان پر جا پڑی ؟
یوپی شعرا کا مسکن ہی سہی لیکن کیا "کابل میں گدھے نہیں ہوتے" ؟ دہلی ' آگرہ اور لکھنؤ کا ہر تک بند تو اس قابل نہیں کہ ادبی اجتماعات میں میر مجلس بنا کر بٹھا دیا جائے ؟ آپ نے ایک "ادبی جرم" کیا تھا جس کی آپ کو سزا مل رہی ہے ۔
ملا رموزی ادبی دنیا کے کوتوال ہی سہی لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ ایک دفعہ ان ادبی شہدوں کے شہد پن نے ایسی صورت حالات پیدا کر دی تھی کہ اگر صاحب زادگان والا تبار بھوپال کی نوازش شامل حال نہ ہوتی تو حضرت ملا صاحب پٹ پٹا کر کسی ہسپتال میں لیٹے ہوئے "ملا رموزی کے سرخ زخموں" پر "گلابی اردو" فرما رہے ہوتے لیکن ملا صاحب کا قلم تو کسی سے پٹ نہیں سکتا ' وہ برابر رواں دواں ہے اور ممکن ہے آپ کے اس رپٹ لکھوانے پر ملا صاحب پھر ایک دفعہ "اپنی کوتوالی" کی شان دکھا دیں ۔ ہم بھی آپ کی سفارش کرتے ہیں ۔

انقلاب ۔ جلد ۶ ۔ نمبر ۱۶ ۔ یک شنبہ ۔ ۷ جون ۱۹۳۱ء ۔ سنڈے ایڈیشن

(۸)

آگرہ کے ادبی شہدوں کے پیرو مرشد جناب علامہ "پارہ" صاحب نے اپنے ہفتہ وار چیتھڑے "تاج" میں ایک نظم لکھی ' جس کا مفاد یہ تھا کہ عبد المجید سالک اور غلام رسول مہر کے ناموں میں جزو اول چونکہ "عبد" اور غلام" کے لفظ ہیں ' لہٰذا یہ دونوں فطری غلام ہیں اور غلامی کی تعلیم دیتے ہیں ۔
سبحان اللہ ! کیا نکتہ پیدا کیا ہے ۔ اگر آج مرزا داغ زندہ ہوتے تو اپنے لائق شاگرد کی اس نکتہ آفرینی پر زور دیتے ۔ سب سے پہلے تو ہم مولانا پارہ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ کو آزادی و غلامی کی بحث سے کیا واسطہ ہے ؟ آپ کہاں کے "رئیس الاحرار" ہیں جو ہم کو "غلامی و عبدیت" کے طعنے دیتے ہیں "باپ نہ مارے پدڑی اور بیٹا تیر انداز" ۔ ساری عمر "ناگفتہ بہ عمر" اور "ناگفتہ بہ چال چلن" والوں کے ساتھ "ناگفتہ بہ مشاغل" میں گزر گئی ۔ شب و روز روٴسا کی "ناگفتہ بہ بوسی" سے کام رہا ہے اور چلے ہمیں غلامی کا طعنہ دینے ۔ جو چار پیسے کرائے کے دے دے ' وہ خواہ آپ کو کالے پانی لے جا کر آپ کا مجرا سن لے ۔ یہ تو آپ کی اوقات ہے اور ہم کو غلام بتاتے ہیں ۔

Marfat.com

اس کے بعد ہم مقامی ہندو اخباروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ تو جاہل ہی ہیں' جو کچھ جاہل نے کہہ دیا اس کو لے اڑے اور یہ نہ سوچا کہ یہی اعتراض کسی نے پھیر کر منہ پر مار دیا تو کس بل میں گھس کر جان بچائیں گے۔ "پرتاپ" کے شعرا نے بھی اسی "عبد و غلام" کے نکتہ پر طبع آزمائی شروع کر دی اور وہی استدلال کیا کہ جس نام میں غلام یا عبد کا جزو شامل ہو' وہ ٹوڈی ہوتا ہے۔ ہم مولانا پارہ اور مہاشے رادھا کرشن سے (جس کے نام کا جزو اول ایک عورت کا نام ہے) یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ تمہارے گاندھی کا نام "موہن داس" ہے۔ تمہارے ایک اور بہت بڑے لیڈر کا نام "چترنجن داس" تھا۔ داس غلام کو کہتے ہیں۔ غالباً تمہارے اصول کے مطابق یہ دونوں بھی غلام اور ٹوڈی ہوں گے اور دور جانے کی ضرورت نہیں' لغت کی کتابیں اٹھا کر دیکھو تو معلوم ہو گا کہ خود "ہندو" کے معنی "غلام" کے ہیں' نہ صرف "غلام" بلکہ "چور" بھی۔ کیا تمہارے استدلال کے مطابق ہر ہندو غلامی اور چوری کا مجسمہ ہوتا ہے۔

مولانا پارہ سے ہم سوال کرتے ہیں کہ تمہیں مسلمان ہو کر خالص اسلامی ناموں پر تعریض کرتے ہوئے شرم نہ آئی؟ لفظ "عبد" ہزارہا بزرگان دین کے اسمائے گرامی کا جزو ہے۔ مثلاً حضرت عبد اللہ والد سرور کائناتؑ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عبد الرحمن بن عوف' حضرت عمر بن عبد العزیز' حضرت عبد القادر جیلانی۔ کیا یہ تمہاری بد بختی نہیں کہ عبد المجید جیسے پاکیزہ نام پر اعتراض کرتے ہو اور پھر کیا تمہارے حریت پرست رہنماؤں مولانا عبد الباری فرنگی محلی' مولانا عبد الوالی' مولانا عبد القادر قصوری وغیرہم کے ناموں میں "عبد" کا لفظ شامل نہیں؟

سالک اور مہر تو رب مجید کے عبد اور رسول پاکؐ کے غلام ہیں اور اس عبدیت اور غلامی پر ہزار آزادیاں قربان ہیں۔ شکر ہے کہ گاندھی کے بندے اور جواہر لال کے غلام نہیں۔

اللہ کا عبد ہونا تو اتنا بڑا شرف ہے کہ اس پر آقائے دو جہاںؐ کو بھی ناز ہے اور رسول کی غلامی اتنی بڑی عزت ہے جس پر دنیا بھر کے اولیا و اصفیا بھی فخر کرتے ہیں۔ مولانا پارہ خود ہی انصاف سے کہیں کہ "عاشق حسین" کا مرتبہ زیادہ ہے یا "غلام رسولؐ" کا؟

Marfat.com

شعر میں نکتہ آفرینی بہت اچھی چیز ہے لیکن اس کے لئے دماغ میں عقل ہونا شرط اولین ہے جس سے مولانا پارہ اور ان کے "گراموفون ریکارڈ" یعنی پرتاپ وغیرہ بالکل محروم واقع ہوئے ہیں ۔

انقلاب ۔ جلد ٦ ۔ نمبر ۴۲ ۔ پنج شنبہ ۔ ۹ جولائی ۱۹۳۱ء

Marfat.com

مولوی عبد الحق

(۱)

مولانا عبد الحق بی اے علیگ سکریٹری "انجمن ترقی اردو" (اورنگ آباد ' دکن) سے کون واقف نہیں - ادبی دنیا میں آپ کا نام مہر درخشاں کی طرح روشن ہے - آپ ماہ مئی کے پہلے ہفتے میں تبدیل آب و ہوا کی غرض سے شملہ تشریف لے گئے - چونکہ آپ طبعاً" عزلت پسند واقع ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ آپ کی نفاست طبع کم از کم شملہ جیسے خوش گوار مقام پر " صحبت ناجنس " کے عذاب الیم سے ایمن رہنا چاہتی تھی ' اس لئے آپ کی نگاہ انتخاب ایک ایسے مکان پر پڑی جو مضافات شملہ میں صدر مقام سے کوئی سات میل کے فاصلے پر واقع ہے -

لیکن وہ جو قرآن مجید میں آیا ہے - ولو کنتم فی بروج مشیدہ - اس کی صداقت چند ہی روز میں ثابت ہو گئی - آج کل کا زمانہ تلاش و تفحص کا زمانہ ہے - ہر شخص واسکو ڈے گاما اور کولمبس بنا ہوا ہے چنانچہ " جغرافیائی مجاہدین " کی عقابی نگاہوں نے آپ کے آشیانے کا سراغ نکال ہی لیا اور آپ کے ایک دیرینہ کرم فرما آپ کو ایک دن بغرض تفریح شملہ کھینچ ہی لائے -

یہ میزبان صاحب بے حد دل چسپ آدمی تھے - آپ نے مولانا کو شملہ کی سیر کرائی ' مشہور مقامات دکھائے یہ رکشا گاہ ہے ' یہ موٹروں کا اڈہ ہے ' یہ سکھوں کا گوردوارہ ہے - سڑک پر جاتے وقت یہ بتایا گیا کہ یہ گندے پانی کی نالی ہے جو اوپر سے آئی ہے اور نیچے کھڈ میں جاتی ہے - غرض اس نوع کی غلیظ نالیوں کی تعداد بتائی گئی - پانی کی عفونت اور اس کے اجزائے ترکیبی پر سائنس کے نقطہ نظر سے بحث کی گئی - گویا ہندوستان کے ایک معزز و محترم ادیب کی تفریح کے لئے ان "مغلظات" کے سوا اور کوئی موضوع ہی باقی نہ رہا تھا -

خدا خدا کر کے سیر ختم ہوئی تو گانے کا پروگرام شروع ہوا - اس سے یہ نہ سمجھ لیجئے کہ "میزبان " نے کسی گانے والی کو بلا رکھا تھا - لاحول ولا قوۃ - وہ کوئی ایسے گرے پڑے آدمی ہیں کہ رنڈیاں بلاتے پھریں ؟ انہوں نے رنڈی تو نہیں ایک " رنڈوا " بلا لیا - جناب گویا صاحب سی - آئی - ڈی کے آدمی اور قریب قریب ان پڑھ واقع ہوئے تھے - ایسے انسان کو صحت الفاظ اور انتخاب کلام سے جو تعلق ہو سکتا

Marfat.com

ہے ' وہ ظاہر ہے ۔ شکل صورت سبحان اللہ ! آواز کی یہ کیفیت کہ شیخ سعدی فرماتے ہیں ۔ ع

مرغ ایواں زہول اور بپرید

اس پر طرہ یہ کہ نرت بھاؤ میں آپ کا درجہ رنڈیوں سے بھی بڑھا ہوا تھا ۔ بس صرف ایک پشواز کی کسر تھی ' ورنہ مرد کاہے کو تھا عین مین رنڈی تھا ' جب حنجرہ داؤدی رکھنے والے صاحب کو بتایا گیا کہ یہ جو تیرے سامنے بیٹھے ہیں ' اردو علم و ادب کے " ابا جان " ہیں تو اس " موقع شناس " نے علامہ اقبال کی ایک غزل شروع کی اور فرمایا ۔

منصور کو ہوا گویا لب پیام موت
اب کیا کسی کے عشق کا دعوی کرے کوئی

" لب گویا " کو " گویا لب " کہہ کر گویا اس گویا صاحب نے اضافت مقلوب کی صنعت کا حق ادا کر دیا اور اقبال پر ایسی نوازش فرمائی کہ عمر بھر یاد رکھیں گے ۔

تھوڑی دیر بعد آپ نے ایک اور چیز شروع کی ' جس کا ایک مصرع تھا ۔ ۔

تم یہاں بیٹھے رہو میں سوئے پے خانہ چلا

گوّیے کے نرت بھاؤ کا ہم ذکر کر ہی چکے ہیں ۔ عینی شاہد کا بیان ہے کہ یہ مصرع گاتے وقت وہ اس قدر وارفتہ ہو گیا کہ ہارمونیم چھوڑ چھاڑ کر اٹھ بھاگنے کے لئے تیار ہو گیا ۔ ایک دوست نے کہا " میاں لوٹا لیتے جانا " ۔ دوسرے نے پوچھا لوٹا کیسا ؟ وہ بولے ابھی تو انھوں نے ہم سے فرمایا ہے کہ ۔

تم یہاں بیٹھے رہو میں سوئے پاخانہ چلا

غرض اس قسم کے بہت سے لطیفے یا " کثیفے " ہوتے رہے اور آخر خدا خدا کر کے یہ گانا ختم ہوا " جس کو گانا کہنا " موسیقی ازل کی توہین کرنا ہے ۔

لیکن مولانا عبد الحق صاحب شروع سے لے کر آخر تک عہد حاضر کے اس تان سین کو برابر داد دیتے رہے " جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب دوسرے احباب نے گوّیے کی بد ذوقی کا مضحکہ اڑایا تو میزبان صاحب جان کو آگئے اور کہنے لگے ۔ " بڑے آئے کہیں سے موسیقی کے سمجھنے والے ۔ کیا تم حضرت مولانا سے بھی زیادہ عالی مذاق ہو ؟

Marfat.com

وہ تو داد دیتے دیتے تھک گئے اور تم بد تمیزی کر رہے ہو"۔ اس پر انھیں سمجھایا گیا کہ یہ مولانا کی کمال مصلحت اندیشی ہے اور آداب مہمانی کا تقاضا۔ یہ گانے والے کی تعریف نہیں بلکہ کچھ اور ہی ہے لیکن یہ نکتہ میزبان صاحب کی سمجھ میں نہ آنا تھا نہ آیا۔

مرزا غالب نے کہا تھا۔

ڈھونڈے ہے اک مغنی آتش نفس کو جی　　جس کی صدا ہو جلوۂ برق فنا مجھے

کیا مولانا از راہ کرم ہمیں بتائیں گے کہ اس آتش نفس مغنی کی سرود سرائی کا ان کی طبیعت پر کیا اثر ہوا؟ آیا یہ محض تفنن تھا یا سچ مچ جلوۂ "برق فنا" ہی تھا؟ خدا مولانا کو ایسی برق فنا سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔

انقلاب۔ جلد ۶ ۔ نمبر ۲۸۔ یک شنبہ۔ ۲۱ جون ۱۹۳۱ء۔ سنڈے ایڈیشن

Marfat.com

علامہ نیاز فتح پوری

(۱)

...... ان پڑھے لکھے جاہلوں کے طبقے میں آج کل نیاز فتح پوری ایڈیٹر رسالہ "نگار" کا اسم گرامی بے حد ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے جہل کے مختلف اطراف میں اس قدر ہمہ گیری حاصل کی ہے کہ ہندوستان بھر کا کوئی پڑھا لکھا جاہل آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ آپ شعر میں جاہل' ادب میں جاہل' مذہب میں جاہل' اخلاق میں جاہل' فلسفہ میں جاہل' سیاسیات میں جاہل' فارسی میں جاہل' عربی میں جاہل' اردو میں جاہل' انگریزی میں جاہل ' غرض دنیا کے تمام شعبہ ہائے علم میں اس قدر جاہل اور کلچر سے اس قدر محروم واقع ہوئے ہیں کہ آپ کو بے اختیار "ابو جہل" کہنے کو جی چاہتا ہے۔

سب سے پہلے ملک آپ سے اس وقت روشناس ہوا تھا' جب آپ نے "شاعر کا انجام" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ جن بد قسمتوں کو اس کتاب کے مطالعہ کا موقع ملا ہے اور جنھوں نے اس کے بعد "نقاد" میں آپ کے بعض مضامین پڑھے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ زبان اردو میں آپ نے بڑی بڑی "جبڑا توڑ" ترکیبوں کی بھرمار کر کے اردو' فارسی اور عربی تینوں زبانوں کی بیک وقت مٹی پلید کی ہے اور ایک ایسا انداز تحریر ایجاد کیا ہے جو معانی کے لحاظ سے تو نہیں البتہ الفاظ کے اعتبار سے "درۂ نادرہ" کا فضلہ معلوم ہوتا ہے۔

سنا ہے ایک دفعہ آپ اپنا ایک مضمون کسی پختہ کار اور کہن سال ادیب کو سنا رہے تھے' جس نے سارا مضمون انتہائی حیرت و استعجاب سے سننے کے بعد فرمایا۔ " خوب' خوب' بہت خوب' کیا آپ اردو میں بھی لکھا کرتے ہیں ؟" نیاز صاحب نے گھبرا کر کہا۔ "حضرت یہ مضمون اردو میں نہ تھا تو اور کس زبان میں تھا ؟ " ادیب کہن سال نے فرمایا۔ "نہ صاحب' ہماری بھی ستر برس کی عمر ہونے کو آئی ہے' ہم نے تو ایسی اردو نہ آنکھوں سے دیکھی' نہ بزرگوں سے سنی۔ آپ کا مضمون تو غالباً سریانی زبان میں تھا"۔

Marfat.com

اخلاق کے اعتبار سے آپ کی یہ کیفیت ہے کہ ہمیشہ شاہدان بازاری کے حسن و جمال اور رقص و سرود کی تعریفوں میں تر زبان بلکہ "تر قلم" رہتے ہیں۔ آپ کے مضامین کے عنوان ملاحظہ ہوں "ایک رقاصہ سے" "ایک مغنیہ کو دیکھ کر" اور اس کے علاوہ جہاں کسی رنڈی سے ملاقات ہو' اس ملاقات کا حال بہت مزے لے لے کر اپنے رسالے میں شائع کرتے ہیں۔ آپ کے ادب نے ملک کے نوجوانوں پر یہ اثر ڈالا ہے کہ وہ آپ کے مضامین کو کوک شاستر سے زیادہ قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔

اگر کوئی بد نصیب شریف زادی آپ کی ادبی شہرت یا ایڈیٹری سے متاثر ہو کر آپ کو خط لکھ بیٹھے تو آپ جھٹ اسے "نگار" میں چھاپ کر اس پر چند ایسی سطریں لکھ دیتے ہیں جن سے بازاری عورتوں ہی کو مخاطب کیا جا سکتا ہے۔ شریف زادی تو ان فقروں اور شعروں کو پڑھ کر شرم سے پانی پانی ہو جاتی ہو گی اور عمر بھر پشیمان رہتی ہو گی کہ ایسے "دل پھینک" بگڑے دل کو کیوں خط لکھ بیٹھی۔

آپ کی ادبی معلومات کی یہ کیفیت ہے کہ ایک دفعہ آپ نے غالب کی ایک غزل بڑی شان سے شائع کی اور اس پر یہ نوٹ لکھا کہ یہ غزل بالکل غیر مطبوعہ ہے اور مرزا مرحوم کے کسی دیوان میں موجود نہیں۔ اس غزل کا مطلع یہ ہے۔

بیا کہ قاعدہ آسمان بگرد انیم　　قضا بہ گردش رطل گراں بگردانیم

جس شخص نے کلیات غالب کو ایک دفعہ بھی کھول کر دیکھا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ یہ غزل غالب کی مشہور ترین غزلوں میں سے ہے اور کلیات کا کوئی ایسا ایڈیشن آج تک نہیں چھپا جس میں یہ غزل موجود نہ ہو لیکن نیاز صاحب اسے غیر مطبوعہ بتا رہے ہیں۔ گویا اعلان کر رہے ہیں کہ آپ نے غالب کا کلام کبھی دیکھا ہی نہیں۔

آج کل مولانا نیاز فتح پوری نے ادب و اخلاق کے علاوہ مذہب پر بھی دست درازی شروع کر رکھی ہے۔ "بازی بازی بارلیش بابا ہم بازی" ۔ وہ ہاتھ جو پہلے ادب و شعر اور اخلاق حسنہ ہی کا دامن تار تار کیا کرتا تھا' اب انبیا کے گریبانوں تک جا پہنچا ہے۔ ہم نے ان کی جاہلانہ تحریروں کو کبھی قابل اعتنا نہیں سمجھا کیونکہ ایک بے خبر انسان کی ہرزہ سرائیوں کو اہمیت دینا محض تضیع اوقات ہے لیکن چونکہ بعض بزرگوں نے اس بڑھتے ہوئے فتنہ کے سد باب کے لئے مدیر "افکار" کو حکم دیا ہے' اس لئے انشاء اللہ آئندہ وقتاً" فوقتاً" "نگار" کے الحاد و زندقہ کی دھجیاں بکھیری جایا کریں گی۔

Marfat.com

تاکہ وہ بد مذاق اور غلط اندیش نوجوان جو نیازو "نگار" کے دام میں پھنسے ہوئے ہیں متنبہ ہو جائیں اور ان پر اس ڈھول کا پول واضح ہو جائے۔[۲۳]

انقلاب۔ جلد ۶ ۔ نمبر ۱۰۲۔ شنبہ۔ ۱۹۔ ستمبر ۱۹۳۱ء

(۲)

جس طرح ہندوستان میں ہزار ہا اشتہاری طبیب موجود ہیں جو طب میں الف کے نام سے بے نہیں جانتے۔ بس ایک نسخہ کہیں سے ہاتھ آگیا ہے اور اسی پر اتراتے پھرتے ہیں۔ جیسے چوہا ہلدی کی گرہ پا کر پنساری بن بیٹھا تھا' اسی طرح اس ملک میں بڑا بڑا نیاز فتح پوری بھی بھرا پڑا ہے' جسے نہ خدا کی حقیقت معلوم ہے نہ رسول ؐ کی' نہ ملایکہ کے معنی آتے ہیں' نہ جنت کا مفہوم پیش نظر ہے لیکن رائے ہے کہ کند چھری کی طرح مذہب کے گلے پر پھیری جا رہی ہے .....

ہمارے نزدیک یہ تجویز نہایت مناسب ہے لیکن جسم کے ساتھ روح کی حفاظت بھی ضروری ہے اگر قوم کی جسمانی صحت کی خاطر مدعیان علاج امراض کے لئے قانون کا نفاذ ضروری ہے تو انسانوں کی روحانی صحت کے لئے ایک ایسا قانون نافذ ہونا چاہئے کہ جو شخص علوم دین کا فارغ التحصیل ہوئے بغیر کسی وقت مذہب پر رائے زنی کرتا ہوا پایا جائے اسے فی الفور ہتھ کڑی لگائی جائے اور جیل خانے میں جھونک دیا جائے۔ ہمارے نزدیک ان نیازوں' فتح پوریوں اور نگاروں کا اس سے بہتر کوئی علاج نہیں

واضح رہے کہ مدیر "افکار" نہ "پیش طبیب ملا ہے" نہ "پیش ملا طبیب" اور نہ پیش ہر دو ہیچ"۔ جب کبھی سر میں درد ہوا حکیم فقیر محمد صاحب قبلہ سے ٹیلی فون پر نسخہ پوچھ لیا اور جب کسی دینی مسئلہ میں وقت پیش آئی مولوی غلام مرشد صاحب کے مکان پر چلے گئے۔ طب اور دین میں ہماری اپنی کوئی رائے نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارا جسم بھی تندرست رہتا ہے اور روح بھی صحیح رہتی ہے۔

ہمارا جی چاہتا ہے کہ کبھی مولانا نیاز فتح پوری کے خلاف کوئی مقدمہ دائر ہو جائے اور حکومت انہیں کسی وکیل کی خدمات حاصل کرنے سے منع کر دے۔ جب وہ اعتراض کریں تو یہ جواب دیا جائے کہ جس حالت میں آپ علم دین حاصل نہ کرنے کے باوجود سب سے بڑے عالم اور مجتہد بنے ہوئے ہیں' تو کیا وجہ ہے ۔ قانون

Marfat.com

تحصیل کیے بغیر آپ سر محمد شفیع اور سر علی امام سے بہتر اپنے مقدمے کی پیروی نہ کر سکیں؟

انقلاب۔ جلد ۶۔ نمبر ۱۰۵۔ چہار شنبہ۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۱ء

(۳)

نیاز فتح پوری اور "نگار" کے خلاف سارے اسلامی پریس میں محشر برپا ہو گیا ہے۔ "ہمت" (لکھنؤ) میں مضمون چھپا۔ "الجمعیۃ" (دہلی) میں ایک صاحب نے مقالہ لکھا۔ "زمیندار" میں بھی اس بد نام کنندۂ اسلام کی خبر لی گئی ہے اور سب سے بڑھ کر مولانا عبد الماجد دریا بادی نے "سچ" کا ایک پورا پرچا اسی موضوع پر صرف کیا ہے' جس میں نیاز کی ہفوات و خرافات کے اقتباس درج کر کے نہایت ادیبانہ تبصرہ فرمایا ہے۔ "معارف" میں بھی ایک دو مضمون "نیاز" اور "نگار" کی ہرزہ سرائیوں کے خلاف شائع ہو چکے ہیں۔

اب ضرورت یہ ہے کہ "نگار" کسی مسلمان کے ہاتھ میں نظر نہ آئے اور جہاں کہیں اس کا پرچہ دکھائی دے "بحق اسلام" ضبط کر کے جلا دیا جائے بلکہ ہمارے نزدیک بعض وکلا سے مشورہ کر کے چند مسلمان اس رسالے کے مالک اور ایڈیٹر کے خلاف توہین مذہب کا دعویٰ بھی کر دیں تاکہ اس شخص کو جیل خانے میں جا کر قدر عافیت معلوم ہو۔ سچ یہ ہے کہ دنیا بھر میں کسی بڑے سے بڑے ملحد اور زندیق نے خدا' رسول' انبیا' جنت' دوزخ' کتب سماوی' مذاہب عالم' سزا و جزا کے متعلق اس قدر ژاژ خائی اور ہرزہ سرائی سے کام نہیں لیا جس کی ذمہ داری نیاز نے اپنے سر لی ہے اور اگر یہ الحاد وفور علم کا نتیجہ ہوتا تو شاید بعض لوگ اسے برداشت بھی کر جاتے لیکن لطف یہ ہے کہ اس شخص کو علم سے دور کا واسطہ بھی نہیں' محض جہل ہی جہل ہے جس کے یہ کرشمے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ مسلمان اس "راج پال" سے کیا سلوک کرتے ہیں۔

انقلاب۔ جلد ۶۔ نمبر ۱۱۲۔ پنج شنبہ۔ یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء

(۴)

نیاز فتح پوری نے توبہ بھی کر لی لیکن خدا کی مرضی' مسلمان اس توبہ کو بھی منظور نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ استغفار ریاکارانہ ہے کیونکہ اس استغفار کے ساتھ ہی ساتھ "نگار" میں "ملاحظات" کا کالم لکھ کر نیاز نے ثابت کر دیا ہے کہ اس کے قلب

Marfat.com

میں ابھی "ایمان" پیدا نہیں ہوا۔ بہرحال توبہ و استغفار کے بعد ہم اس بد نصیب انسان پر بہت زیادہ سختی روا نہیں رکھنا چاہتے دلوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ جو لوگ اس پر ریاکاری کا الزام لگاتے ہیں' ان سے ہم تو یہی سوال کریں گے کہ ھل شققت قلبہ۔

لیکن جو بد بخت اور ملحد انسان نیاز فتح پوری کو جرات اخلاق کا سرمایہ دار آزاد خیال اور وسیع المشرب خیال کرتے تھے' ان سے ہمارا یہ سوال ہے کہ کیا یہی وہ تمہارا نیاز ہے جو امت مسلمہ کی ایک ہی ڈانٹ سے ڈر گیا اور جھٹ قرآن کی آیتیں پڑھنے لگا؟ تم نے خدا اور رسول ؐ کی طاقت اور مذہب کے جلال و جبروت کو دیکھا؟ نیاز تو کوئی چیز ہی نہیں' یہاں بڑے بڑوں کی اکڑی ہوئی گردنیں خم ہو گئیں اور ان کی آزاد خیالی ان کے کام نہ آسکی۔

اصل بات یہ ہے کہ نیاز جیسے جاہل آدمی الحاد و زندقہ جیسی بڑی چیز کے متحمل ہو ہی نہیں سکتے الحاد کے لئے بھی بہت قوی کیرکٹر کی ضرورت ہے۔ جس طرح ہر شخص آسانی سے پکا مسلمان نہیں ہو سکتا اس طرح پکا ملحد ہونا بھی بہت مشکل ہے۔ اگر حضرت صدیق ؓ کا اسلام اپنی مثال نہیں رکھتا تو ابو جہل کا کفر بھی بے نظیر ہے۔ ابو جہل کافر تھا' جہنمی تھا لیکن جس چیز پر قائم تھا' نہایت استحکام و استواری کے ساتھ قائم تھا۔ اتنے بڑے کفر کو سنبھالنے کے لئے بھی بہت بڑا ظرف چاہئے۔

پہلے پہل تو نیاز فتح پوری یہ سمجھتے رہے کہ ان کے خلاف چند مولویوں کا یہ شور و غوغا بہت زیادہ نقصان کا باعث نہ ہو گا بلکہ شاید کسی قدر فائدے ہی کا موجب ہو جائے کچھ اور نہیں تو شہرت ہی سہی "بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا"۔

نواب کلب علی خاں مرحوم حج کو گئے تو حجاز کے محتاجوں کو ہزار ہا روپیہ بطور خیرات تقسیم کیا آپ کے جود و سخا کی بہت شہرت ہوئی۔ اس پر ایک رام پوری کو بہت حسد ہوا۔ اس نے شہرت حاصل کرنے کی ایک "کم خرچ بالا نشین" تدبیر سوچی۔ ایک دن زم زم کے پاس کھڑے ہو کر اس میں پیشاب کر دیا۔ بس پھر کیا تھا' ہر طرف سے تڑا تڑ جوتے پڑنے لگے اور سارے حجاز میں مشہور ہو گیا کہ فلاں شخص کی بے حیائی دیکھو' بد بخت نے زم زم جیسے چشمہ مقدس میں پیشاب کر دیا۔ رام پوری صاحب اپنی ہمہ گیر شہرت کا آوازہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ نواب صاحب نے

Marfat.com

شہرت حاصل کرنے کے لئے ہزار ہا روپیہ صرف کیا اور ہم مفت ہی میں ان سے زیادہ مشہور ہو گئے۔

نیاز بھی اسی قسم کی شہرت کے دلدادہ تھے' چنانچہ وہ انہیں حاصل ہو گئی لیکن جب یار لوگوں نے ان کے رسالے کا بائیکاٹ تجویز کیا۔ ہر جگہ "نگار" کے پرچے جلائے جانے لگے اور اس کے ساتھ ہی تجویزیں شائع ہونے لگیں کہ زیر دفعہ ۲۹۵ تعزیرات ہند' نیاز کے خلاف مقدمات کئے جائیں تو آپ نے جی میں کہا کہ یہ تو بری ہوئی۔ پکائی تھی کھیر ہو گیا دلیہ۔ کہیں الٹے لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ ایک طرف "نگار" بند ہو جائے جو روزی کا ٹھیکرا ہے' دوسری طرف جیل جانے کی ذلت اٹھانی پڑے۔ "یکے نقصان مایہ دیگر شماتت ہمسایہ"۔ آپ نے جھٹ علمائے فرنگی محل کی پناہ لی اور توبہ کر لی۔ "جان بچی لاکھوں پائے' خیر سے بدھو گھر کو آئے"۔

بہرحال ہمارا خیال یہ ہے کہ اب نیاز کو موقع دینا چاہئے کہ وہ اپنے طور طریقے درست کر لے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ "نگار" کے گزشتہ پرچے جہاں کہیں پائیں' بلا تامل جلا دیں اور اگر نیاز صاحب سے پھر کبھی وہی گستاخیاں سرزد ہوں تو پھر آپ سے وہ سلوک کیا جائے جو آپ کے "شایان شان" ہو۔

رہا آپ کے ادبی کمالات کا پہلو' تو ہم قارئین سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم عنقریب "افکار" کا ایک سلسلہ شروع کرنے والے ہیں جن میں ہم بتائیں گے کہ یہ شخص ادب سے جاہل محض ہے اور اس کی اکثر تصانیف و تالیف چوری کی ہیں اور اس کی عام عادت ہے کہ انگریزی سے الٹا سیدھا ترجمہ کر کے مضمون یا کتاب لکھ مارتا ہے اور اپنے نام سے چھاپ دیتا ہے۔

انقلاب۔ جلد ٦۔ نمبر ۱۲۷۔ پنج شنبہ۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء

Marfat.com

متفرق معاصرین

(۱)

داڑھی کے رکھنے کے متعلق اسلام کا حکم بالکل واضح ہے لیکن خدا جانے اس کی کیا وجہ ہے کہ داڑھی رکھنے پر جتنا زور ہندوستانی علما دیتے ہیں' اس کا عشر عشیر بھی دیگر اسلامی ممالک میں نہیں پایا جاتا۔ میانوالی جیل میں ایک دفعہ یاران طریقت کے درمیان بحث جو چھڑی تو مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیتہ العلما نے اپنے سفر مصر کا واقعہ سنایا۔ آپ فرمانے لگے کہ میں مصر کی جس مسجد میں نماز پڑھنے جاتا تھا' صفا چٹ اور خش خشی داڑھیوں والے مسلمان میری داڑھی کو نہایت تعجب سے دیکھتے تھے اور میں ان کی توجہات سے بہت پریشان ہوتا تھا۔ آخر ایک من چلے بزرگ سے نہ رہا گیا' وہ مجھ سے پوچھ ہی بیٹھے کہ "انت یہودی" میں نے کہا۔ "لا و اللہ انا المسلم الحمد للہ"۔

اس پر ان بزرگ نے کہا کہ "مجھے معاف کرنا' چونکہ تم نے یہودیوں کی طرح داڑھی چھوڑ رکھی ہے۔ اس لئے مجھے شبہ ہوا۔" مولانا اپنی شرعی داڑھی کے متعلق اس قسم کا خیال سن کر جامع ازہر تشریف لے گئے تاکہ وہاں کے علما سے مسئلہ دریافت کریں۔ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ بعض علمائے کرام کی داڑھیاں تو بالکل صفا چٹ ہیں اور بعض نے فرنچ فیشن پسند کیا ہے لیکن ان کے علم کا یہ حال ہے کہ تفسیر' حدیث' فقہ کے بحر ناپیدا کنار ہیں۔ صرف ایک حضرت شیخ اعظم جامعہ ازہر کی داڑھی پوری تھی۔ حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے بعض علما سے داڑھی کے مسئلہ پر گفت و شنید کی تو معلوم ہوا کہ وہ وضع و لباس کے معاملے کو امور شرعیہ میں سے نہیں سمجھتے ......

انقلاب۔ جلد ۱۔ نمبر ۱۴۔ جمعہ ۲۲ اپریل ۱۹۲۷ء

(۲)

دہلی سے "انقلاب" کے نامہ نگار خصوصی اطلاع دیتے ہیں کہ "انقلاب دوست" مولانا عبد اللہ نے ایک نئی قلا بازی کھائی ہے۔ آپ پہلے "صابون والے" تھے' پھر "چوڑی والے" بن گئے ترک موالات کے زمانہ دارو گیر میں جیل گئے' وہاں

Marfat.com

سے آنے کے بعد "چوڑی والے" مولانا عبد اللہ "آٹے والے" بن گئے۔ اب حال ہی میں آٹے، گھی اور شکر کے ساتھ ان کے مرکبات کے بھی دکان دار بن بیٹھے ہیں۔ یعنی ایک شان دار حلوائی کی دکان بھی کھلوالی ہے۔ مولانا کی دکان کے آگے اونچی اونچی دکانوں کے پکوان پھیکے پڑ گئے ہیں اور سارے شہر میں مولانا عبد اللہ کی تلخ مزاجی کے باوجود ان کی دکان کی مٹھاس کے چرچے ہو رہے ہیں۔

مولانا عبد اللہ فرماتے ہیں کہ انھیں اس دکان سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ پہنچا ہے کہ اگر کبھی مولانا کی اہلیہ محترمہ کا مزاج بگڑے گا اور تلخی پیدا ہو گی تو امید ہے کہ اس دکان کی مٹھاس اس پر غالب آجائے گی۔ باخبر نامہ نگار کا بیان ہے کہ ابھی مولانا اپنی دکان سے کوئی نفع وصول نہیں کرتے بلکہ صرف ایک دو یا مختلف قسم کی مٹھائیوں کی بانگی روز رات کے وقت اہلیہ محترمہ کے لئے گھر لے جاتے ہیں۔

ہم مولانا عبد اللہ کو (جو میانوالی جیل میں ہمارے ہم نوالہ وہم پیالہ رہے ہیں) اس کاروبار شیریں کے آغاز پر مبارک باد دیتے ہیں۔ اب وہ بڑے آدمی بن گئے ہیں کیونکہ دہلی کا حلوائی اگر چاہے تو نہایت آسانی سے اسمبلی کا ممبر بن سکتا ہے اور اس کے کفچے کی ایک ہی ضرب حکومت کا گھان بگاڑ سکتی ہے۔[۱۲۸]

انقلاب۔ جلد ۱۔ نمبر ۳۵۔ یک شنبہ۔ ۱۵ مئی ۱۹۲۷ء سنڈے ایڈیشن

(۳)

پچھلے دنوں ایک دوست نے مدیر "افکار" سے سفارش کی کہ جس طرح آپ لوگوں یعنی اخبار نویسوں نے رہنمایان قوم کو ظفر الملت والدین سیف الملت والدین، رئیس الاحرار، سید الحرار، امام الہند، شیر اسلام (وغیرہ) القاب و خطابات دے رکھے ہیں، اسی طرح مولوی محمد ابراہیم صاحب بھی اپنی "دینی عدالتی" خدمات کے اعتبار سے خطاب کے مستحق ہیں۔ چنانچہ ہم نے مولوی صاحب کے لئے یہ خطابات تجویز کئے ہیں۔ خدا کرے حسن قبول حاصل کریں:۔

مدعی الملت مستغیث الدین مقدمہ باز اسلام مولانا محمد ابراہیم۔

پچھلے دنوں ایک اخبار نے ہمارے مکرم مسٹر عبد الرحمن چغتائی (مشہور آرٹسٹ) کو "مصور اسلام" لکھ دیا تھا، حالانکہ اسلام کو تصویر سے جو بعد ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ۔ اسی طرح گو "مقدمہ بازی" (اور وہ بھی انگریزی عدالتوں میں) مستحسن معلوم

Marfat.com

نہ ہو لیکن جو شخص اسلام کی خاطر مقدمہ لڑے اسے "مقدمہ باز اسلام" نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے.....

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۲۶۔ پنج شنبہ۔ ۴ اگست ۱۹۲۷ء

(۴)

ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں لالہ ٹہل رام گنگا رام ایک نہایت عجیب و غریب بزرگ ہیں۔ تحریک ترک موالات کے آغاز میں ہمیں آپ سے نیاز حاصل ہوا تھا۔ آپ کی عمر غالباً پچاس ساٹھ برس کے قریب ہو گی۔ آپ یورپ کے بعض ملکوں کی سیاحت بھی کر چکے ہیں۔ آپ کی زبان مبارک بات چیت میں اس قدر تیز رفتار ہے کہ شبدیز سماعت اپنی تیز روی کے باوجود بھی کامیابی کے ساتھ اس کا پیچھا نہیں کر سکتا۔ آپ کی یہ دیرینہ عادت ہے کہ اخبار نویسوں' اخبار فروشوں اور اخبار بینوں سے اپنے تعلقات نہایت مستقل رکھتے ہیں اور جب کبھی ان سے ملتے ہیں' چند اخبارات ضرور حاصل کر لیتے ہیں۔ یعنی آپ کو فراہمی جراید کا جنون ہے۔

لالہ صاحب طبعاً" بہت مخلص اور وسیع المشرب آدمی واقع ہوئے ہیں۔ جب کبھی آپ دفتر "زمیندار" میں ہمارے پاس آئے ہمارے آپ کے درمیان علیک سلیک کے سوا اور کوئی تعلق نہ ہوتا کیونکہ آپ سلام کرتے ہی اخباروں کی طرف متوجہ ہو جاتے اور ان کو پڑھ کر خود بخود رائے زنی کرنے لگ جاتے اور رائے زنی کا مخاطب کوئی بھی نہ ہوتا۔

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دفتر میں تشریف رکھنے کے بعد آپ چند اخبارات پر قبضہ مخالفانہ کر کے مرخص ہو جاتے تھے اور آپ کے خلوص کی وجہ سے عملہ کے کسی آدمی کو بھی آپ کی دست برد پر شکایت پیدا نہ ہوتی تھی۔

"ملاپ" نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۱ جنوری میں لالہ صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ اس وقت لالہ ٹہل رام گنگا رام کے مکان پر تین کمرے محض اخباروں سے بھرے پڑے ہیں اور آپ نے وصیت کی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری نعش کو جلانے کے لئے انہی اخباروں سے ایندھن کا کام لیا جائے گویا آپ کا عشق جراید اتنی رقابت کو بھی گوارا نہیں کرتا کہ آپ کی وفات کے بعد کوئی دوسرا شخص ان اخباروں کو اپنے استعمال میں لائے۔

Marfat.com

بیسویں صدی میں اس قسم کی وضع داری نہایت حیرت انگیز ہے بشرطیکہ دماغ میں خلل نہ ہو۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۷۷۔ جمعہ۔ ۳۰ فروری ۱۹۲۸ء

(۵)

اب "تعلیم یافتہ بد حواسی" کی مثال سن لیجئے لاہور کے اسلامیہ کالج میں جناب علامہ محمود شیرانی علوم مشرقیہ کے پروفیسر ہیں۔ چونکہ آپ کو تحقیق علمی اور فراہمی کتب کا شوق ہے۔ اس لئے اس ذوق کے اکثر نوجوان آپ کی خدمت میں بغرض استفادہ حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک نوجوان جو "ایم۔ اے، ایم۔ او۔ ایل" ہیں آپ سے ملاقات کرنے آئے۔ پروفیسر صاحب نے پوچھا "کہو میاں، ان دنوں کوئی اچھی کتاب بھی نظر آئی؟" وہ عرض کرنے لگے کہ "حضرت کلیات نظیری کا ایک نسخہ ملا ہے جو خود ملا نظیری کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔" پروفیسر صاحب یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے "بھئی وہ نسخہ ہمیں ضرور لا کر دکھانا"

اس کے بعد پروفیسر صاحب کو کسی وجہ سے دل لگی سوجھی۔ آپ نے نہایت متانت کے ساتھ اس نوجوان سے کہا۔ "کیا تم نے سنا؟ پروفیسر سراج الدین صاحب آذر کو پچھلے دنوں ایک نادر چیز دستیاب ہوئی ہے۔" نوجوان نے پوچھا۔ "حضرت وہ کیا؟" پروفیسر صاحب فرمانے لگے۔ "حضرت عیسیٰ کے وقت کا لکھا ہوا قرآن شریف۔" نوجوان خوشی کے مارے اچھل پڑا اور بے اختیار کہنے لگا۔ "سبحان اللہ! اس قدر قدیم نسخہ، میں ابھی پروفیسر آذر صاحب کے ہاں جا کر اس کی زیارت کروں گا۔"

یہ کہہ کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور چل دیئے لیکن پروفیسر صاحب کا وار اپنا کام کر چکا تھا اور وہ اس مزاح کو اس حد سے آگے بڑھانا نہ چاہتے تھے، چنانچہ آپ نے اپنے ایک شاگرد کو اس نوجوان کے پیچھے پیچھے بھیج دیا۔ رستے میں اس شاگرد نے نوجوان سے پوچھا۔ "کیسے صاحب حضرت عیسیٰ" کے وقت میں قرآن ہی کہاں تھا جو آپ اس کا نسخہ دیکھنے چلے ہیں؟"

یہ سن کر نوجوان کو ایک دم اپنی جہالت کا احساس ہوا اور وہ بھونچکا سا رہ گیا۔ سنا ہے کہ اب اسے شرم کے مارے پروفیسر صاحب کے سامنے آنے کی جرات نہیں پڑتی۔

Marfat.com

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۸۰ پنج شنبہ۔ ۹ فروری ۱۹۲۸ء

(۶)

ہمارے دو نہایت ہی عزیز دوست راجہ غضنفر علی خاں صاحب (ممبر اسمبلی) اور امتیاز علی صاحب تاج حال ہی میں کلکتہ کی سیر سے واپس تشریف لائے ہیں۔ انھوں نے جہاں کلکتہ کے خوب صورت مناظر کا تذکرہ فرمایا وہاں دو ایسی صدائیں بھی نقل کیں جو ہر روز ان کے کانوں میں پڑتی تھیں اور بے اختیار ہنسا دیتی تھیں۔ یہ دونوں حضرات مسٹر یعقوب قاسم عارف (ممبر اسمبلی) کے دولت کدہ معلٰی پر فروکش تھے۔ سڑک پر سے ہر روز دو آدمی گزرتے تھے جن میں سے ایک پکار پکار کہتا تھا "پرانا بکری کا گوز۔ پرانا بکری کا گوز۔"

پہلے دن یہ صدا سن کر یہ دونوں بے اختیار ہنس دیئے اور مسٹر عارف سے پوچھنے لگے کہ اس عجیب و غریب صدا کا مطلب کیا ہے؟ صاحب ممدوح نے فرمایا کہ بکری (یعنی فروخت) کو یہاں بفتح با بکری بولتے ہیں۔ "کاگوز" کاغذ سے بگڑا ہوا ہے۔ صدا لگانے والا لوگوں سے ردی کاغذ خرید رہا ہے اور صدا لگا رہا ہے کہ "فروخت کے لئے پرانا کاغذ چاہئے۔"

ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں منتقل ہو کر کس قدر متضاد معانی کے حامل بن جاتے ہیں۔

دوسری صدا یہ تھی۔ "بتلاش بکری" "بتلاش بکری" پہلے تو ہمارے دوستوں کو یہی خیال آیا کہ اس غریب کی بکری گم ہو گئی ہو گی اور اس کی تلاش میں مصروف ہے لیکن دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کی بکری وکری گم نہیں ہوئی بلکہ وہ خالی بوتلیں فراہم کر رہا ہے اور اس کی صدا واضح الفاظ میں یہ ہے "بوتل آشے بکری"۔ یعنی "فروخت کے لئے بوتل چاہئے۔"

بنگالیوں کی زبان سے ان حضرات نے اور بھی بے شمار الفاظ سنے جن کی ظاہری صورت سے انہیں دھوکا ہوا لیکن چونکہ یہ دونوں صدائیں خصوصی حیثیت رکھتی تھیں، لہٰذا قارئین "افکار" کی خدمت میں پیش کر دی گئیں ....

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۲۸۔ شنبہ۔ ۶ اگست ۱۹۲۸ء

Marfat.com

(۷)

......پچھلے دنوں لاہور کے ایک معزز انگریز نے جو بہت سے ڈاکٹروں سے علاج کرانے کے بعد اپنی صحت سے مایوس ہو چکا تھا' اپنے خاندان کے کہنے پر حضرت حکیم فقیر محمد صاحب چشتی کو بغرض مشورہ طلب کیا۔حکیم صاحب اس کی کوٹھی پر پہنچے۔ صاحب بہادر نے نہایت عزت و احترام سے حکیم صاحب کا استقبال کیااور نبض دکھائی۔ حکیم صاحب نے نبض پر ہاتھ رکھتے ہی بتایا کہ "صاحب' آپ کے اعصاب بالکل تباہ ہو چکے ہیں' آپ کسی کام کے نہیں رہے"۔

صاحب بہادر چونک اٹھے اور حکیم صاحب کا ہاتھ پکڑ کر پوچھنے لگے۔"ول تم کو کس نے بتایا" ؟ حکیم صاحب اس کی پریشانی پر ہنس دیئے اور کہنے لگے۔ "صاحب آپ کی نبض سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نون غنہ واقع ہوئے ہیں۔ مجھے کسی نے نہیں بتایا اور اگر کوئی بتا بھی دیتا تو میں بے تحقیق اتنی بڑی بات زبان پر کیونکر لا سکتا تھا؟"

صاحب اس کمال تشخیص سے بہت خوش ہوئے حکیم صاحب نے آپ کا علاج کیا۔ کچھ مدت میں شفا ہو گئی اور اب صاحب بہادر اچھے خاصے وندنا رہے ہیں۔[۲۵]

انقلاب۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۵۱۔ یک شنبہ۔ ۱۹ اگست ۱۹۲۸ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۸)

انسانی معدے کی وسعت کا اندازہ دشوار ہے۔ اب خیال فرمایئے کہ یہ شخص "طلسم ہوش ربا" کا کوئی دیو تو ہو گا نہیں' زیادہ سے زیادہ چھ فٹ ہی کا انسان ہی ہو گا۔ آخر اس کے معدے میں اتنی جگہ کیونکر نکل آئی جس میں سولہ سیر غذا سما گئی۔ شاید کوئی حکیم یا ڈاکٹر اس کی وجہ بتا سکیں' ہماری سمجھ میں تو آئی نہیں۔[۲۶]

یہاں اسلامیہ کالج میں ہمارے ایک دوست ملازم ہیں۔ پتلے دبلے سے آدمی ہیں۔ صورت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک چپاتی سے زیادہ کھا ہی نہیں سکتے لیکن کھانے کی یہ حالت ہے کہ بڑے بڑے ادبی رسالوں میں بھی ان کی پر خوری کا چرچا ہو چکا ہے۔ آم کھانے پر آتے ہیں تو میاں نظام الدین صاحب کا باغ بھی ان کی بلا نوشی سے پناہ مانگتا ہے۔[۲۷]

انقلاب۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۷۹۔ چہار شنبہ۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۰ء

Marfat.com

تعلیقات و حواشی

(۱) مہر صاحب پہلی مرتبہ ۲۵' اکتوبر ۱۹۲۵ء کو بمبئی کی بندرگاہ سے حجاز کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ مولانا ظفر علی خان' شعیب قریشی' مولانا محمد عرفان' ریاض الحسن صاحبان شریک سفر تھے اس زمانے میں عبد العزیز ابن سعود نے حجاز پر قبضہ کر لیا تھا اور شریف حسین اور اس کے بیٹے علی کو نجد و حجاز سے بے دخل کر دیا تھا۔ یہ وفد ۲۵ جنوری ۱۹۲۶ء کو جدہ سے ہندوستان کے لئے روانہ ہوا اور ۸ فروری ۱۹۲۶ء کو بمبئی پہنچا تھا ابن سعود کے نجدی سپاہیوں نے خانہ جنگی کے دوران مقامات مقدسہ کے سلسلے میں بعض زیادتیوں کا ارتکاب کیا تھا۔ اس وفد کا مقصد صحیح حالات دریافت کر کے عوام تک پہنچانا تھا۔

(۲) مہر کی پہلی شادی امیر بیگم سے ۱۹۱۴ء میں ہوئی تھی۔ ان کا انتقال ۱۹۲۳ء کو ہوا تھا۔ آپ کی دوسری شادی ۸ جون ۱۹۲۹ء کو امتہ الحفیظ سے ہوئی تھی اور ان کا انتقال ۱۱ اگست ۱۹۵۷ء کو ہوا تھا۔ مولانا غلام رسول مہر۔ از ڈاکٹر شفیق احمد۔ ص ۱۰۲۔ ۱۰۰

(۳) مولانا مہر ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو "خسرو" جہاز کے ذریعے روانہ ہوئے اور ۲ مئی ۱۹۳۰ء کو جدہ پہنچے اور ارکان حج کی ادائیگی کے بعد ۲۹ مئی ۱۹۳۰ء کو "دارا" کے ذریعے ہندوستان کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس سفر کے دوران آپ مدینہ منورہ نہ جا سکے تھے' جس کا انھیں افسوس رہا۔

(۴) ایام حج کے دوران صرف ایک دن میدان عرفات میں قیام کرنا پڑتا ہے ورنہ باقی ایام منیٰ میں بسر کئے جاتے ہیں۔ وقوف عرفات کے دوران ہی عموماً حاجی صاحبان اپنا خیمہ بھولتے ہیں۔

(۵) اخبار کے متن میں سہو کتابت کی بنا پر "۲ اپریل" درج تھا۔

(۶) اس زمانے میں بخدو حجاز کا ڈاک کا نظام بہت ناقص تھا' چنانچہ سفر حج کے دوران تحریر کردہ بیشتر خطوط مہر صاحب نے لاہور واپس آنے کے بعد "انقلاب" میں شائع کئے تھے۔

(۷) مہر دوسری گول میز کانفرنس منعقدہ لندن کے کوائف قلم بند کرنے کے لئے ۸

Marfat.com

ستمبر ۱۹۳۱ء کو جنوآ جہاز کے ذریعے انگلستان روانہ ہوئے تھے۔ آپ یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء کو لندن پہنچے تھے اور یہاں آپ کا قیام ۲۱ نومبر ۱۹۳۱ء تک رہا تھا۔ بعد از آں آپ اٹلی، مصر، اور بیت المقدس سے ہوتے ہوئے ۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء کو "ملسنا" جہاز کے ذریعے بمبئی تشریف لائے۔ پنڈت مدن موہن مالویہ اور گاندھی جی دوسری گول میز کانفرنس کے مندوبین تھے۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ سفر نامہ اقبال۔ مرتبہ محمد حمزہ فاروقی۔ اشاعت ثانی۔ ۱۹۸۹ء۔ مکتبہ اسلوب کراچی

(۸) مہر صاحب نے یہ سفر لندن کی زیر زمین ریل کے ذریعے کیا تھا۔ اس ریل کے ذریعے لندن کے مختلف حصوں کو ملا دیا گیا تھا اور کسی شخص کے لئے بھی زیر زمین ریل میں سفر کے دوران حدود لندن سے باہر نکلنا ممکن نہ تھا۔

مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ حیات اقبال کے چند مخفی گوشے۔ مرتبہ محمد حمزہ فاروقی ص ۴۴۳ و ۴۹۰۔ ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب لاہور مارچ ۱۹۸۸ء

(۹) مراد کانگرس ہے۔

(۱۰) سہو کتابت کی بنا پر اخباری متن میں یہ لفظ موجود نہ تھا۔

(۱۱) شاردا ایکٹ کے ذریعے بچپن کی شادیوں پر پابندی عائد کی گئی تھی اور شادی کے لئے لڑکے اور لڑکی کی کم از کم عمر ۱۸ سال اور ۱۴ سال متعین کی گئی تھی۔ بعض علما کے نزدیک یہ ایکٹ شریعت اسلامی سے متصادم تھا۔

(۱۲) مولانا محمد علی کو کہیں سے یہ علم ہوا کہ خواجہ حسن نظامی نے چیف کمشنر دہلی سے ان کی شکایت کی تھی اور ان کی گرفتاری کا مشورہ دیا تھا۔ مولانا نے "ہمدرد" میں "ختم خواجگی" کے عنوان سے خواجہ صاحب کے خلاف کئی افتتاحیہ تحریر فرمائے۔ خواجہ صاحب نے مولانا کا جواب دینے کے لئے پہلے تو "غریبوں کا اخبار" نکالا پھر "منادی" میں بھی لکھنے لگے۔ "منادی" کے مقابلے میں خواجہ صاحب کے مخالفوں نے "سنا دی" نکالا دوسری طرف سے "اڑا دی" شائع ہوا۔ غرض دو تین مہینے خوب گھمسان کی جنگ ہوئی۔ آخر حکیم اجمل خاں اور دیگر حضرات نے بیچ بچاؤ کروا دیا اور اس جنگ کا خاتمہ ہوا۔

یاران کہن۔ از عبد المجید سالک۔ ص ۱۷۲۔ ۱۷۱۔ مطبوعات چٹان لاہور۔

Marfat.com

۱۹۵۶ء

۱۳ تا ۱۷ "انقلاب" کے اوراق کرم خوردہ تھے' اس لئے نمبر ۱۳ سے ۱۷ تک قوسین کے درمیان پڑھے نہ جا سکے تھے۔ قیاسی اضافہ از مرتب۔

۱۸ ۔ ۱۹ ۔ ۲۰ ایضاً

(۲۱) "انقلاب" میں یوم چہار شنبہ لکھنے کے بجائے اسلامی تاریخ یکم محرم الحرام ۱۳۵۰ھ درج تھا۔ "انقلاب" کی جلدوں کا آغاز سن ہجری سے ہوتا تھا۔

(۲۲) سہو کتابت کی وجہ سے اخبار کے متن میں یہ لفظ نہ تھا۔

(۲۳) نیاز فتح پوری نے بھوپال سے فروری ۱۹۲۲ء کو "نگار" کا اجرا کیا تھا اور ۱۹۲۷ء میں آپ لکھنؤ منتقل ہو گئے۔ لکھنؤ آنے کے بعد آپ نے دینی موضوعات مثلاً ولادت و وفات حضرت عیسیٰ ' جنت و دوزخ وغیرہ پر خامہ فرسائی کی اور اسلامی عقاید کی مخالفت میں مضامین لکھے۔ نیاز صاحب مغرب کی عقلیت پرستی سے متاثر تھے اور آپ تقلید جامد کے خلاف تھے۔ قدامت پسند حلقوں نے ان خیالات کو کفرو الحاد سے تعبیر کیا تھا۔ نیاز کے خلاف مہم میں مولانا عبد الماجد دریا بادی مدیر "سچ" اور علامہ سید سلیمان ندوی پیش پیش تھے۔ یہ نیاز صاحب کا دور تشکیک تھا۔

نیاز صاحب ایک صاحب طرز ادیب تھے اور اردو ادب میں رومانوی تحریک کے بانیوں میں سے تھے۔ آپ کا اسلوب تحریر عربی و فارسی تراکیب سے مزین اور طنزیہ و مزاحیہ رنگ لئے ہوئے تھا خصوصاً آپ کا طنز اس قدر شدید ہوتا تھا کہ لوگ تلملا اٹھتے تھے۔ آپ نے ابتدا میں رومانی انداز میں افسانے تحریر کئے تھے لیکن بعد میں تاریخی' دینی اور ادبی موضوعات پر قلم آزمائی کی تھی اور ان کی تحریروں سے قدامت پسند حلقوں میں بھونچال آگیا تھا۔

(۲۴) سالک جب نومبر ۱۹۲۱ء میں گرفتار ہوئے تھے تو مولانا عبد اللہ بھی کچھ عرصے بعد قید ہو گئے اور سالک کے وارڈ میں رہے تھے۔ انھوں نے آتے ہی باورچی خانے کا انتظام سنبھال لیا تھا اور سالک اور ان کے جیل کے ساتھیوں کی خدمت کرنے لگے تھے۔ یاران کہن۔ ص ۱۶۴

(۲۵) بعد میں یہ صاحب اینگلو انڈین ہمسائے کی لڑکی کو اغوا کر کے لے گیا۔ سالک نے حکیم صاحب سے کہا کہ "حضرت کو قانون آپ کو کچھ نہ کہے لیکن اس اغوا میں

Marfat.com

اعانت مجرمانہ کا ارتکاب آپ سے بھی ہوا ہے۔"

ایضاً۔ ص ۱۸۳۔ ۱۸۲۔

(۲۶) اشارہ ہے سراجیو (یوگو سلاویہ) کے ایک آدمی کی جانب جس نے پرخوری کا ریکارڈ قائم کیا تھا۔

(۲۷) محمد عبد اللہ چغتائی جو اس زمانے میں اسلامیہ کالج میں لیکچرر تھے۔

Marfat.com

باب سوم

سرگزشت انقلاب

Marfat.com

Marfat.com

سرگزشت "انقلاب"

(۱)

روزنامہ "انقلاب" کی بعض ممتاز خصوصیتوں کا ذکر جا بجا ہو رہا ہے۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ اخبار بہت جلد نکلا' بہت خوب نکلا اور بہت زیادہ فروخت ہوا۔ پانچ ہزار کاپیاں یوں اڑ گئیں جیسے عاشق کا رنگ یا گوری کا جوبن لیکن ایک اور خصوصیت بھی ہے' جس کی طرف ہم قارئین کرام کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ دنیا میں آج تک کوئی ایسا اخبار نہیں نکلا جس کا نام اس کے پہلے ہی صفحے پر اس قدر کثرت سے دہرایا گیا ہو۔ اعداد و شمار کے محکمہ کی رپورٹ ہے کہ "انقلاب" کے پہلے پرچے کے صفحہ اول پر اگر "منقلب" اور "ینقلبون" کو مستثنیٰ بھی کر دیا جائے تو لفظ "انقلاب" بیس دفعہ آیا ہے۔ یقین نہ ہو تو گن کر دیکھ لیجئے۔

ایک مکرم دوست کا گرامی نامہ کوہاٹ سے شرف صدور لایا ہے جسے ہم بجنسہٖ ذیل میں درج کرتے ہیں :۔

'غالباً حضرت علامہ اقبال مدظلہ' کے دل میں مدت سے یہ خواہش تھی کہ "زمیندار" کی نہاد دگرگوں ہو جائے اور آخر انھوں نے اسے ظاہر بھی کر دیا۔ چونکہ وہ ایک شب خیز عابد ہیں' اس لئے ان کی دعا مقبول ہوئی اور ان کے دل میں "انقلاب" کی آرزو کا خون نہ ہوا۔ یعنی "چنیں کن" کی دعا پوری ہو گئی اور "چناں کن" نہ ہو سکا۔ حضرت فرماتے ہیں۔

یا بکش در سینہ من آرزوئے "انقلاب"
یا دگرگوں کن نہاد ایں زمان و ایں "زمیں"

پا چناں کن یا چنیں !

اس کے بعد آپ لکھتے ہیں :۔

بے ادبی معاف چونکہ آپ حسن پرست یعنی شاعر ہیں' لہٰذا ایک طرح سے "برہمن" ہوئے حضرت علامہ فرماتے ہیں۔

Marfat.com

یا "برہمن" را بفرما "نوخداوندے" تراش
یاخود اندر سینۂ "زناریاں" خلوت گزیں
یا چناں کن یا چنیں!

یہاں اول الذکر شعر کے خلاف "چناں کن" کی دعا مقبول ہوگئی اور "چنیں کن" کا حصہ یونہی رہ گیا"۔

ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ حضرت علامہ کے کلام کی تاویل اپنے ذوق اور اپنی ضرورت کے مطابق کرے لیکن ہم بنظر ادب ان شعروں کے معاملے میں اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں ---

انقلاب۔ جلد ا۔ نمبر ۲۔ جمعہ۔ ۸ اپریل ۱۹۲۷ء

(۲)

بعض احباب شکایت کرتے ہیں کہ اگرچہ "انقلاب" کے "افکار و حوادث" اپنی ادبیت' زبان کی سلاست و دل کشی اور تفریح آمیز خیالات سے خالی نہیں ہیں لیکن ابھی کچھ زیادہ چٹ پٹا مسالہ فراہم نہیں کیا گیا اور ابھی "افکار" کا انجن گرمایا نہیں ہے۔ ان دوستوں کی شکایت سر آنکھوں پر لیکن ان کو معلوم رہنا چاہئے کہ "مدیر افکار و حوادث" وہی شخص ہے جو چار سال سے آپ حضرات کی داد و تحسین کا مورد چلا آتا ہے۔ چندے صبر کیجئے' ذرا دفتر کی ابتدائی پریشانیوں سے نجات مل جائے تو انشاء اللہ پہلے سے بھی بہتر مسالہ فراہم ہوگا اور اس خاکستر سے ایسی چنگاریاں اڑیں گی کہ زمانہ دیکھے گا۔

لیکن آپ حضرات کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ "افکار' حوادث" کا مدعا محض ہنسنا ہنسانا نہیں ہے بلکہ سادہ و سلیس انداز بیان سے قوم کی مختلف خرابیوں پر لطیف چوٹیں کرنا اور دنیا کی ہر لایعنی و بیہودہ بات کا مذاق اڑانا ہے تاکہ اخلاق' مذہب' معاشرت اور ادب کے شعبوں میں قوم کے مذاق کی اصلاح ہو۔ انشاء اللہ مدیر "افکار" اپنے ان فرائض کو ہمیشہ بوجہ احسن ادا کرتا رہے گا۔

انقلاب۔ جلد ا۔ نمبر ۵۔ سہ شنبہ۔ ۱۲ اپریل ۱۹۲۷ء

Marfat.com

(۳)

.... پرائی ویٹ (ا) حاجی دین محمد صاحب (دارالفنون) لاہور کی خدمت میں عرض ہے کہ دفتر "انقلاب" کا بورڈ اب تک نہیں پہنچا۔ کیا آپ نے بقر عید کے دوسرے دن کا وعدہ فرمایا تھا؟ ہم نے بڑی غلطی کی کہ عید الفطر سمجھے۔

(۲) بابو بشیر احمد صاحب انسپکٹر اورینٹل بیمہ کمپنی جہاں کہیں بھی ہوں ایک دن کی چھٹی لے کر لاہور آجائیں' ہمیں ان سے ایک ضروری کام ہے لیکن یہ ہم پہلے ہی سے عرض کئے دیتے ہیں کہ ہم بیمہ کرانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

انقلاب۔ جلد ا۔ نمبر ۱۱۔ سہ شنبہ۔ ۱۹ اپریل ۱۹۲۷ء

(۴)

پرائی ویٹ -- چند روز ہوئے ہم نے "انقلاب" کی ایک اشاعت میں اسی مقام پر حضرت حاجی دین محمد صاحب کی خدمت میں دفتر "انقلاب" کا بورڈ جلد تیار کرنے کے متعلق گزارش کی تھی اور اس کے ساتھ ہی بھائی بشیر احمد کو لاہور طلب کیا تھا۔ بھائی بشیر تو فی الفور اپنا کام چھوڑ چھاڑ کر آن پہنچے لیکن حاجی صاحب کی توجہ اب تک مبذول نہیں ہوئی۔ حاجی صاحب جیسے بزرگوں کو یہ زیبا نہیں ہے کہ ہم جیسے نیاز مندوں کے ساتھ مذاق کریں۔

انقلاب۔ جلد ا۔ نمبر ۱۸۔ چہار شنبہ۔ ۲۷ اپریل ۱۹۲۷ء

(۵)

آج کل لاہور کے لوگ ۸ بجے شام ہی سے اپنے ڈربوں میں دبک جاتے ہیں اور صبح کے پانچ بجے تک گلیاں اور سڑکیں ان کے قدوم میمنت لزوم سے محروم رہتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کے اس حکم سے بہت سے لوگوں کو دقت ہو رہی ہے لیکن سچ یہ ہے کہ ۔

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

اخبار نویسوں کے لئے تو یہ حکم سچ مچ پیغام رحمت ثابت ہوا ہے۔ دن بھر فسادات کی خبریں فراہم کرنے' زخمیوں کے حالات دیکھنے' ذمہ دار حکام سے ملاقاتیں کرنے اور مصیبت زدوں کی شکایتیں سننے سے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ اخبار کے لئے چند مضامین ہی مرتب کرلیں۔ اگر یہ حکم نافذ نہ ہوتا تو رات کا ابتدائی حصہ بھی اسی

Marfat.com

کشمکش پیہم میں بسر ہو جاتا۔ اب اللہ کے فضل اور مسٹر اوگلوی کی مہربانی سے اتنا وقت مل جاتا ہے کہ ہم نہایت سکون سے خلوت میں بیٹھ کر مضامین لکھ لیتے ہیں۔ اس وقت نہ کوئی شخص آکر مخل ہوتا ہے نہ بازار میں سے "بازاریوں" کے شوروغل کی آواز یک سوئی خیال میں خلل انداز ہوتی ہے۔لـه

بھائی مہر صاحب کی رائے یہ ہے کہ اگر یہی حکم دن کے وقت بھی نافذ کر دیا جائے تو بہت ہی اچھا ہو تاکہ خبروں کی ترتیب اور ضروری اطلاعات کا ترجمہ بھی آسانی سے ہو جایا کرے اور وہ "ناخواندہ" مہربان جو محض تازہ خبریں سننے کی غرض سے دفتر میں آکر گھنٹوں اپنا اور ہمارا وقت ضائع کیا کرتے ہیں اور کچھ نہیں تو پولیس اور فوج ہی کے خوف سے ہم پر کرم کریں۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ا۔ نمبر ۳۰۔ سہ شنبہ۔ ۱۰ مئی ۱۹۲۷ء

(۶)

حکیم فقیر محمد صاحب چشتی نظامی کو "انقلاب" کے خریداروں میں شرف اولیت حاصل ہے۔ ابھی "انقلاب" معرض وجود میں بھی نہ آیا تھا کہ آپ نے سال بھر کا چندہ دے کر بتاکید اپنا اسم گرامی رجسٹر میں سب سے پہلے درج کرایا' حالانکہ سالک و مہر کا ارادہ تھا کہ سب سے پہلے اپنے اخبار کے خریدار خود بنیں لیکن اس ارادے نے ابھی عملی صورت اختیار نہ کی تھی کہ حکیم صاحب قبلہ پندرہ روپے لے کر آدھمکے اور "کرسی صدارت" پر قبضہ کرلیا۔۔۔۔

ہم اپنے قارئین کرام کو نہایت مسرت سے اطلاع دیتے ہیں کہ آج کل یہ شرف اولیت مسٹر سی۔ ایم۔ جی اوگلوی آئی۔ سی۔ ایس ڈپٹی کمشنر لاہور کو حاصل ہے۔ دو تین دن ہوئے آپ نے تحصیل کے ایک چپراسی کے ہاتھ ایک حکم نامہ مہتمم صاحب "انقلاب" کے نام بھیجا جس میں مرقوم تھا کہ روزانہ آپ کے پرچے کی جو پہلی کاپی مطبع سے چھپ کر نکلے وہ ہمیں دے دیا کیجئے۔ جواب میں لکھا گیا کہ آپ اگر دس بجے اپنا چپراسی بھیج دیا کریں گے تو آپ کی یہ آرزوئے اولیت پوری کر دی جائے گی چنانچہ آپ روزانہ دس بجے نہایت پابندی وقت کے ساتھ اپنے چپراسی کو موازی ایک آنہ نصف جس کا ایک ٹکہ ہوتا ہے' دے کر رفیق عام پریس بھیج دیتے ہیں اور پہلا اور اچھوتا اخبار منگا کر پڑھتے ہیں۔

Marfat.com

مسٹر اوگلوی خوش ہوں یا ناراض ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ روزانہ چار پیسے دے کر اخبار خریدنا ڈپٹی کمشنر کی شان کے لائق نہیں ہے۔ آپ کو باقاعدہ خریدار بننا چاہیے کہ امرا اور حکام کا شیوہ یہی ہے لیکن صاحب بہادر بھی معذور ہیں۔ مستقل خریدار بننے سے ایک تو شرف اولیت ہاتھ سے جاتا ہے ا دوسرے آپ فی الفور اخبار پڑھنا چاہتے ہیں تاکہ اگر اس میں کوئی ایسی ویسی بات درج ہو تو فی الفور ضبطی کا حکم صادر فرما سکیں [له]

ہمارے بعض خریداروں کے مقاصد بھی کتنے افسوس ناک ہیں کہ جس اخبار کو خرید کر پڑھتے ہیں اسی کو ضبط کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ا ۔ نمبر ۳۱۔ چہار شنبہ۔ ۱۱ مئی ۱۹۲۷ء

(۷)

حکومت پنجاب کی "سیکرٹریٹ" کی ایک شاخ "پریس برانچ" کے نام سے موسوم ہے۔ قانون یہ ہے کہ ہر اخبار کی ہر اشاعت کے دو پرچے باقاعدہ لیکن بے قیمت اس دفتر کو مہیا کیے جائیں۔ اس دفتر کا "مبارک" فرض یہ ہے کہ اخبار میں جو قابل اعتراض حصہ نظر آئے' اس کا انگریزی ترجمہ کر کے حکام تک پہنچا دیا جائے تاکہ وہ اس اخبار پر مقدمہ دائر کر کے اس کے مدیر طابع و ناشر کو بڑے گھر کی سیر کرا سکیں۔ اس دفتر کے کارپرداز اپنے کام میں اس قدر چست اور مستعد واقع ہوئے ہیں کہ اگر کسی اخبار کے شائع ہونے کے دوسرے دن تک دفتر میں دو پرچے نہ پہنچیں تو فی الفور ایک چھپا ہوا کارڈ ناشر جریدہ کے نام بھیجا جاتا ہے' جس میں اسے قانون کی یاد دہانی کی جاتی ہے اور وجہ دریافت فرمائی جاتی ہے کہ پرچہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔ لیکن بعض اوقات "پریس برانچ" کے خشک کاروبار میں بھی کوئی نہ کوئی چیز افکار و حوادث کا سامان ہو ہی جاتی ہے۔ قارئین کو معلوم ہے کہ ۵ مئی کے روزنامہ "انقلاب" (مورخہ ۶ مئی) کا پرچہ مقامی حکومت کے حکم سے ضبط کر لیا گیا تھا اور ہمارے مکرم شیخ محمد اعظم صاحب تھانہ دار لالہ نند لال مینخندہ کے فرمان قضا کی تعمیل میں دفتر "انقلاب" سے ایک ایک پرچہ اٹھا لے گئے تھے لیکن ۷ مئی کا ذکر ہے کہ صبح ہی صبح "پریس برانچ" کا ایک کارڈ ہمیں موصول ہوا جس میں حسب عادت دستور اپنے دو پرچوں کے نہ پہنچنے کا رونا رویا گیا تھا۔

Marfat.com

بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجی است

ہم حیران ہیں کہ "پریس برانچ" والوں کی اس حرکت کو "کمال بے خبری" سے تعبیر کریں یا "انتہائے باقاعدگی" کا نتیجہ سمجھیں۔ جب اس دن کے مردہ "انقلاب" کی ہڈیاں سب کی سب "سگ کوئے یار" کے حصے میں آگئیں تو ظاہر ہے کہ ہم ہما کی تواضع کیونکر کرسکتے ہیں؟۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۱۔ نمبر ۳۶۔ دو شنبہ۔ ۱۷ مئی ۱۹۲۷ء

(۸)

"مفت خور" اس شخص کو کہتے ہیں جو نہ محنت کرنا چاہے' نہ پیسہ خرچ کرنا چاہے بلکہ ہر جگہ سے کچھ نہ کچھ کھانے اڑانے کی کوشش کرے۔ اسی طرح "مفت خواں" وہ طبقہ ہے جو اخبار کے لئے چار پیسے خرچ کرنا داخل اسراف سمجھتا ہے اور کسی دارالمطالعہ میں جاکر کسی ایجنٹ کی آنکھ بچاکر اخبار پڑھ لینا انتہائے دانش مندی خیال کرتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں اردو اخباروں کی اشاعت کیوں نہیں بڑھتی۔ ہم کہتے ہیں کہ جب تک مفت خوانوں کا گروہ باقی ہے' اخباروں کی حالت سدھر ہی نہیں سکتی خواہ اخبار نویس اچھے سے اچھے مضامین لکھتے لکھتے پاگل ہی کیوں نہ ہوجائیں۔

امرتسر میں روزنامہ "انقلاب" کے ایجنٹ خواجہ عبدالرحیم صاحب عاجز ہیں جن کی دکان کٹڑہ جیمل سنگھ میں واقع ہے چونکہ آپ نے اجرائے "انقلاب" سے پہلے اخباروں کی ایجنسی کا کام کبھی نہ کیا تھا اور "انقلاب" ہی کی وجہ سے آپ کی زندگی میں یہ "انقلاب" پیدا ہوا ہے' اس لئے آپ "مفت خوانوں" سے بہت گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں چنانچہ آپ نے حال ہی میں ہمیں ایک مکتوب بھیجا ہے۔ جس میں مفت خوانوں کی چند قسمیں بیان کی ہیں چونکہ یہ طبقہ ہندوستان کے ہر شہر اور ہر قصبہ میں موجود ہے' اس لئے ہم عاجز صاحب کی تجویز کردہ اقسام ذیل میں درج کرتے ہیں۔ شاید کوئی سعید روح اس سے عبرت پکڑے اور "مفت خوانی" سے باز آجائے۔۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۱۔ نمبر ۴۲۔ سہ شنبہ۔ ۲۴ مئی ۱۹۲۷ء

(۹)

لاہور میں کئی سال سے ایک شخص رہتا ہے جس سے اس کا نام اور وطن

Marfat.com

دریافت کیجئے تو بے ساختہ کہہ دیتا ہے۔ میرا نام "چنانچہ مرچنٹ رہنے والا بانس بریلی کا" ۔ خدا جانے یہ "چنانچہ" کس متاع گراں مایہ کا نام ہے جس کی تجارت کا کام ان بریلوی بزرگ نے اختیار کر رکھا ہے۔ بہرحال "چنانچہ مرچنٹ" صاحب لاہور کے تمام حلقوں میں مشہور ہیں اور ہر گلی کوچے اور بازار میں آپ کا استقبال نہایت گرم جوشی سے کیا جاتا ہے۔

آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ٹانگوں اور آپ کے گلے میں ایک لازوال طاقت کا خزانہ جمع کر رکھا ہے یعنی آپ پھرتے بہت ہیں اور بہت بولتے ہیں۔ آپ کی تیز اور نہایت بلند آواز نہایت سامعہ آزما ہوتی ہے۔ قدرت نے آپ کی قابلیتوں کے مطابق ہی آپ کو کام دے رکھا ہے۔ شہر میں اشتہارات تقسیم کرنا، کسی تماشے یا تجارتی کاروبار کی منادی کرنا آپ کا پیشہ خصوصی ہے۔ ماہ رمضان میں آپ تراویح سے فارغ ہوتے ہی بازاروں میں سحری کا پروپیگنڈا شروع کر دیتے ہیں اور اول تو روزہ داروں کو سونے ہی نہیں دیتے اور اگر کوئی سو بھی جائے تو آپ کی آواز اس قدر خواب شکن واقع ہوئی ہے کہ زندہ انسان تو درکنار مردے بھی کفن پھاڑ کر اٹھ بیٹھیں۔ ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ جو روزہ دار ڈھول اور کنستر کی ہنگامہ خیز آواز سے بھی سحری کے لئے بیدار نہیں ہوئے، وہ "چنانچہ مرچنٹ" کی ایک ہی للکار سے اٹھ بیٹھے۔ چونکہ آج کل آپ شہر میں روزنامہ "انقلاب کی منادی" آنریری طور پر کر رہے ہیں لہٰذا آپ کی اس خدمت اسلامی کے اعتراف میں یہ چند سطور لکھ دی گئی ہیں تاکہ سند رہیں اور وقت ضرورت کام آئیں۔

اخبارات کی اشاعت کا سب سے بڑا دشمن "ریڈنگ روم" ہے۔ جس شہر میں کسی اخبار کا ایجنٹ پچاس پرچے فروخت کرتا ہو، اس میں دو "ریڈنگ روم" کھول دیئے جائیں تو ایجنٹ بالکل بے کار ہو جائے گا کیونکہ جن لوگوں کو ریڈنگ روم میں بے مزد و محنت اخبار پڑھنے کو مل جائے وہ اسے خود کاہے کو خریدیں گے لیکن اس کے باوجود جس وقت کسی "ریڈنگ روم کے مہتمم صاحب ہمیں یہ لکھتے ہیں کہ "یہ مسلمانوں کا ریڈنگ روم ہے اور چونکہ حال ہی میں قائم ہوا ہے اور مالی امداد کا سخت محتاج ہے لہٰذا آپ نصف قیمت پر اس کے نام "انقلاب" جاری کر دیجئے" ۔ تو بخدا اس قدر طیش آتا ہے کہ اگر مہتمم صاحب سامنے موجود ہوں تو امن عامہ میں یقیناً

Marfat.com

خلل پڑ جائے۔ لیجئے صاحب، ایک طرف تو ہم ریڈنگ روم کو پرچہ دے کر متعدد خریداروں کا نقصان اٹھائیں اور دوسری طرف "ریڈنگ روم" سے بھی نصف قیمت ہی وصول کریں، جس میں ڈاک کا خرچ بھی مشکل ہی سے پورا ہو، آخر یہ کہاں کا انصاف ہے؟

ہم اس قسم کے خطوط کا جواب انہی کی تقلید میں یوں دیا کرتے ہیں "انقلاب مسلمانوں کا اخبار ہے اور چونکہ حال ہی میں جاری ہوا ہے اور مالی امداد کا سخت محتاج ہے، لہٰذا آپ دگنی قیمت دے کر اسے خریدیئے اور اپنے ایثار کا ثبوت دیجئے"۔ اس جواب کا نتیجہ علی العموم یہ ہوتا ہے کہ تیسرے چوتھے دن پندرہ روپے کا منی آرڈر ریڈنگ روم کی طرف سے موصول ہوجاتا ہے اور اخبار اس کے نام باقاعدہ جاری کردیا جاتا ہے۔

ہمارا ارادہ ہے کہ تمام اخباروں کے مینیجروں کا ایک جلسہ منعقد کریں، جس میں ریڈنگ روم کے مسئلہ پر غور و خوض کیا جائے اور آخر میں یہ قرار دیا جائے کہ کسی ریڈنگ روم کے نام دگنی قیمت سے کم پر اخبار نہ جاری کیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری اس تجویز کو معاصرین کرام پسند فرمائیں گے۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۱۔ نمبر ۴۵۔ شنبہ۔ ۲۸ مئی ۱۹۲۷ء

(۱۰)

اخباروں کے دفتروں میں صدہا خطوط روزانہ موصول ہوتے ہیں اور ان کا تنوع نہایت دل فریب ہوتا ہے، ہم ایڈیٹر کی ڈاک پر بارہا اظہار خیالات کرچکے ہیں لیکن کبھی کبھی کوئی نہ کوئی چیز ایسی نظر پڑ ہی جاتی ہے کہ اس شیوہ پامال کو ازسرنو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً آج ہی ایک صاحب کا خط ملا ہے جس کی ہوبہو نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

بخدمت اقدس جناب غلام رسول مہر بی اے دام اقبالہ:۔

السلام علیکم۔ بندہ خیریت سے ہے اور آں جناب کی خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتا ہوں۔ احوال یہ ہے کہ انقلاب اخبار جو کہ روزانہ آپ نے جاری کی ہے، ایک سال کے لئے مفت اگر جاری کردیویں تو بہتر ہے، ورنہ آپ کی مرضی ہے۔

مہربانی کر کے بالکل یہ اخبار بندہ کے نام پر جاری کردیں۔ خاکسار میاں جی

Marfat.com

رحمت اللہ چک نمبر۱۹ ڈاکخانہ ۱۹۸ تحصیل و ضلع لائلپور

اس قسم کا لا ابالیانہ خط غالباً آج تک کسی اخبار کے ایڈیٹر کو نہ لکھا گیا ہوگا کہ اگر "ایک سال کے لئے اخبار مفت جاری کرنا ہے تو کردو' ورنہ تمہاری خوشی"۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ "اگر تم نے مفت جاری کردیا تو خیر ورنہ اس کا خمیازہ خود بھگت لو گے"۔ اب ہم حیران ہیں کہ کریں تو کیا کریں۔ اگر اس شخص نے اپنی ناداری کا عذر پیش کر کے قیمت میں رعایت طلب کی ہوتی یا اپنے حالات لکھ کر استدعا کی ہوتی کہ مجھے مفت اخبار ملنا چاہئے' جب بھی اس کی استدعا پر غور کیا جاسکتا تھا لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ "مفت جاری کرتے ہو تو کردو ورنہ تمہاری مرضی"۔

انقلاب۔ جلد ا۔ نمبر ۶۷۔ شنبہ۔ ۲۵ جون ۱۹۲۷ء

(۱۱)

پنجاب کونسل کے ایک ممبر صاحب ہیں جن کا اسم گرامی چودھری رام سنگھ ہے۔ آپ کو خدا جانے روزنامہ "انقلاب" سے خواہ مخواہ کی دشمنی کیوں ہوگئی ہے کہ آپ نے پنجاب کونسل کے آئندہ اجلاس میں اس روزنامے کے خلاف حکومت سے دو بے سروپا سوالات کرنے کا نوٹس دے دیا ہے۔ سوالات درج ذیل ہیں :۔

اول۔۔ کیا معزز فنانس ممبر بتائیں گے کہ ان کی توجہ لاہور کے اخبار "انقلاب" کے ۲۸ جون کے پرچے کی طرف مبذول کرائی گئی ہے جس میں اخبار مذکور نے انجمن خدام الدین کے پاس کردہ ریزولیوشن پر رائے زنی کرتے ہوئے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے مہاشہ راج پال مصنف کتاب "رنگیلا رسول" کی زندگی خطرے میں پڑ جانے کا احتمال ہے"۔

"اگر یہ صحیح ہے تو کیا معزز فنانس ممبر بتائیں گے کہ حکومت اس اخبار کے خلاف کیا کارروائی کرنے کو تیار ہے"؟

دوسرا سوال ملاحظہ فرمانے سے پیشتر پہلے سوال کا جواب سن لیجئے۔

"انقلاب" مورخہ ۲۸ جون نہایت غور سے دیکھا گیا۔ اس میں انجمن خدام الدین کے کسی ریزولیوشن پر رائے زنی نہیں کی گئی اور جب رائے زنی نہیں کی گئی تو "الفاظ" بھی استعمال نہیں کئے گئے اور جب "الفاظ" استعمال نہیں کئے گئے تو مہاشہ راج پال کی زندگی خطرے میں پڑ جانے کا احتمال بھی کوئی نہیں۔

Marfat.com

جب رائے زنی بھی نہیں کی گئی' الفاظ بھی استعمال نہیں کئے گئے اور مہاشہ راج پال کی زندگی بھی خطرے میں نہیں پڑی تو پھر گورنمنٹ اس اخبار کے خلاف کوئی کارروائی کیونکر کرسکتی ہے۔

چودھری رام سنگھ کو چاہئے تھا کہ سوال کا نوٹس دینے سے پہلے "انقلاب" مورخہ ۲۸ جون اٹھا کر اتنا تو دیکھ لیتے کہ انجمن خدام الدین کی قراردادوں پر رائے زنی کی بھی گئی تھی یا نہیں۔

دوسرا سوال (الف)۔ "کیا معزز" فنانس ممبر بیان فرمائیں گے کہ لاہور کے ایک اور روز نامہ اخبار انقلاب (گویا روز نامہ انقلاب دو ہیں) کے ۱۶ جون کے پرچے میں ایک مضمون بعنوان "مسٹر جسٹس دلیپ سنگھ مستعفی ہو جائیں"۔ اور "ان حالات کی تحقیقات کی جائے جس کے ماتحت انھوں نے مقدمہ "رنگیلا رسول" کا فیصلہ سنایا تھا" ۔ شائع ہوا تھا جو توہین عدالت کے مترادف ہے؟

(ب) کیا متذکرہ صدر مضمون گورنمنٹ کے علم میں لایا گیا ہے؟

(ج) اگر الف اور ب کا جواب اثبات میں ہے تو کیا گورنمنٹ از راہ نوازش بتائے گی کہ آیا وہ اخبار "انقلاب" کے خلاف مقدمہ چلانے کی ضرورت پر غور کرے گی؟

جواب ملاحظہ ہو:۔

جی ہاں' روزانہ اخبار "انقلاب" کی اشاعت مورخہ ۱۶ جون میں ان عنوانوں سے ایک مضمون شائع ہوا تھا لیکن وہ مضمون ایڈیٹوریل نہ تھا بلکہ "مسلم آوٹ لک" کے لیڈر کا ترجمہ تھا اور اخبار میں "مسلم آوٹ لک" کا حوالہ بھی دیا گیا تھا۔ یہ ترجمہ اس وقت شائع ہوا ہے جب عدالت عالیہ نے ابھی اس کی بنا پر "مسلم اوٹ لک" کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی تھی۔

اس مضمون کو "مسلم آوٹ لک" سے ترجمہ کر کے چھاپنا اور اس کا حوالہ دینا اور پھر اس پر کوئی تبصرہ نہ کرنا ہمارے نزدیک ہرگز توہین عدالت کے مترادف نہیں ہے۔

معزز ممبر کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر عدالت عالیہ کے فاضل جج اس ترجمہ کی اشاعت کو خلاف قانون تصور فرماتے تو وہ "انقلاب" کو بھی توہین عدالت کے جرم میں

Marfat.com

اسی طرح سزا دیتے جس طرح انہوں نے "مسلم آوٹ لک" کے مدیر و ناشر کو سزا دی تھی۔

جب عدالت عالیہ ہی نے اس ترجمہ کو قابل اعتراض نہیں سمجھا تو پھر حکومت کو کیا پڑی ہے کہ "مدعی ست گواہ چست" کی مصداق بنتی پھرے۔

جس طرح چودھری رام سنگھ نے ۲۸ جون کا "انقلاب" ملاحظہ فرمائے بغیر اپنا پہلا سوال مرتب کر لیا' اسی طرح "پرتاپ" مورخہ ۱۹ جولائی کے "گپی" نے "انقلاب" کا "شبیر نمبر" دیکھے بغیر یہ لکھ مارا ہے کہ "انقلاب" نے بھی "زمیندار" کی طرح اپنے اس نمبر میں اکابر اسلام کی تصویریں شائع کی تھیں۔ خدا گواہ ہے کہ ہم ان بے بصروں کی احمقانہ حرکتوں سے بہت ہی تنگ آ گئے ہیں جو بے بنیاد افسانے گھڑتے ہیں اور پھر ان پر اپنی رائے زنی کی بنیاد رکھ کر ہم سے داد صحافت چاہتے ہیں۔ "انقلاب" کے ہزار ہا قارئین گواہ ہیں کہ "شبیر نمبر" میں ایک بھی تصویر نہ تھی لیکن "گپی" صاحب برابر وہی گپ ہانکے جا رہے ہیں کہ تصویریں ضرور تھیں۔ اب آپ ہی فرمایئے کہ اس کا کیا علاج ہے؟.....

انقلاب۔ جلد ۲ نمبر ۱۳ چہار شنبہ۔ ۲۰ جولائی ۱۹۲۷ء

(۱۲)

بشیر بھائی کی طرف سے مندرجہ ذیل "کارروائی" بغرض اشاعت موصول ہوئی ہے:۔

آل انڈیا قارئین "انقلاب" کا ایک غیر معمولی اجلاس زیر صدارت حضرت خواجہ بشیر احمد صاحب رفیقی "افکار شاہی" (مرید خاص حضرت قدوۃ السا لکین قبلہ افکار شاہ صاحب مد ظلہ) منعقد ہوا۔ بحث و تمحیص کے بعد جناب صدر کی یہ تحریک اتفاق آرا سے منظور ہوئی:۔

"مسٹر جناح کی طرف سے "رجعت پسندی" کے الزام' چودھری افضل حق کی طرف سے "بد نیتی" کے طعنے اور مسٹر آصف علی کی بے معنی باتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے سرکار انگلشیہ سے تعاون کیا جائے اور درخواست کی جائے کہ روز نامہ "انقلاب" لاہور کے تمام ایسے پرچے جن میں "افکار و حوادث" شائع نہ ہوئے ہوں (خاص کر ۲۷۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۷ء کے پرچے) بجق مذاق سلیم و خوش طبعی ضبط کر لئے

Marfat.com

جائیں"[۳] ......

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۵۹۔ چہار شنبہ۔ ۱۱ جنوری ۱۹۲۸ء

(۱۳)

دہلی سے ایک دوست لکھتے ہیں :۔

کل جمعیتہ العلمائے ہند کے ایک معزز عہدے دار سے گفتگو کا اتفاق ہوا۔ "انقلاب" کے مسلک کا تذکرہ بھی آیا۔ اس پر وہ عہدہ دار صاحب فرمانے لگے کہ "انقلاب" تو سروں کی خوش نودی حاصل کرنے کے لئے لاہور لیگ کی تائید کر رہا ہے۔

ہم سمجھے نہیں۔ کیا ہمارے کرم فرما اسی جمعیتہ العلما کا ذکر تو نہیں کر رہے ہیں جس کے گزشتہ اجلاس کی مجلس استقبالیہ کے صدر سر عبد القیوم تھے ؟

جناب عبد القدیر صاحب (امرتسر) اپنے گرامی نامے میں از راہ کرم "افکار و حوادث" کی بے انتہا تعریف فرماتے ہیں۔ آپ کے مکتوب کی چند سطور درج ذیل کی جاتی ہیں۔

آپ نے "زمیندار" اور اس کے بعد "انقلاب" میں "افکار و حوادث" لکھ کر ایک بالکل جدید انداز انشا اور ایک اچھوتے نقطۂ خیال کی بنیاد رکھی ہے اور میری رائے میں اس کی جدت و شادابی ہی اس کی مقبولیت عام کا باعث ہوئی ہے۔ از راہ نوازش مطلع فرمائیے کہ ملک کے دوسرے اخباروں میں جو تفریح کے کالم لکھے جاتے ہیں، ان میں سے آپ کے ذوق کو کس کس کا انداز (تحریر پسند ہے ؟)[۴]

اس (کے)[۵] لئے خدمت میں یہ گزارش ہے کہ اس وقت ہندوستان بھر کے اردو اخباروں میں ہمیں تو صرف "نئی دنیا" (کلکتہ) کے "فکاہات" پسند ہیں جس کے مدیر مولوی چراغ حسن صاحب حسرت ہیں۔ آپ کے انداز تحریر کی سلاست، صحیح ظرافت کا ذوق، مطالب کا تنوع اور فن ادب و انشا کی مہارت قابل داد ہے۔ ہمیں مولوی چراغ حسن صاحب سے تعارف نہیں لیکن ہمارا یہ شک یقین کے درجے پر پہنچ چکا ہے کہ آپ پنجابی ہیں یا آپ کو زیادہ تر پنجاب میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے ......[۶]

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۷۱۔ پنج شنبہ۔ ۲۶ جنوری ۱۹۲۸ء

Marfat.com

(۱۴)

بے خبر اور جاہل آدمیوں کا کسی دھوکے میں مبتلا ہو کر سرمایہ مضحکہ بننا تو مقام تعجب نہیں لیکن بعض اوقات اچھے خاصے پڑھے لکھے آدمیوں پر بھی بد حواسی اس قدر مسلط ہو جاتی ہے کہ وہ سیدھی سی بات بھی نہیں سمجھتے اور دھوکے میں آجاتے ہیں۔

بے خبری اور جہالت کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ ہمارے دفتر میں ایک نہایت بھولے بھالے کاتب ملازم تھے ایک دن دوسرے کاتبوں نے ان کو بنانے کی ٹھان لی اور ان سے کہا کہ اس سال آخری چہار شنبہ اتوار کے دن پڑے گا اور ہمیں ایک دن کی تعطیل کا نقصان ہو گا۔ تم مینیجر سے کہو کہ اس کے بدلے میں ہفتہ یا پیر کے دن چھٹی دے دیں۔

یہ سن کر کہ اس سال سوئے اتفاق سے "آخری چہار شنبہ" اتوار کو ہو رہا ہے ان کاتب صاحب کو بہت صدمہ ہوا اور انھوں نے مینیجر صاحب کی خدمت میں پہنچ کر نہایت زور و شور سے گزارش کی کہ "صاحب میں نے سنا ہے' اس سال آخری چہار شنبہ اتوار کو پڑے گا' اس سے ہم غریبوں کی بڑی حق تلفی ہو گی' آپ مہربانی کر کے آخری چہار شنبہ کی تعطیل ہفتہ یا پیر کو کر دیجئے۔"

پہلے تو مینیجر صاحب کو اس کاتب کی صحت پر شبہ ہوا اور وہ سمجھے کہ کثرت کار سے اس کا دماغ مختل ہو گیا ہے لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ بقائمی ہوش و حواس اپنا مطالبہ پیش کر رہا ہے تو وہ ہنسی ضبط نہ کر سکے اور سارا دفتر قہقہوں سے گونج اٹھا....

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۸۰۔ پنج شنبہ۔ ۹ فروری ۱۹۲۸ء

(۱۵)

ہمارے جیل خانے کے رفیق اور "انقلاب" کے ایجنٹ خواجہ عبد الرحیم صاحب عاجز امرتسری "انقلاب" کے بعض فاقہ مست خریداروں کے ہاتھوں بہت تنگ آ رہے ہیں۔ اس سے پیشتر بھی آپ نے بعض "مفت خواں" اخبار بینوں کی عجیب و غریب حرکتوں پر اپنے خیالات "افکار" میں درج کرائے تھے۔ آج آپ کی طرف سے ایک اور خط موصول ہوا ہے جس میں اپنے بعض نادہند خریداروں کی حرکات کا رونا رویا ہے۔ آپ ایک صاحب کا ذکر کرتے ہیں' جن کی طرف پانچ روپے بقایا ہیں' وہ کئی روز سے اخبار لینے کے لئے عاجز صاحب کی دکان پر نہیں آئے لیکن جب کبھی بد قسمتی سے اس بازار میں تشریف لاتے ہیں اور اخبار کی صورت دیکھ کر آپ سے رہا نہیں جاتا تو

Marfat.com

نہایت بے تکلفی سے تشریف لا کر کہتے ہیں۔ "عاجز صاحب ذرا کاپی نکال کر میرا حساب تو دیکھئے گا۔" عاجز صاحب! اس خیال سے کہ شاید آج رقم ملے گی' جھٹ کاپی کھول کر حساب بتا دیتے ہیں۔

اس پر آپ ایک پرچہ اٹھا کر بغل میں دبا لیتے ہیں اور آہستہ سے فرماتے ہیں۔ "کل ٹھیک بارہ بجے لڑکے کو میرے مکان پر بھیج دیجئے گا۔"

عاجز صاحب فرماتے ہیں کہ "حضرت' لڑکے کو آپ کے مکان کا پتا معلوم نہیں"۔ آپ فرماتے ہیں "اچھا تو پھر کل ٹھیک ایک بجے اپنی دکان پر موجود رہیے گا' میں خود آکر حساب چکا دوں گا۔" لیکن دوسرے دن نہ وہ خود تشریف لاتے ہیں' نہ کسی کے ہاتھ رقم بھیجتے ہیں بلکہ بیس پچیس دن کے وقفہ سے پھر اسی طرح تشریف لا کر سبز باغ دکھا جاتے ہیں اور پرچہ لے جاتے ہیں۔ عاجز صاحب کا بیان ہے کہ دو تین دفعہ ایسا ہی واقعہ پیش آچکا ہے۔

ایک اور صاحب ہیں جن کی طرف چھ سات روپے واجب الادا ہیں۔ آج کل بد قسمتی سے بے روزگار ہو رہے ہیں' اور ہر وقت عاجز صاحب کی دوکان ہی پر اڈہ جمائے رہتے ہیں۔ تقاضا کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ جب میں بھرتی ہو کر جاؤں گا یا میرا سٹہ نکلے گا تو آپ کے روپے ادا کر دیئے جائیں گے۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو' آپ عاجز صاحب سے بھی یہی کہتے ہیں کہ "دعا کیجئے' میرا سٹہ نکل آئے"۔ اب فرمایئے ایک خلاف شرع مقصد کے لئے دعا کیونکر کی جائے اور اگر نہ کی جائے تو پیسے کس طرح وصول کئے جائیں۔

جب سے "زمیندار" اور "انقلاب" کی چپقلش شروع ہوئی ہے' ایک نئی قسم کے خریدار پیدا ہوئے ہیں۔ وہ دکان پر تشریف لاتے ہی "انقلاب" کا مطالعہ شروع کر دیتے ہیں۔ چونکہ "زمیندار" کا ایک پرچہ بھی دکان پر پڑا رہتا ہے' اس لئے اس کو بھی خوب دل لگا کر پڑھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ تنقید بھی کرتے چلے جاتے ہیں۔ آخر میں یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ "اخباروں میں تو کچھ بھی نہیں۔ کم بخت آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔"

اجی حضرت! آپ کو گمراہی کا ایسا ہی خوف ہے تو پھر آپ ان کو پڑھتے ہی کیوں ہیں؟ کہیں وہی بات تو نہیں کہ مفت کی شراب قاضی کو بھی حلال ہے....

Marfat.com

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۲۱۳۔ شنبہ۔ ۱۷ مارچ ۱۹۲۸ء

(۱۶)

اخباروں کی قیمت خریداروں سے اکثر وی۔ پی یعنی "قیمت طلب" کے ذریعے سے وصول کی جاتی ہے اگر وی۔ پی کے روپے وصول ہو جائیں تو مہتمم اخبار کی مسرت کا کچھ ٹھکانہ نہیں ہوتا لیکن اگر کچھ وی۔ پی واپس آجائیں تو اس قدر کوفت ہوتی ہے کہ فی وی۔ پی چلّو بھر خون خشک ہو جاتا ہے اور بے اختیار اس کے واپس کرنے والے کے حق میں ایسی دعائیں زبان سے نکلتی ہیں کہ اگر سن لے تو منہ نوچ لے۔ "انقلاب" کے خریداروں کی حالت عجیب ہے۔ ان کے چندوں کی میعادیں جب ختم ہونے پر آتی ہیں تو ان کے نام حسب دستور دفتر سے وی۔ پی بھیجے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ستر فی صدی حضرات تو نہایت شرافت سے روپیہ ادا کر دیتے ہیں لیکن باقی تیس فی صدی کے وی۔ پی کھوٹے پیسے کی طرح واپس آجاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر طبیعت جل جاتی ہے لیکن مزا یہ ہے کہ ان تیس میں سے کم و بیش بیس حضرات کی طرف سے دوسرے ہی دن معذرت کے خطوط آنے لگتے ہیں کہ حضرت معاف فرمائیے' میری یا میرے نوکر کی غفلت سے وی۔ پی واپس ہو گیا' آپ دوبارہ بھیج دیجئے' اس دفعہ ضرور ہی وصول کر لیا جائے گا۔ بعض شریف حضرات اس جرم واپسی سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ اخبار کی قیمت منی آرڈر کے ذریعے سے بھیج دیتے ہیں لیکن ہم ان حضرات کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر پہلے ہی احتیاط کر کے وی۔ پی وصول کر لیتے تو یہ ندامت کیوں اٹھانی پڑتی۔ ع

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

رہے باقی دس پانچ فی صدی "واپسی پیشہ" حضرات تو ان میں سے بعض تو وی۔ پی واپس کر کے خاموش ہو جاتے ہیں لیکن از راہ کرم واپسی کی وجوہ بتانے کی تکلیف بھی گوارا فرماتے ہیں مثلاً کوئی صاحب لکھتے ہیں "غریب ہوں قیمت ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔" کسی کی طرف سے یہ عذر ہوتا ہے کہ "اب مستقل خریداری کی ضرورت نہیں' ایجنٹ سے روزانہ لے لیا کروں گا" بعض فرماتے ہیں کہ آپ کی پالیسی سے اختلاف ہے' لہٰذا اخبار میرے نام بند کر دیجئے۔" یہ وجوہ نہایت معقول ہیں اور ہم ان عذرات کا احترام کرتے ہیں لیکن آج ایک نہایت عجیب و غریب وجہ سننے

Marfat.com

میں آئی جس کو پڑھ کر قارئین "افکار" محظوظ ہوں گے۔

کوہ مری کے پاس ایک مقام "تریٹ" واقع ہے۔ یہاں ایک صاحب سید محمد علی شاہ رہتے ہیں۔ آپ نے خود فرمائش کر کے تین ماہ کے لئے وی۔ پی طلب فرمایا جو حسب ارشاد بھیج دیا گیا۔ آج وہ وی۔ پی مع اطلاعی خط کے واپس آگیا۔ اطلاعی خط پر سرخ روشنائی سے انگریزی اور اردو حروف میں لکھا تھا۔

"جناب من۔ تسلیم۔ بوجہ چھوٹے ہونے تقطیع صفحہ واپس انکاری ہے۔"

اس فقرے کے ادبی محاسن سے قطع نظر کر کے ذرا واپسی کی وجہ ملاحظہ ہو۔ آپ کی "وسیع النظری" کا یہ عالم ہے کہ "انقلاب" کا کاغذ ۲۹ انچ لمبا اور ۲۲ انچ چوڑا ہونے کے باوجود بھی آپ کو چھوٹا نظر آتا ہے۔ اب ہم حیران ہیں کہ اس کو بلند نگاہی کہیں یا کوتہ نظری قرار دیں۔

ہمارے مکرم حکیم فقیر محمد صاحب قبلہ "انقلاب" کی تقطیع کو "جا نماز" سائز کہا کرتے ہیں لیکن سید محمد علی شاہ صاحب کو یہ "جا نماز" غالباً "پیسے کا ٹکٹ" دکھائی دیتا ہے۔ ہم ان سے سوال کرنا چاہتے ہیں کہ آخر اخبار کی تقطیع کتنی ہونی چاہئے؟ کیا آپ اس "جا نماز سائز" کو "سائبان سائز" دیکھنا چاہتے ہیں؟

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۲۷۶۔ سہ شنبہ۔ ۵ جون ۱۹۲۸ء

(۱۷)

۵ جون کے "افکار" میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ ایک صاحب سید محمد علی شاہ نے محض اس بنا پر "انقلاب" کا وی۔ پی واپس کر دیا کہ اس اخبار کی تقطیع چھوٹی ہے۔ آج ہمیں سید صاحب کا ایک عتاب نامہ موصول ہوا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:۔

آپ کا سائز واقعی اس پرچہ "زمیندار" کے مطابق نہیں ہے جو کہ محرم نمبر ۱۹۲۷ء میں اجرا ہوا۔ میرے پاس اس ماہ گزشتہ کے تقریباً سارے پرچے ہوں گے اور "زمیندار" کا محرم نمبر بھی میرے ایک دوست کے پاس موجود ہے۔

یعنی مطلب آپ کا یہ ہے کہ پچھلے سال "زمیندار" نے جو "محرم نمبر" شائع کیا تھا، اس کی تقطیع "انقلاب" کی عام تقطیع سے بڑی تھی، حالانکہ وہ ۲۲ × ۲۹ پر چھپا تھا اور "انقلاب" کی تقطیع بھی یہی ہے۔ سید صاحب کو چاہئے کہ "انقلاب" کا ایک پرچہ

Marfat.com

لے کر اسے "زمیندار" کے "محرم نمبر" پر رکھ کر اور ان کے کناروں کو ملا کر دیکھ لیں انشاء اللہ آپ پر منکشف ہو جائے گا کہ ان دونوں کے سائز میں ذرا بھی فرق نہیں ہے۔ خدا کرے اب آپ کی سمجھ میں آجائے۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۲۸۰۔ یک شنبہ۔ ۱۰ جون ۱۹۲۸ء

(۱۸)

حکومت ہند کے انتظام ملک کے تمام شعبوں کے اعلیٰ افسروں نے زبان اردو کے جو امتحانات مقرر کر رکھے ہیں، ان کی تیاری کے لئے ممتحن حضرات بعض ادبی رسالوں اور اخباروں کو بھی بطور نصاب تجویز کر دیا کرتے ہیں۔ اس تجویز نصاب میں سب سے زیادہ یہ چیز مد نظر ہوتی ہے کہ وہ رسالہ یا اخبار ادبی اعتبار سے عالی پایہ رکھتا ہو تا کہ سرکاری افسر اس کو پڑھ کر صحیح اور فصیح اردو لکھنا اور بولنا سیکھ جائیں۔ "انقلاب" کی شامت اعمال ع

اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی

اس دفعہ حکومت نے جو پرچے اس ضمن میں تجویز کئے ان میں "انقلاب" بھی ہے اور یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اخبارات میں سے کوئی اور اخبار ادبی اعتبار سے اس قابل نہیں سمجھا گیا۔ ظاہر ہے کہ حکومت کی اس تجویز کے مطابق دفتری کارروائی ہونی ضروری تھی، چنانچہ حکومت کی طرف سے ایک مراسلہ تمام شعبوں کے اعلیٰ حکام کو بھیجا گیا جس میں یہ لکھا تھا کہ اگر زبان اردو سیکھنا چاہو تو "انقلاب" پڑھا کرو۔ یہ ایک معمولی سی بات تھی جس کو ہم نے اتنا غیر اہم سمجھا کہ اخبار میں اس کا ذکر تک نہیں کیا لیکن "پرتاپ" نے جسے "انقلاب" سے خدا واسطے کی دشمنی ہے اور جس کی سفاہت اچھے اچھے معزز ہنود کے نزدیک بھی مسلم ہے، اپنی ایک گزشتہ اشاعت میں حکومت ہند کے اس حکم کا خلاصہ نہایت نمایاں اور جلی عنوان سے شائع کیا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اب "انقلاب" سرکاری اخبار ہو گیا ہے کیونکہ حکومت اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتی کہ محکموں کے افسر اسے پڑھا کریں۔ یہ اندھوں کو بھی معلوم ہے کہ حکومت ہند کی سفارش سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں رکھتی، اس میں تو "انقلاب" کا محض ادبی پہلو مد نظر ہے لیکن "پرتاپ" کی مثال تو وہ ہے کہ ع

Marfat.com

هنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے

اس کو "انقلاب" کی ادبی مقبولیت میں بھی اس کا "سرکاری پن" نظر آرہا ہے۔ اب ہم حیران ہیں کہ آخر ہم کیا کریں؟ کیا آج سے یہ عہد کرلیں کہ آئندہ ہمیشہ غلط اردو لکھا کریں گے تاکہ چند روز کے بعد حکومت اپنا یہ حکم واپس لے لے اور "پرتاپ" پھر ہمیں قومی اخبار سمجھنے لگے؟ اگر قومی حریت پسندی کا معیار یہی ہے کہ اس کی زبان "پرتاپ" کی گنگا جمنی بھاشا سے ملتی جلتی ہو تو صاحب' ہم قیامت تک بھی اس معیار پر پورے نہیں اتر سکتے' کیونکہ نہ ہم غلط اردو لکھیں گے' نہ "پرتاپ" ہمیں قومی اخبار کہے گا۔

ذرا انصاف کیجئے "پرتاپ" کا یہ دعویٰ کس قدر غلط اور جاہلانہ ہے کہ "انقلاب" محض اپنی حکمت عملی کی وجہ سے نصاب میں داخل کیا گیا ہے اور اب حکومت اس امر میں کوئی حرج نہیں سمجھتی کہ محکموں کے افسر اسے پڑھا کریں۔ اگر حکومت اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتی کہ سائمن کمیشن کے مقاطعہ کا مشورہ دینے والا' اس کی آمد پر ہڑتال کا پروپیگنڈا کرنے والا' بردولی ستیاگرہ کا حامی' حکومت برطانیہ کی اندرونی و بیرونی حکمت عملی پر سختی سے نکتہ چینی کرنے والا' عدم تعاون کا پابند اور تعاون کا مخالف اخبار تمام محکموں کے اعلیٰ افسروں کے ہاتھوں میں پہنچ جائے اور وہ اسے بغور پڑھیں تو ہم نہیں سمجھتے کہ اس میں "انقلاب" کے لئے کونسی ذلت ہے۔ ہمارے نزدیک تو یہ اردو کی آزاد صحافت کے لئے فخر کا مقام ہے کہ ایک ایسا آزاد خیال اخبار روزمرہ بے شمار انگریز افسروں کے زیر مطالعہ رہا کرے گا اور اس کے خیالات ہر وقت حکمرانوں کے سامنے پیش ہوتے رہیں گے اگر کل کو حکومت کے چند محکموں کی طرف سے "پرتاپ" کی خریداری کے لئے فرمائشیں موصول ہو جائیں تو کیا "پرتاپ" ان فرمائشوں کو مسترد کردے گا اور ان کے نام اخبار جاری نہ کرے گا؟

"انقلاب" کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے خریداروں میں بے شمار ایسے حضرات بھی ہیں جنھیں اس کے بعض مسالک سے اختلاف ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہ اس کو خرید کر پڑھتے ہیں' کیونکہ معقولیت' متانت تحریر اور ادبی پاکیزگی کے اعتبار سے انہیں کوئی اور جریدہ پسند ہی نہیں آتا۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔؟

Marfat.com

اسی طرح اگر حکومت ہند اپنے افسروں کے ادبی افادے کے لئے اور ان کو صحیح و فصیح زبان اردو سکھانے کی غرض سے یہ ہدایت دیتی ہے کہ "انقلاب" کا مطالعہ کیا کرو تو اس میں بے چارے کارکنان "انقلاب" نے کیا گناہ کیا؟ ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ پہلے کچھ مدت تک ممتحن حضرات اسی مقصد کے لئے "زمیندار" کی سفارش کیا کرتے تھے، چنانچہ متعدد انگریز "زمیندار" کے خریدار بھی ہو گئے تھے اور امتحانات میں جریدۂ مذکور نصاب کا کام دیتا تھا تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ حکومت "زمیندار" کے مسلک کو اچھا سمجھتی تھی؟

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۴۴۔ سہ شنبہ۔ ۳۱ جولائی ۱۹۲۸ء

(۱۹)

ایک کرم فرما اپنے گرامی نامے میں لکھتے ہیں۔ "آپ نے یہ کیا جادو کر دیا کہ ہر سیاسی لیڈر اور ہر سیاسی ملزم" "انقلاب زندہ باد" کے نعرے لگاتا ہے۔ کوئی بھی "زمیندار زندہ باد" کا نعرہ نہیں لگاتا۔ مخالفین کے سینوں پر سانپ لوٹ جاتا ہو گا۔"

بات یہ ہے کہ "انقلاب" چیز ہی ایسی ہے کہ زندہ رہنا چاہئے۔ دنیا کی رونق تغیر و "انقلاب" ہی سے وابستہ ہے "زمیندار" لینڈ لارڈ (مالک اراضی) کو کہتے ہیں، اس لئے جو لوگ اشتراکیت کے حامی ہیں وہ "زمیندار زندہ باد" کا نعرہ نہیں لگا سکتے۔

"زمین" جمادی چیز ہے، اس کا خاصہ "جمود" ہے۔ "انقلاب" ایک متحرک طاقت ہے، اس کا خاصہ حرکت ہے اور حرکت زندگی کی نشانی ہے....

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۱۶۔ سہ شنبہ۔ ۲ جولائی ۱۹۲۹ء

(۲۰)

ہمیں اعتراف کرنا چاہئے کہ ہمارے دوست نے جو کچھ لکھا ہے وہ بہت بڑی حد تک صحیح ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مدیر "افکار" کو "افکار نویسی" کے علاوہ اور بے شمار مصروفیتیں بھی ہیں، جن میں تازہ ترین اضافہ "انقلاب" کے ذاتی پریس کا قیام ہے۔ صبح سے شام تک مطبع کے ابتدائی انتظامات اور دفتر "انقلاب" کے اہتمام میں بسر ہوتا ہے اور شام سے دو بجے رات تک ذیلی مقالات اور "افکار" معرض تحریر میں لائے جاتے ہیں۔ ایسی روح فرسا مصروفیات میں "افکار" شگفتہ ہوں تو کیونکر ہوں، اس لئے قارئین "افکار" کی خدمت میں گزارش ہے کہ چند روز تک "ماحضر" ہی پر

Marfat.com

اکتفا کریں۔ انشاء اللہ مطبع کی ابتدائی پریشانیوں سے فارغ ہوتے ہی "افکار" کے شرارے آسمان سے باتیں کرنے لگیں گے ۔

انقلاب۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۲۷۲۔ جمعہ۔ ۱۷ مئی ۱۹۲۹ء

(۲۱)

پچھلے دنوں ہمارے سفیر حکیم مرزا عبد اللہ صاحب اپنے سفر کے دوران میں کیمبل پور جا نکلے۔ وہاں گورنمنٹ نارمل اسکول میں ایک گریجویٹ صاحب سے ملاقات ہوئی جو غالباً اس اسکول میں مدرس ہوں گے۔ سفیر صاحب کی ترغیب سے آپ نے بھی "انقلاب" کی خریداری قبول کر لی لیکن دوسرے ہی دن آپ کی طرف سے دفتر میں ایک خط موصول ہوا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ کل میں نے سفیر صاحب کے کہنے سننے سے مجبور ہو کر "انقلاب" کی خریداری قبول کر لی تھی لیکن چونکہ اردو کے اخبارات ایک دوسرے کی توہین و تذلیل میں مصروف رہتے ہیں اور کوئی مفید قومی کام نہیں کرتے' اس لئے میں فرمائش خریداری کو منسوخ کرتا ہوں۔

جس قوم میں ایسے ایسے روشن خیال "بی۔ اے" ہوں' اس کا مستقبل کبھی تاریک نہیں ہو سکتا۔ ان "بی۔ اے" صاحب کی حالت ملاحظہ ہو کہ "انقلاب" دیکھا نہیں' اس کے مضامین پڑھے نہیں لیکن فرمائش خریداری کو منسوخ کرنے پر تیار ہو گئے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ میں نے "انقلاب" کو پہلے بھی پڑھا ہے' تو پھر ہم یہ سوال کریں گے کہ جب آپ "انقلاب" کی پالیسی کو جانتے تھے اور آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ "انقلاب" اپنے معاصرین سے لڑتا بھڑتا کیوں رہتا ہے' تو پھر آپ نے سفیر صاحب کے کہنے سننے پر خریداری کیوں منظور کر لی اور جب ایک دفعہ منظور کر چکے تو پھر اپنی بات پر قائم رہنا تھا۔ "قول مرداں جان دارد۔" واہ بی۔ اے صاحب! آپ نے تو پڑھ لکھ کر ڈبو دیا۔ جب کوئی شخص آپ کو کسی ایسے کام پر مجبور کرتا ہے جسے آپ بالکل پسند نہیں کرتے' اس وقت تو آپ کو انکار کی توفیق نہیں ہوتی اور بعد میں اپنے کیے پر پچھتانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ کہاں کی مردانگی ہے؟۔

"بی۔ اے" صاحب کی خوش تمیزی ملاحظہ ہو کہ آپ اردو اخبار کے مدیر کو خط لکھتے ہیں لیکن زبان انگریزی استعمال فرماتے ہیں اور بی۔ اے ہونے کے باوجود ایک فقرہ بھی صحیح نہیں لکھتے۔ اگر آپ مدرس ہیں تو طلبہ کو یاد رکھنا چاہئے کہ آپ کی

Marfat.com

انگریزی ان سب کو فیل کرا دے گی۔

"بی۔ اے" صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ "انقلاب" اپنے معاصرین سے کبھی نہیں لڑتا، صرف ایک معاصر سے کبھی کبھی جھڑپ ہو جاتی ہے لیکن اب تو اس کے خلاف بھی کچھ نہیں لکھا جاتا۔ آپ کو کسی نے غلط اطلاع دی ہے۔ غصہ تھوک ڈالیے اور خریداری کی درخواست دوبارہ بھیج دیجئے....

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۸۱۔ پنج شنبہ۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۲۹ء

Marfat.com

تعلیقات و حواشی

۱۔ ۳ مئی ۱۹۲۷ء کو رات کے نو بجے ڈھائی تین سو ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا تھا اور کئی مسلمانوں کو شہید زخمی کر دیا تھا۔ یہ واقعہ کوچہ درزیاں، حویلی کابلی مل میں پیش آیا تھا۔فرقہ وارانہ فساد پر قابو پانے کے لئے حکومت نے لاہور کے چند حصوں میں کرفیو نافذ کر دیا تھا۔

۲۔ اس فساد پر قابو پانے کے لئے ڈپٹی کمشنر لاہور نے ہندو اور مسلم اخبارات پر سنسر شپ کی پابندی عائد کر دی تھی۔

۳۔ اس زمانے میں جداگانہ انتخاب کے مسئلے پر مسلم لیگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ پہلی مسلم لیگ جس کے صدر قائد اعظم محمد علی جناح تھے، اس کا اجلاس کلکتہ میں ہوا تھا اور دوسرا حصہ جس کے صدر سر میاں محمد شفیع تھے، اس کا سالانہ اجلاس لاہور میں ہوا تھا۔ قائد اعظم مسلمانوں کے لئے چند آئینی تحفظات کے ساتھ مخلوط انتخاب قبول کرنے پر آمادہ تھے اور لاہور مسلم لیگ کے صدر کسی قیمت پر بھی جداگانہ انتخاب ترک کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ "انقلاب" لاہور مسلم لیگ کا حامی تھا۔

۴۔ ۵۔ اخبار کے اوراق کرم خوردہ تھے۔ یہ الفاظ پڑھے نہ جا سکے۔ قیاسی اضافہ از مرتب۔

۶۔ چراغ حسن حسرت کشمیر کے ضلع پونچھ میں ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۲۶ جون ۱۹۵۵ء کو لاہور میں وفات پائی تھی۔ آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ لاہور میں گزرا تھا۔

۷۔ "انقلاب" کے مدیروں نے ابتدا میں اپنا اخبار دوسرے پریسوں میں چھپوایا تھا لیکن انہیں اخبار کی تقسیم و اشاعت میں بے شمار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ آخر انھوں نے اپنا پریس قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور کرایے پر ایک مکان لے کر اس میں نئی مشینیں نصب کر دیں۔ انہوں نے اس مطبع کا نام "مسلم پرنٹنگ پریس" رکھا۔ جون ۱۹۲۹ء سے "انقلاب" مسلم پرنٹنگ پریس سے شائع ہونے لگا۔

Marfat.com

باب چہارم

معاصر اخبارات سے نوک جھونک

Marfat.com

Marfat.com

معاصر اخبارات سے نوک جھونک

(۱)

"پرتاپ" کا وہ ایڈیٹر جو ایک دفعہ قانونی شکنجے میں پھنس کر معافی مانگ چکا ہے' پچھلے دنوں فضا کو خطرناک پا کر کشمیر چلا گیا اور اپنی جگہ مہاشے نانک چند ناز کو پھنسا کر اب گپت رائے صاحب کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلا رہا ہے' حالانکہ مضامین مدیر خود لکھتا ہے۔

کیا ایسے شخص کو بھی "زمیندار" کے خلاف یہ اعتراض کرنے کا حق پہنچتا ہے کہ اس نے فرضی ایڈیٹر مقرر کر رکھا ہے ؟ چھاج بولے تو بولے چھلنی کیا بولے گی جس میں خود نو سو چھید ہیں۔ اگر فرضی ایڈیٹر مقرر کرنا گناہ ہے تو ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

انقلاب۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۲۳۔ یک شنبہ۔ ۳۱ جولائی ۱۹۲۷ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۲)

"بندے ماترم" کی بے خبری روز بروز زیادہ دردناک ہوتی چلی جا رہی ہے۔ جن دنوں پنجاب میں تیسری وزارت کے قیام کا مسئلہ در پیش تھا "بندے ماترم" نے اپنے مقالہ افتتاحیہ میں نہایت زور و شور سے لکھا کہ "جب صوبجات متحدہ میں دو وزیر ہیں تو پھر پنجاب میں تین کیوں ہوں" ۔ حالانکہ صوبجات متحدہ میں مدت سے تین وزیر چلے آتے ہیں۔ "بندے ماترم" کے مدیر اعلیٰ صاحب کو اتنا بھی معلوم نہیں۔

۴ مئی کی شام کو حویلی کابلی مل میں چند مسلمان سکھوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ "بندے ماترم" نے لکھا کہ اس حادثہ سے صرف ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ایک مسلمان مولوی نے باغ بیرون موچی دروازہ میں "اشتعال انگیز" تقریر کی تھی اور یہ فساد اسی تقریر کا نتیجہ تھا ' حالانکہ حضرت مولانا حسین احمد کی تقریر اس حادثہ سے ڈیڑھ گھنٹہ نہیں بلکہ آٹھ پہر پہلے یعنی ۲ مئی کی شام کو ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اگر مولانا کی تقریر سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوتا تو حملہ آور سکھ نہ ہوتے بلکہ مسلمان ہوتے لیکن مدیر "بندے ماترم" اتنی سی بات بھی نہ سمجھ سکا....

Marfat.com

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۷۶۔ چہار شنبہ۔ ۵ اکتوبر ۱۹۲۷ء

(۳)

عین اسی قسم کا "حادثہ فاجعہ" ۲۶ اکتوبر کو لدھیانہ میں ہوا۔ احاطہ خزانچی میں ہندوؤں کا ایک جلسہ عام منعقد تھا' جس میں "پرتاپ" کے ایڈیٹر مہاشے کرشن جی سنگھٹن کے موضوع پر تقریر فرما رہے تھے۔ ہزاروں مہابیروں کا ہجوم تھا اور "ہندو دھرم کی جے" کے نعرے آسمان کی خبر لا رہے تھے کہ اتنے میں ایک موٹا تازہ چوہا کسی مہابیر کی ٹانگ پر کود پڑا۔ جاتی کے اس سورما پر کپکپی طاری ہو گئی۔ دھوتی سنبھال کر "سانپ سانپ" کا شور مچاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور بے شمار مہابیروں نے بھی آپ کی تقلید میں راہ فرار اختیار کی۔ کسی نے آہستہ سے کہہ دیا "مسلمان آگئے"۔ بس پھر کیا تھا' ایک کہرام مچ گیا اور سب کے سب بھاگد بھاگید بھاگم بھاگیم کی گردان کرتے ہوئے اٹھ بھاگے۔ گلی کوچوں میں آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ "منی دی ماں کنڈا لالے چھیتی مسلے آگئے۔"

خان صاحب عبد الکریم خاں کوتوال شہر نے بہتیری کوشش کی کہ یہ "سیلاب فرار" رک جائے لیکن توبہ توبہ' اس وقت ان کی کون سنتا تھا۔ آخر بڑی مشکل سے جلسہ از سر نو منعقد کیا گیا۔ مہاشے کرشن کا پتا بھی بڑی دیر میں چلا۔ وہ دوبارہ نہایت خفت کے عالم میں پلیٹ فارم پر آئے اور بہت دبی ہوئی آواز میں تقریر کا بقیہ حصہ بیان کر کے جلسے کو اختتام تک پہنچایا۔

آج کل "سازش" کا لفظ برادران وطن کو بہت محبوب ہو رہا ہے۔ ممکن ہے کہ "پرتاپ" جلسے کی اس ابتری کو بھی "مسلمانوں کی سازش" کا نتیجہ قرار دے لیکن سب کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان اس شور و غوغا کے بعد جلسے میں پہنچے اور یہ تمام شرارت ایک کم بخت چوہے کی تھی جو ہرگز مسلمان نہ تھا۔ لیکن معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ یہ چوہا آج سے ایک ماہ قبل "انقلاب" "زمیندار" اور "سیاست" کے دفتروں کے پاس پھرتا ہوا دیکھا گیا تھا' اس لئے ان اخباروں کا ضرور اس سازش میں کچھ نہ کچھ دخل ہے....

انقلاب جلد ۲۔ نمبر ۹۹۔ سہ شنبہ۔ یکم نومبر ۱۹۲۷ء

Marfat.com

(۴)

"پرتاپ" نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۲۷ء کے مقالہ افتتاحیہ کا دوسرا عنوان یوں لکھا:۔

"انقلاب کی سازش کا بھانڈا پھوڑا جاتا ہے"۔

یہ عنوان پڑھ کر ہمارے کان کھڑے ہوئے کہ الٰہی خیر! یہ "انقلاب" کی سازش کیا معنی؟ جہاں تک ہمیں یاد ہے ہم نے تو "پرتاپ" یا اس کی جاتی کے خلاف کوئی سازش نہیں کی، پھر خدا جانے "پرتاپ" کس چیز کا بھانڈا پھوڑے گا۔ ہم نے یہ مقالہ غور سے پڑھا لیکن اس میں "انقلاب" کی سازش کا کوئی ذکر نہ تھا لیکن چونکہ مقالہ کے آخر میں "باقی کل" لکھا تھا، اس لئے ہم سمجھے کہ شاید اس کی دوسری قسط میں ہماری سازش کا بھانڈا پھوڑ دیا جائے۔

آج اسی مضمون کی دوسری قسط بھی ہماری نظر سے گزری لیکن "بھانڈا پھوڑنا" تو درکنار "پرتاپ" نے متذکرہ بالا عنوان تک غائب کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے "انقلاب" کی سازش کا ثبوت نہیں مل سکا، ورنہ مہاشے "پرتاپ" اپنی سنگلاخی اینٹ کی ایک ہی ضرب سے "بھانڈا" پھوڑ کر رکھ دیتے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم سازش کے الزام سے محفوظ رہے اور "پرتاپ" کو بہت جلد اپنے عنوان کی لغویت کا احساس ہوگیا۔ کاش وہ پہلے ہی اس "سازش" کے ہر پہلو پر غور کرلیتا اور اسے یہ خفت نہ اٹھانی پڑتی۔ ۔

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

"ملاپ" مورخہ ۱۵ نومبر کے پہلے ہی صفحے پر پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے جلسے کی کارروائی شائع ہوئی ہے شرکائے جلسہ کے اسمائے گرامی نقل کرتے ہوئے "ملاپ" نے "علامہ" کے لقب کا استعمال نہایت فیاضی سے کیا ہے علامہ اقبال تو خیر سچ مچ علامہ ہی ہیں لیکن دو اور نام بھی اس طرح لکھے ہیں:۔

(۱) مولوی علامہ فخرالدین ایڈووکیٹ انجمن حمایت اسلام۔

(۲) علامہ غلام رسول خاں بیرسٹر، فنانشل سکریٹری مسلم لیگ۔

ہم متعجب تھے کہ علامہ حسین میر کی "برادری" میں یہ اضافہ دفعۃً کیونکر ہوگیا لیکن تھوڑے سے غور بعد معلوم ہوا کہ یہ کاتب صاحب کی مہربانی ہے۔ "رپورٹر" نے تو اچھا خاصا "مولوی غلام محی الدین" کا نام لکھا تھا لیکن کاتب نے غلام کو علامہ اور

Marfat.com

محی کو فخر پڑھ لیا اور مولوی غلام محی الدین صاحب بیٹھے بٹھائے "علامہ فخر الدین" بن گئے۔ رہے غلام رسول خاں، تو ہمارے نزدیک اس نام میں کاتب سے دو غلطیاں ہوئیں۔ اول یہ کہ اس نے غلام کو حسب عادت علامہ پڑھا۔ دوم یہ کہ "غلام" اپنی طرف سے بڑھا دیا کیونکہ "علامہ رسول خاں" کچھ مانوس نام معلوم نہ ہوتا تھا۔

ہندو اخباروں کے نزدیک عطائے القاب کا معیار نہایت عجیب ہے۔ "پرتاپ" مولانا ظفر علی خاں کو ہمیشہ "منشی ظفر علی خاں" لکھا کرتا تھا لیکن جونہی مولانا نے کمیشن کے بائیکاٹ کرنے میں ہم نوائی کی، آپ فی الفور "منشی" سے "مولانا" بنا دیئے گئے لیکن جب دوسرے دن "تصریحات" شائع ہوئیں اور مولانا نے ہندوؤں سے کہا کہ مسلمانوں کے ساتھ سیاسی حقوق کا تصفیہ کر لو تو "پرتاپ" نے پھر انہیں "منشی ظفر علی" لکھنا شروع کر دیا۔ گویا مولانا ظفر علی کی "مولانائی" نظام سقے کی بادشاہت کی طرح صرف چند ہی گھنٹے کی تھی۔ آئندہ کے لئے "منشی" اور "مولانا" کے معنی یوں سمجھنے چاہئیں۔

منشی وہ ہے جو ہندوؤں کے خلاف چٹ پٹی نظمیں لکھے۔ مولانا وہ جو کمیشن کے بائیکاٹ کا مشورہ دے چونکہ "ملاپ" بائیکاٹ کا مخالف ہے اور مسلم لیگ نے بھی بائیکاٹ کی مخالفت کی ہے، لہٰذا اب "ملاپ" بھی مسلم لیگ کے بعض ارکان کو "علامہ" لکھ رہا ہے، چنانچہ مولوی غلام محی الدین اور مسٹر غلام رسول خاں کو یہ لقب عنایت کر دیا گیا ہے .....

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۱۴۔ جمعہ۔ ۱۸ نومبر ۱۹۲۷ء

(۵)

لیجئے حضرت "پانیئر" بھی باندھ لئے گئے۔ اس اینگلو انڈین اخبار نے نصف صدی سے زیادہ مدت تک سرکار کی کاسہ لیسی اور غیر مشروط حمایت کی۔ ہمیشہ ہندوستانیوں کو گالیاں دیں۔ مجاہدین کو باغی بتایا لیکن پچھلے دنوں سائمن کمیشن کے سلسلے میں جو چند سچی اور کھری باتیں کہہ دیں تو ارباب اختیار چوکنے ہو گئے۔ سنا گیا ہے کہ "ای۔ آئی۔ آر نے "پانیئر پر پانچ لاکھ روپے کا دعویٰ کر دیا ہے کیونکہ اس میں ایک ایسی تحریر شائع ہوئی تھی جس سے اس ریلوے کی حیثیت عرفی کا ازالہ ہوتا ہے۔ افسوس کہ عمر بھر کی سجدہ ریزی کسی کام نہ آئی سچ کہا ہے استاد ذوق نے کہ۔

Marfat.com

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

پنجاب کے ہندو اخباروں میں "پرتاپ" اپنی کم ظرفی اور سفاہت کے لئے بدنام ہے کہ بے شمار ہندو تو درکنار آریہ سماجی بھی اسے ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ اس کی کمینگی کی ایک تازہ مثال یہ ہے کہ اس نے اشتہارات حاصل کرنے کے لئے ایک نیا اشتہار تقسیم کیا ہے' جس میں ملک کے بڑے بڑے ہندو اور مسلمان روز ناموں سے "پرتاپ" کا مقابلہ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "پرتاپ" کے صفحے بھی سب اخباروں سے زیادہ ہوتے ہیں۔ اس میں مضمون بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اشتہارات بھی سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔

اگر یہ امور حقیقتاً" درست ہوتے' جب بھی کاروباری شائستگی کا تقاضا یہی تھا کہ مقابلے میں معاصرین کے نام ہرگز نہ لکھے جاتے لیکن جس حالت میں یہ باتیں ہی غلط ہیں "پرتاپ" کا جرم بہت زیادہ سنگین ہو گیا ہے کیونکہ اس میں جھوٹ' دغا بازی اور کاروباری ناشائستگی کے جرائم بھی شامل ہو گئے ہیں۔

مثلاً اس اشتہار میں بتایا گیا ہے کہ "انقلاب" کے ۸ صفحے ہیں اور "پرتاپ" کے ۱۶۔ "انقلاب" میں ریڈنگ میٹر ساڑھے چھ صفحے کا ہوتا ہے اور "پرتاپ" میں گیارہ صفحے کا۔ "انقلاب" میں اشتہار ڈیڑھ صفحے کے ہوتے ہیں اور "پرتاپ" میں پانچ صفحے کے۔ اشتہار میں کہیں یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ "انقلاب" کا "سائز" "پرتاپ" سے دگنا ہے اور اس کے آٹھ صفحے بھی "پرتاپ" کے سولہ صفحوں کے برابر ہوتے ہیں۔ رہا یہ امر کہ "انقلاب" میں ڈیڑھ صفحے کے اشتہارات ہوتے ہیں تو اس کے لئے ہمیں اپنے قارئین کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ پرچہ روزانہ ان کے سامنے جاتا ہے' وہ خود اشتہارات کے صفحے شمار کر کے معلوم کر سکتے ہیں کہ "پرتاپ" نے کس حد تک دروغ بافی سے کام لیا ہے۔

اور "پرتاپ" کے ناوک ناز کا نشانہ صرف "انقلاب" ہی نہیں "زمیندار" "سیاست" "ملاپ" "بندے ماترم" "تیج" "خلافت" "اکالی" "ہمیشہ" "ہمدرد" اور "کانگرس" سبھی اس مقابلے میں "پرتاپ" سے پھسڈی ظاہر کئے گئے۔ ہمارے نزدیک ان تمام معزز اخباروں کو دفتر "پرتاپ" کی اس سفیہانہ حرکت کے خلاف شدت سے آواز بلند

Marfat.com

کرنی چاہئے بلکہ اس کو نوٹس دینا چاہئے کہ علی الاعلان معافی مانگے ورنہ تاوان کا دعوی دائر کیا جائے گا۔ کاروباری اخلاق اور تجارتی شائستگی ہرگز اس امر کو گوارا نہیں کرتی کہ اپنے کاروبار کے فروغ کے لئے دوسروں کا نام لے لے کر نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے اور اس کوشش میں ایمان و دیانت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا جائے

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۵۰۔ شنبہ۔ ۱۸ اگست ۱۹۲۸ء

(۶)

"ملاپ" اس سرفروشانہ عقیدت کو جو اعلیٰ حضرت حضور نظام سے سات کروڑ مسلمانوں کو وابستہ کئے ہوئے ہے' دیکھ کر انگشت بدنداں ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مسلمان اخباروں نے حضور کی تعریف میں اس قدر مضامین لکھے ہیں اور دہلی میں سارے ہندوستان کے مسلمانوں نے حضور کے ساتھ محبت و الفت کا جو مظاہرہ کیا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے ۔ آج تک ہندوؤں نے کسی ہندو راجہ مہاراجہ کا استقبال اس شان سے نہیں کیا یہاں تک تو "ملاپ" کا لکھنا بالکل درست تھا لیکن اس کے بعد اس نے ایک شرانگیز بات لکھ دی۔

یہ اخبار رقم طراز ہے کہ اس عقیدتؔ کے وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اعلیٰ حضرت مسلمان اخباروں کو دل کھول کر امداد دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک "ملاپ" کا یہ بیان محض کذب و افترا ہے اور اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ ایک طرف اعلیٰ حضرت کے تعلقات اخباروں کے ساتھ ظاہر کر کے حکومت کو ان کی طرف سے بد گمان کیا جائے اور دوسری طرف اسلامی اخباروں پر یہ حملہ کیا جائے کہ وہ روپے لے کر حضور کی تعریف کرتے ہیں۔

اس ہندو اخبار کو یہ علم نہیں کہ مسلمان اپنے ان حکمرانوں سے جن کی ذات اسلام کی قوت اور شوکت کی مظہر ہے' محض دینی اخوت کی وجہ سے محبت رکھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت شہریار غازی افغانستان ہوں یا شہنشاہ کج کلاہ ایران ہوں' غازی مصطفیٰ کمال پاشا ہوں' سلطان ابن سعود ہوں یا حضور نظام ہوں' ان فرماں رواؤں کا وجود ہی اظہار عقیدت کا سب سے بڑا باعث ہے۔ اسلامی اخباروں کو افغانستان' ترکی' ایران' حجاز یا حیدر آباد دکن سے وظیفے نہیں ملتے' ان کا تعلق بادشاہان اسلام سے محض للہ و فی سبیل اللہ ہے۔

انقلاب۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۱۲۵۔ جمعہ۔ ۱۶ نومبر ۱۹۲۸ء

Marfat.com

(۷)

آخر "شدھی سماچار" کے مدیر طابع اور ناشر جن کا عجیب و غریب اسم گرامی سوامی چدانند بتایا جاتا ہے (خدا جانے چ پر زبر ہے زیر یا پیش) گرفتار ہو ہی گئے اور تحفظ حرمت پیشوایان مذہبی کے قانون کا اطلاق ان پر ہو ہی گیا لیکن حیرت ہے کہ حکومت چدانند جی کے جرم سے چار مہینے تک غافل کیوں رہی ؟ کیا حکومت کی مشینری کے کل پرزے کسی ملزم کے خلاف اسی وقت حرکت میں آتے ہیں جب اس کے خلاف عوام کی طرف سے آواز بلند ہو ؟ کیا جرم بجائے خود جرم نہیں ہے ؟ کیا حکومت کے نزدیک چدانند جی ارتکاب جرم کے وقت مستوجب گرفتاری نہ تھے اور مسلمانوں کے احتجاج کے بعد ہو گئے ؟

حقیقت یہ ہے کہ ایسے معاملات میں حکومت کی غفلت سخت قابل اعتراض ہے۔ ایسے مضامین کے خلاف فوری کارروائی ہونی چاہئے۔ اگر پیشوایان مذہبی کی حرمت پر حملہ کرنا جرم ہے تو مجرم کی گرفتاری کے لئے چار ماہ تک انتظار کے کیا معنی ہیں ؟ کیا حکومت کسی چور یا ڈاکو کو یا رہزن کو بھی ارتکاب جرم کے بعد دیدہ و دانستہ چار ماہ تک کھلا چھوڑنے کی جرات کر سکتی ہے ؟ پھر ایسے لوگوں کو کیوں کھلا چھوڑا جاتا ہے جو کروڑوں انسانوں کے پیشواؤں کی شان میں دریدہ دہنی کر کے ان کو دکھ پہنچاتے ہیں ؟ بہر حال صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہ کہنا چاہئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عدالتیں چدانند جی کو کس سلوک کے قابل سمجھتی ہیں ؟ ۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۱۴۲۔ سہ شنبہ۔ یکم جنوری ۱۹۲۹ء

(۸)

زمانہ جنگ میں لاہور سے ایک سرکاری اخبار "حق" نکلا کرتا تھا جس میں سرتاپا حکومت کے مقاصد کی حمایت کی جاتی تھی لیکن ظاہری حیثیت سے اس کی ٹیپ ٹاپ بہت اچھی تھی اور کیوں نہ ہوتی' حکومت اس پر نہایت فیاضی سے روپیہ صرف کرتی رہی تھی۔ کاغذ عمدہ ہونے کی وجہ سے دکان دار "حق" کی ردی بہت شوق سے خریدا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شہر کا ایک دکاندار "حق" کے دفتر میں پہنچا اور اسکے منیجر سے کہنے لگا کہ "جناب والا ! مجھے تین من "حق" چاہئے' نرخ کا فیصلہ کر لیجئے اور مال تلوا دیجئے" ۔ اس پر منیجر صاحب بہت کھسیانے ہوئے اور یہ لطیفہ دفتر سے

Marfat.com

نکل کر بچے بچے کی زبان پر جاری ہوگیا۔

"تین من "حق" کا لطیفہ ہمیں اس موقع پر یوں یاد آگیا کہ چند روز ہوئے دہلی کے شردھانندی اخبار "تیج" میں یہ اعلان شائع ہوا تھا۔

"تیج" میں پچاس من کے قریب نہایت عمدہ اخباری ردی برائے فروخت موجود ہے' جو صاحب خریدنا چاہیں وہ دن میں کسی وقت آکر اسے دیکھ سکتے ہیں۔ پرسوں بروز اتوار بوقت دوپہر اسے فروخت کیا جائے گا۔

جس اخبار کے اتنے پرچے فروخت سے بچ رہتے ہیں کہ بالاخر پچاس من ردی بیچنی پڑتی ہے اس کی ہردلعزیزی کا اندازہ کرلیجئے لیکن جب پرچہ بکتا نہیں تو اسے اس قدر زائد چھپوا لینا کہاں کی عقل مندی ہے؟۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۱۸۱۔ پنج شنبہ۔ ۲۴ جنوری ۱۹۲۹ء

(۹)

"پرتاپ" کی کمینگی کے بیسیوں مظاہر قارئین "انقلاب" کے ملاحظہ سے گزر چکے ہیں لیکن کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ اس اخبار سے ایک نئی سفاہت ڈھل کر نہ نکلتی ہو۔ چند روز ہوئے اس نے ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ لاہور کو اس کے ایک انتباہ کا جواب دیتے ہوئے اسکی توجہ "انقلاب" کی طرف مبذول کرائی اور لکھا کہ وہ اخبار (انقلاب) ہمیشہ ہندو افسروں کے خلاف زہر اگلتا رہتا ہے اور سادہ دل مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف مشتعل کرتا رہتا ہے۔ اس سے "پرتاپ" کا مقصد یہ تھا کہ ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ "انقلاب" کے خلاف مقدمہ چلائے۔

اس قسم کی ناپاک نیتوں کے باوجود یہ لوگ "قوم پرست" کہلاتے ہیں۔ اسی سے اندازہ کرلیجئے کہ آج کل قوم پرستی کس شے کا نام ہے۔ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

ایک ہندو وکیل صاحب "انقلاب" کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن اس کے لئے بلدیہ لاہور کی اجازت ضروری ہے' چنانچہ وہ اجازت لینے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ نیک نیت اخبار نویس کا قاعدہ یہ ہے کہ ایسے مواقع پر اپنے ہم پیشہ بھائی سے ہمدردی کرے کیونکہ اسے خود بھی زود یا بدیر وہی منزل درپیش ہے لیکن "پرتاپ" کی کمینگی اور دنائت دیکھئے۔ ۲ جون کے پرچے میں لکھتا ہے

Marfat.com

"اگر وہ (ہندو وکیل) مقدمہ کئے بنا نہیں رہ سکتا تو کمیٹی کی اجازت کا انتظار نہ کریں۔ خدا کا نام لے کر نالش داغ دیں' کمیٹی ان کا کیا بگاڑ سکتی ہے"۔

کیا سفاہت و دنائت کی اس سے بدتر مثال بھی کہیں پڑھے لکھے طبقے میں نظر آسکتی ہے؟۔۔۔

.... دیکھ لیا آپ نے؟ یہ ذہنیت ہے ان اخباروں کی جنھوں نے ہر موقع پر مسلمانوں کی مخالفت کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ ان حالات کے باوجود بھی یہ اخبارات بڑے قوم پرست ' مزدوروں کے بڑے حامی اور "بولشویک" سمجھے جاتے ہیں۔ اگر حریت کا منشا یہی ہے کہ سالک و مہر کو قید کرا دیا جائے اور بیروں اور خانساماؤں کو مُنظّم نہ ہونے دیا جائے بلکہ حکومت سے یہ کہا جائے کہ وہ فلاں جلسے پر دفعہ ۴۴ اعائد کردے تو پھر خدا جانے "وفاداری سرکار" اور کس چیز کا نام ہے۔

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۳۔ جمعہ۔ ۱۴ جون ۱۹۲۹ء

(۱۰)

چھاج بولے تو بولے' چھلنی کیا بولے جس میں خود نو سو چھید ہیں۔ خدا کی شان مہاشے کرشن کا اخبار "پرتاپ" بھی لکھتا ہے کہ "انقلاب" "سیاست" اور مسلم آوٹ لک" کے ایڈیٹر مسلمانوں کو ظفروال جانے اور حق اذان کے لئے جہاد کرنے کی تلقین تو کررہے ہیں لیکن خود گھر میں بیٹھے ہیں[۳]۔ انھیں چاہیے کہ خود بھی وہاں جاکر جہاد کریں۔ مہاشے جی کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان تینوں اسلامی اخبارات کے ایڈیٹر آپ کی طرح بزدل نہیں ہیں۔ "انقلاب" اور "سیاست" کے مدیر ترک موالات کی تحریک میں اور "آوٹ لک" کے مالک و مدیر "راج پال" والی تحریک میں جیل خانے جا چکے ہیں اور مردانہ وار قید فرنگ کی کڑیاں جھیل چکے ہیں۔ جب موقع آئے گا تو اللہ کے فضل سے توفیق پاکر یہ تینوں خادمان اسلام ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے آمادہ ہوں گے۔

مسلمانوں کے ایڈیٹر مہاشہ کرشن کی طرح نہیں ہیں کہ آج تک جیل خانے کا منہ نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ دھر لئے گئے تو گڑ گڑا گڑ گڑا کر معافی مانگ لی اور رام رام کرتے ہوئے گھر پہنچ گئے۔ آج کل بھی آپ نے ڈر کے مارے اپنے اخبار میں ایک اور شخص کا نام لکھ رکھا ہے اور خود عروسک پس پردہ بنے بیٹھے ہیں کہ کہیں پولیس

Marfat.com

اور عدالت کی منزلیں طے کرنی اور جیل خانے کی روٹیاں توڑنی نہ پڑ جائیں۔ مہاشے جی آپ بہت زیادہ جامے سے باہر نہ ہوا کیجئے۔ اپنے حوصلے کا صحیح اندازہ کر کے لکھا کیجئے۔ کہیں پکڑے گئے تو خواہ مخواہ معافی مانگنی پڑ جائے گی۔۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۴ ۔ نمبر ۱۹۰۔ جمعہ۔ ۳۱ جنوری ۱۹۳۰ء

(۱۱)

ہمارے ملک کی قومیت پرستی نہایت دل چسپ چیز ہے۔ ہندو اپنے آپ کو بہت بڑا آزادی پسند کہتے ہیں اور مسلمانوں کے متعلق ہمیشہ ناک بھوں چڑھا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ فرقہ وار مقاصد کے پیچھے دیوانہ وار بھاگے چلے جا رہے ہیں' حالانکہ آج "بھارت ورش" کے ہر شیر کو چاہئے کہ ہندو مسلمان کے "بھید" کو "تلا نجلی" دے "کرماتا" کی " سوتنترتا" کی خاطر "سمندر کنارے" نمک بنانا شروع کر دے لیکن جہاں بھارت ماتا ہی کا ایک شیر جس کا نام سوئے اتفاق سے منو ہر لال نہیں بلکہ سکندر حیات خان واقع ہوا ہے' حکومت پنجاب کا ریونیو ممبر ہو جاتا ہے تو ہندو جگت ایک سرے سے دوسرے سرے تک لوٹن کبوتر کی طرح پھڑکنے لگتا ہے۔ بڑے بڑے ستیا گرہی اور گاندھی بھگت بھی اس فرقہ واری کے جوہڑ میں بطخوں کی طرح ڈبکوں ڈبکوں کرتے ہوئے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ "ٹریبیون" جو شمالی ہند میں قوم پرستی کا مینار بلند اور "حریت پسندی کا" فرزند ارجمند " سمجھا جاتا ہے' افتتاحیہ تو مہاتما گاندھی کی تحریک کے متعلق لکھتا ہے لیکن ذیلی مقالہ میں غریب سکندر حیات خان کے تقرر پر اس قدر واویلہ مچاتا ہے گویا مسلمانوں نے درگیانہ کے مندر پر قبضہ کر لیا ہے !

مشکلے دارم ز دانش مند مجلس باز پرس　　توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتری کنند

دنیا کے بہت سے عقدے حل ہو گئے اور بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں آ گئیں لیکن سمجھ میں نہ آئی تو یہی بات نہ آئی کہ جو "ٹریبیون" کپتان صاحب کے تقرر پر ہندوؤں کی حق تلفی کا وہ شور و غوغا مچاتا ہے کہ پراچین بھارت کے رشیوں' منیوں کی آتمائیں بھی اس کو آشیرباد دینے لگتی ہیں' وہی "ٹریبیون" دوسرے دن مسلمانوں کے متعلق یہ کیونکر لکھ دیتا ہے کہ "مسلمان فرقہ وار مفاد پر مرے جاتے ہیں"۔ "ملازمتوں میں ہندو مسلمان کا نہیں' محض قابلیت کا سوال ہونا چاہئے' اور "جو شخص ملازمتوں میں فرقہ واری کا سوال اٹھاتا ہے وہ وطن کی آزادی کا دشمن ہے"۔

Marfat.com

بات وہی ہے جو ہم کئی سال سے کہتے چلے آئے ہیں کہ اگر پنڈت مالوی بنارس یونی ورسٹی کے لئے سولہ لاکھ روپیہ سرکار سے مانگیں یا لاہور کے کانگرسی حکومت سے منٹو پارک طلب کریں تو وہ سب کے سب احرار لیکن اگر غریب محمد علی کسی افسر سے آلہ مکبر الصوت مانگ لیں تو وہ ٹوڈی۔ اگر مونجے صاحب یہ کہہ دیں کہ سب سے بڑی چیز ہندوؤں کا "جاتی ابھیمان" ہے اس کی رکھشا کرو تو ان کی حریت پسندی مسلم لیکن اگر سر شفیع اور مسٹر جناح نہیں بلکہ مولانا ظفر علی خان یہ کہہ بیٹھیں کہ ہم سب سے پہلے مسلمان ہیں اور اسلام کی حفاظت کریں گے تو کانگرسی لونڈے ان پر آوازے کستے ہیں اور ان کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ اگر "انقلاب" یہ لکھ دے کہ حکومت پنجاب میں مسلمانوں کا حصہ پہلے ہی بہت کم ہے' اس لئے ریونیو ممبر مسلمان ہونا چاہیۓ تو ہندو اخبارات نہایت حقارت سے لکھتے ہیں کہ حکومت اور اس کی وزارتوں میں ہندو مسلم کا سوال واہیات ہے اور اس قسم کا سوال اٹھانا "ٹوڈی پن" ہے لیکن اگر "ٹربیون" جیسا عالی مرتبہ "قوم پرست" اخبار کپتان سکندر حیات کے تقرر پر یہ لکھ دے کہ ریونیو ممبری آج تک کسی ہندو کو نہیں ملی۔ پہلے اس پر سکھ قابض تھا' اس کے بعد مسلمان قابض ہوگئے' لہٰذا اب ہندو کی باری ہے تو اس کم بخت کو کوئی نہیں پوچھتا کہ "تم کیوں فرقہ وار جھگڑوں میں پڑتے ہو' تمہارا تو قول یہ ہے کہ ملازمتوں میں فرقہ واری کو کوئی دخل نہیں"۔ یہ ایک عجیب و غریب عقدہ ہے جو کھلنے ہی میں نہیں آتا۔ ع

که کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمہ را

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۲۲۷۔ چہار شنبہ۔ ۱۹ مارچ ۱۹۳۰ء

(۱۲)

کانگرس کی مجلس عاملہ نے اخبارات کو بند کردینے کا جو حکم دے دیا تو ہندو اخبار نویس بے حد جز بز ہوئے کیونکہ "قومی پروگرام" کی جو شق ہندو کی ہمیانی پر ہاتھ ڈال دے وہ خاص طور پر تکلیف دہ ہوتی ہے۔ ہندو کا فلسفہ تو اس مشہور ضرب المثل میں خوب بیان ہوا ہے کہ "چمڑی جائے پر دمڑی نہ جائے"۔ بعض اخباروں نے ضمانت کی گراں باری کے باعث اور بعض نے کانگرس کے حکم سے اپنی اشاعت روک دی لیکن جب چند ہی روز میں یہ معلوم ہوا کہ ان کے اخباروں کی بندش کی وجہ سے

Marfat.com

"ٹریبیون" "ہندو ہیرلڈ" "مسلم آؤٹ لک" "انقلاب" اور "سیاست" کی اشاعت میں بہت بڑا اضافہ ہو رہا ہے تو ان سب کے منہ میں پانی بھر آیا اور لگے پیسے کمانے کی ترکیبیں سوچنے۔

اگر وہ نئے اخباروں کے ڈیکلریشن داخل کرتے تو خطرہ تھا کہ کہیں حکومت پھر ضمانت طلب نہ کر لے' اس لئے انھوں نے یہ ترکیب سوچی کہ لاہور کے جو بعض گم نام ہفتہ وار اخبار جاری ہیں' انہی کے روزانہ ضمیمے نکالے جائیں تاکہ کچھ ٹکے فراہم ہوں' چنانچہ "ہندوستان" "خاص" "ہمدرد" "ہندو رکھشک" کے ناموں سے چار ضمیمے جاری ہو گئے۔ ان میں سے کوئی ضمیمہ "گرو گھنٹال" کا بتایا جاتا ہے اور کوئی "ملاپ" سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن سب سے زیادہ دل چسپ معاملہ "ہندو رکھشک" کا ہے۔ اس کے ایڈیٹروں کی فہرست ملاحظہ کیجئے تو پورے سات ہیں' اس اعتبار سے اس کو "ست نجا" اخبار کہنا چاہیے۔

"ہندو رکھشک" پرشوتم لال سوندھی (بندے ماترم) شام لال کپور (گرو گھنٹال) نانک چند ناز (پرتاپ) اختر علی خاں (زمیندار) ملک یوسف (ویر بھارت) کرم چند (پارس) اور ایم اے خان (آہ مزدور) کی ایڈیٹری میں شائع ہو رہا ہے۔ قارئین "انقلاب" سمجھتے ہوں گے کہ جو اخبار لاہور کے تمام ایڈیٹروں کی ادارت میں نکلتا ہو گا وہ بہت ہی شان دار ہو گا لیکن ؎

آکر جو کوئی دیکھئے تو کچھ بھی نہیں ہوں میں
سر پر اٹھائے پھرتے ہیں شور و فغان مجھے

صرف ایک ورق پر چند خبریں چھاپ دی جاتی ہیں اور پیسہ پیسہ ہر شخص سے وصول کر لیا جاتا ہے۔ "ہندو رکھشک" کے پہلے پرچے میں لکھا ہے کہ "ملاپ" نے پہلے اپنی اشاعت بند کر دی تھی' اس کے بعد پھر نکلنے لگا اور جب لوگوں نے شور مچایا تو لالہ خوشحال چند صاحب نے اس کو بند کر کے ایک نیا اخبار "ہمدرد" نکال لیا۔ "ملاپ" کے اس غدارانہ اقدام کا جواب دینے کی غرض سے "ہندو رکھشک" نکالا گیا ہے۔

سبحان اللہ! یہ جواب کا خوب طریقہ ہے کہ ایک شخص کانگرس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے تو کانگرس والے بھی اس کے جواب میں خلاف ورزی شروع

Marfat.com

کردیتے ہیں۔ اس کو غداری کا "ہومیو پیتھک" علاج سمجھنا چاہئے۔۔۔

......"ہندو رکھشک" کے پہلے پرچے میں لکھا ہے کہ اس ضمیمے کی ساری آمدنی کانگرس کو دے دی جائے گی۔ ہم اپنے اخبار نویس بھائیوں کے اس ایثار پر فخر کرتے ہیں لیکن کیا اس سے ایک ناجائز فعل جائز ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی شخص چوری کرے اور اعلان کردے کہ میں اس نقب زنی کی آمدنی کانگرس کو دے دوں گا تو کیا وہ چوری جرم نہ رہے گی؟ کانگرس نے بدیشی کپڑوں کی فروخت ممنوع کر رکھی ہے' اگر کوئی بزاز یہ اعلان کردے کہ میں آئندہ جتنا بدیشی کپڑا بیچوں گا اس کا منافع کانگرس کو دے دوں گا تو کیا کانگرس اسے بدیشی کپڑا بیچنے کی اجازت دے دے گی؟۔۔۔

"ہندو رکھشک" کے معنی ہیں "ہندوؤں کی حفاظت کرنے والا" اس اخبار کے ایڈیٹروں میں مولانا اختر علی خان' ملک محمد یوسف' مسٹر ایم اے خان مسلمان ہیں' جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کو بالائے طاق رکھ کر اب ہندوؤں کی رکھشا کا کام اپنے ذمے لے لیا ہے۔ کیا اب بھی بعض لوگوں کو ہمارے اس دعوے پر یقین نہیں آئے گا کہ موجودہ تحریک خالص "ہندو راج" قائم کرنے کی تحریک ہے اور جو مسلمان اس میں شریک ہیں' وہ اس حقیقت کو جان بوجھ کر شریک ہیں۔ کیا اس اخبار کا کوئی اور نام نہ رکھا جا سکتا تھا؟ اگر اس کا کوئی ایسا نام ہوتا جس سے کسی خاص قوم کے ساتھ اس کی نسبت ظاہر نہ ہوتی تو ہم بالکل شکایت نہ کرتے لیکن جو لوگ اپنے اخبار کا نام "ہندو رکھشک" رکھنا گوارا کرتے ہیں وہ کس منہ سے اسلام کا دعویٰ کرسکتے ہیں؟ کفر کی حفاظت بھی کرنا اور پھر مسلمان بھی کہلانا ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ کیا کوئی صاحب ہمیں یہ معمہ سمجھانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے؟۔

انقلاب۔ جلد ۵ نمبر ۷ جمعہ۔ ۶ جون ۱۹۳۰ء

(۱۴)

"انقلاب" آغاز کار ہی سے مسلمانوں کو اس حقیقت ثابتہ سے روشناس کر رہا ہے کہ ہندو "سوراج" کے لئے نہیں بلکہ "ہندو راج" کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اگر ان کے سامنے دو چیزیں رکھ دی جائیں' ایک طرف ایسا سواراج جس میں مسلمانوں کے فرقہ وار حقوق تسلیم کرلئے جائیں اور دوسری طرف انگریز کی دائمی غلامی' تو بلا خوف تردید یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ہندو انگریز کی غلامی پسند کرے گا اور

Marfat.com

ایسے سواراج کو ٹھکرا دے گا جس میں مسلمانوں کو بھی کچھ مل جانے کا احتمال ہو۔
"انقلاب" نے اپنی ایک تازہ اشاعت میں لکھا تھا کہ ہندو، مسلمانوں کو فنا کرنے کے درپے ہیں لیکن انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان لوہے کے چنے ہیں، اول تو چبائے ہی نہیں جا سکتے اور اگر بالفرض حلق سے اتر بھی گئے تو ہندو قوم کے معدے کو چھلنی کر دیں گے۔

اس پر وہ "عظیم الشان" اور "جلیل القدر" کانگرسی اور قوم پرست اخبار "پرتاپ" جس کی وطن پرستی کی مدح و ثنا میں "زمیندار" بھانڈوں کی طرح قصیدہ خوانی کیا کرتا ہے، اپنی اشاعت مورخہ ۲۴ ستمبر میں لکھتا ہے کہ "اگر مسلمان لوہے کے چنے ہیں تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے چنوں کو کچلنے کے لئے خدا نے بڑے بڑے ہتھوڑے بھی ایجاد کر رکھے ہیں۔ اگر علم نہ ہو تو کسی لوہار کی دکان پر جا کر دیکھ لیجئے"

مسلمانو! سن لیا تم نے؟ جب کبھی کسی لوہار کی دکان پر تمہیں ہتھوڑا نظر آئے تو فوراً سمجھ لو کہ عنقریب وہ تمہارے پہرو سینہ کی تواضع کے لئے استعمال کیا جانے والا ہے تاکہ تم ہندو راج کی تدبیروں میں سدراہ نہ بن جاؤ۔ "پرتاپ" لکھتا ہے "آپ ہندوؤں کے معدے کو کیا چھلنی کریں گے، آپ کے دماغوں کو چھلنی کر دیا جائے گا۔" یہ جرات "پرتاپ" کو اس لئے ہو رہی ہے کہ آج کل اس کی ضمانت ضبط ہو چکی ہے اور چند روز وہ بلا ضمانت نکلے گا۔

"ہر کہ دست از جاں بشوید　　　　ہر چہ در دل دارد بگوید"

خدا کی قدرت ہے کہ آج مہاشوں کو بھی یہ دھمکی دینے کی توفیق ہوئی کہ مسلمانوں کے دماغ چھلنی کر دئے جائیں گے۔

جس کو ہم نے آشنا لطف تکلم سے کیا
اس حریف بے زبان کی گرم گفتاری بھی دیکھ

اب اتنی تکلیف فرمایئے کہ آج کے "افکار و حوادث" کا پہلا پیراگراف پھر ایک دفعہ پڑھ جایئے اور اس کے بعد "پرتاپ" مورخہ ۲۴ ستمبر کے تیسرے کالم کا یہ فقرہ ملاحظہ فرمایئے۔

ہندوستان میں اگر رہنا ہے تو "ہندوستانی مسلمان" بن کے رہنا پڑے گا۔ فرقہ

Marfat.com

واری کی اجازت نہ کسی اور ملک میں دی گئی ہے نہ ہندوستان میں دی جا سکتی ہے۔
غلامی منظور مگر فرقہ واری نا منظور۔

اگر "فرقہ واری" کا مطلب یہی ہے کہ مسلمانوں کے حقوق تسلیم کیے جائیں تو "پرتاپ" نے صاف صاف ایمان داری سے کہہ دیا ہے کہ ہندوؤں کو انگریز کی غلامی میں پڑے رہنا منظور ہے لیکن مسلمانوں کے حقوق تسلیم کرنا منظور نہیں۔

کیا آپ کو اب بھی ان مسلمانوں کی بے بصیرتی میں کوئی شبہ ہے جو ہندوؤں کے ان خیالات کے باوجود بھی ان کے دم چھلے بنے ہوئے "سول نافرمانیاں" کرتے پھرتے ہیں۔ یہ لوگ "ہندو راج" کی خدمت کرتے ہیں اور "سوراج" کی خدمت کا دعویٰ کرتے ہیں....

انقلاب۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۹۲۔ جمعہ۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۳۰ء

(۱۴)

"پرتاپ" کی گوناگوں دلچسپیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے دلائل اکثر ایک دوسرے سے متناقض ہوتے ہیں۔ مثلاً "مسلم آوٹ لک" کے سرکاری اشتہارات بند ہو جانے پر "پرتاپ" نے جو کچھ لکھا ہے' اس کے چند فقرے ملاحظہ ہوں :-

سب سے پہلے "مسلم آوٹ لک" سے ہمدردی ظاہر کی ہے کہ "اخبار خسارے میں چل رہا ہے۔ اشتہارات سے خسارے کا کچھ حصہ پورا ہو جاتا تھا' اب تو کچو مر ہی نکل جائے گا" ہمدردی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ "ہم اس بات کے خلاف ہیں کہ سرکار اخباروں کو ان کے خیالات کی سزا دے۔ اشتہارات خاص اخبارات کو دینا اور خاص کو نہ دینا ایک قسم کی سنسر شپ ہے اور اس کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے"

ہمدردی کی پہلی وجہ تو سبحان اللہ۔ ہم بھی جانتے ہیں اور مہاشے کرشن بھی اپنے دل میں خوب سمجھتے ہیں کہ انھیں "مسلم آوٹ لک" سے کتنی ہمدردی ہے۔ دوسری وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت صرف ایسے اخبارات کو اشتہار دیتی ہے جو اس کے حامی ہوں اور یہ بات ٹھیک نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ "مسلم آوٹ لک" نے حکومت کی کون سی مخالفت کی تھی

Marfat.com

؟ کانگرس کا حامی وہ نہیں' بھارت نوجوان سبھا کا حامی وہ نہیں' تعاونی اخبار ہے۔ آخر اس سے اشتہار کیوں چھین لئے گئے ؟

"ٹربیون" "ہندو ہیرلڈ" "ہندوستان ٹائمز" (دہلی) لالہ لاجپت رائے کا اخبار "پیپل" (آں جہانی) سب کے سب سرکاری اشتہارات سے بہرہ ور ہیں۔ آخر کیوں ؟ کیا ان اخبارات کے خیالات حکومت کے خلاف نہیں ہیں ؟ پھر حکومت ان کو بقول "پرتاپ" ان کے "خیالات کی سزا" کیوں نہیں دیتی ؟

"پرتاپ" کو ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۷ء تک سرکاری اشتہارات ملتے رہے۔ اس زمانہ میں "پرتاپ" کے تعلقات حکومت کے ساتھ کیسے تھے اور ۱۹۲۷ء کے بعد اس کے خیالات میں کون سا تغیر آگیا ہے' اس سے سرکاری اشتہارات کیون چھین لئے گئے ؟ پھر "پرتاپ" کو سرکاری اشتہارات اس کے بعد بھی کیوں ملتے رہے اور آج کل مہاشے جی حکام کی بارگاہوں میں اشتہارات کے لئے نک گھسنی کیوں فرما رہے ہیں ؟

ایک فقرے میں مہاشے پرتاپ فرما رہے ہیں کہ اخبارات کو ان کے خیالات کی سزا نہ دینی چاہئے اور دوسرے فقرے میں ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

حق تو یہ ہے کہ "انقلاب" و "سیاست" کی اس وقت جو پالیسی ہے اور جس طرح وہ سرکار کے خلاف زہر بکھیر رہے ہیں' وہ بھی اس کی سرپرستی کے مستحق نہیں۔ "مسلم آوٹ لک" کا "انقلاب" و "سیاست" سے کیا فرق ہے کونسا قصور ہے جو انگریزی اخبار نے کیا ہے اور اردو اخبارات نے نہیں کیا۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان میں تمیز روا رکھی جائے۔ ان سطور کا ہمارے نزدیک مطلب یہی ہے کہ "انقلاب" اور "سیاست" چونکہ آج کل "سرکار کے خلاف زہر بکھیر رہے ہیں" ۔ "لہٰذا خیر خواہ سرکار "پرتاپ" کا مشورہ یہ ہے کہ سرکار والا مداران گستاخوں کو اشتہارات دینا بند کر دے اور انھیں ان کے "خیالات کی سزا" ضرور دے۔ دنیا میں کیسے کیسے مختل الحواس اخبار نویس موجود ہیں جو چار سطریں لکھنے کے بعد بھول جاتے ہیں کہ پہلے کیا لکھ چکے ہیں۔ اس بحث سے یہ ثابت ہوگیا کہ سرکار اخباروں کو ان کے "خیالات کی سزا" دیتی ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتا تو "ٹربیون" "ہندو ہیرلڈ" "پیپل" "ہندوستان ٹائمز" سے اشتہارات چھین لیے جاتے اور "انقلاب" اور "سیاست" بھی ان سے محروم کر دیئے جاتے کیونکہ وہ بھی بقول "پرتاپ" سرکار کے خلاف زہر بکھیر رہے ہیں سرکار کے

Marfat.com

نزدیک اشتہارات دینے اور چھین لینے کا جو معیار ہے' وہ معلوم نہیں کیا ہے۔ سرکار کی باتیں سرکار ہی جانے ہمیں تو صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ جو معیار "پرتاپ" سمجھا ہے' وہ غلط ہے۔ "انقلاب" کے اشتہارات کی بندش کے متعلق "پرتاپ" نے جو سفارش کی ہے وہ خالص کمینگی ہے جو "پرتاپ" کی طرف سے ہرگز غیر متوقع نہیں۔ مقتضائے طینتش ایں است۔

آخری فقرے میں "پرتاپ" لکھتا ہے کہ "مسلم اوٹ لک" اب سرکاری اشتہارات کی غلامی سے آزاد ہو گیا ہے' اس لئے وہ اب سیاسی امور پر بے رو رعایت غور کر سکے گا۔"

مہاشے کرشن ہر شخص کو اپنا ہی سا سمجھ لیتے ہیں کہ جتنی دیر کسی سے پیسے ملتے رہے اتنی دیر چپ رہے' جونہی پیسے بند ہو گئے شور مچانا شروع کر دیا۔ ہم مہاشے جی کو بتانا چاہتے ہیں کہ "مسلم آوٹ لک" کے اشتہارات دو تین ماہ سے بند ہیں لیکن وہ محض اس وجہ کی بنا پر "مسلم کانفرنس" سے نکل کر نیشنل کانگرس میں شامل نہیں ہو گیا۔ وہ مسلمانوں کا حامی ہے اور انشاء اللہ بدستور رہے گا۔

انقلاب۔ جلد ۶ ۔ نمبر ۳۰۔ چہار شنبہ۔ ۲۴ جون ۱۹۳۱ء

Marfat.com

تعلیقات و حواشی

۱۔ حکومت برطانیہ نے ہندوستان کے دستوری مسائل کے حل کے لئے ایک رائل کمیشن سر جان سائمن کی صدارت میں ہندوستان بھیجا تھا چونکہ اس کمیشن کے تمام ارکان انگریز تھے' اس لئے ہندوستان کی بیشتر سیاسی جماعتوں اور رہنماؤں نے اس اقدام کو ہندوستانیوں پر عدم اعتماد کے مترادف جانا اور پورے ملک میں سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا گیا اور اس کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ مسلم لیگ کا ایک حصہ جس کی قیادت محمد علی جناح فرما رہے تھے' کمیشن کے مقاطعہ کا حامی تھا لیکن دوسرا حصہ جس کے قائد سر میاں محمد شفیع تھے' کمیشن سے تعاون کا حامی تھا۔ "انقلاب" لاہور مسلم لیگ کا ساتھ دے رہا تھا۔

۲۔ افغانستان کے بادشاہ امان اللہ خان جب یورپ کے سفر سے ۱۹۲۸ء کے شروع میں اپنے وطن واپس آئے تو انھوں نے ملک کو جہالت اور پسماندگی سے نکالنے کے لئے معاشرتی اور سیاسی اصلاحات نافذ کرنا چاہی۔ لیکن قدامت پسند ملا اور خوانین ان اصلاحات کے شدید مخالف تھے۔ ان حالات میں ایک ڈاکو بچہ سقہ حبیب اللہ نے لشکر جمع کر کے اعلان بغاوت کر دیا۔ خانہ جنگی کا آغاز ۱۴ نومبر ۱۹۲۸ء کو ہوا اور اس بغاوت کو ابھارنے میں انگریزوں کا ہاتھ تھا۔ افغانستان کی شاہی افواج نے باغیوں سے شکست کھائی اور ۱۷ جنوری ۱۹۲۹ء کو بچہ سقہ نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ امیر امان اللہ خاں اپنے رفقا کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور بمبئی سے بحری جہاز میں سوار ہو کر روم چلے گئے۔ مسلمانان ہند کی ہمدردیاں شاہ کے ساتھ تھیں۔

۳۔ ظفروال میں سکھ مسلمانوں کو اذان دینے اور مسجد میں نماز کی ادائیگی سے روکتے تھے۔ پنجاب کے مسلم اخبارات ان ناروا پابندیوں کے خلاف قلمی جہاد کر رہے تھے۔

۴۔ ان دنوں مہاتما گاندھی نے آزادی کے حصول کے لئے برطانوی حکومت کے خلاف تحریک عدم تعاون اور تحریک عدم تشدد شروع کی تھی۔ اس وقت نمک نکالنے

Marfat.com

کی اجارہ داری حکومت کے پاس تھی اور اس پر محصول عائد تھا کسی بھی فرد کے لئے محصول کی ادائیگی اور اجازت کے بغیر سمندر سے نمک کا حصول جرم تھا۔ گاندھی جی نے سابر متی آشرم کے نزدیک ساحل پر پہنچ کر سمندری پانی سے نمک حاصل کرنے سے تحریک کا آغاز کیا تھا۔

Marfat.com

Marfat.com

باب پنجم

ادب

Marfat.com

Marfat.com

ادبیات

(ا)

حیدر آباد دکن اپنے روشن خیال اور علم پرور شہریار کے طفیل علوم و فنون کا مرکز بن رہا ہے اور بڑے بڑے فضلائے روزگار زبان کے ذخیرۂ ادبی کو دنیا بھر کے علوم سے مالا مال کرنے میں مصروف ہیں۔ انہی فضلا میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو زبان اردو کے اسماء و افعال کو انگریزی کے سانچے میں ڈھال کر ان سے نئے نئے کام لینا چاہتی ہے۔ چنانچہ مولانا وحید الدین سلیم کی کتاب "وضع اصطلاحات" اس اپج کا علمی ثبوت ہے۔ مثلاً ان حضرات کا خیال ہے کہ جس طرح کمے' لات اور چپت سے کمیانا' لتیانا اور چپتیانا مصدر بنا لئے گئے ہیں اسی طرح دوسرے الفاظ سے کیوں نہ بنا لئے جائیں۔ انگریزی میں کئی ایسے الفاظ موجود ہیں جن کے آخر میں (ize) زاید کر کے یہی فائدہ اٹھا لیا جاتا ہے۔ مثلاً جب "نیشن" سے "نیشنلائز" بنا لیا گیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ "قوم" سے "قومیانا" مصدر کر لیا جائے۔

مثلاً اگر یہ فقرہ لکھنا ہو کہ "ہندوستان کی تمام ریلیں قومی بنا لی جائیں"۔ تو اس کی جگہ یوں لکھا جائے کہ "ہندوستان کی ریلیں قومیائی جائیں۔" اسی طرح "مار لائز" سے "اخلاقیانا" "سنٹر لائز" سے "مرکزیانا" بنا لیا جائے۔

ایجاز و اختصار بلاغت کی جان ہے اور جس زبان میں یہ خوبی ہو' وہ ضرور دنیا میں ترقی کرے گی۔ اردو میں یہ خوبی موجود نہیں' دوسری زبانوں میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً جہاں اردو والے اتنا لمبا فقرہ کہتے ہیں کہ "میں نے اس سے کہا۔" وہاں فارسی میں صرف "گفتمش" کہہ کر مطلب ادا کر دیتے ہیں۔ اردو بولنے والا کہتا ہے۔ "وہ شخص گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔" اتنے لمبے فقرے کو انگریزی داں تین چھوٹے چھوٹے لفظوں میں ادا کر دے گا (He Rode off)۔ فضلائے حیدر آباد کی تجویز ہے

Marfat.com

کہ اردو میں اس فقرے کو یوں بولا جائے کہ وہ "گھوڑیا گیا" اس سے ایجاز کا منشا بھی پورا ہو جائے گا اور ادائے مطلب میں بھی دقت نہ ہو گی۔

اس قسم کی مضحکہ خیز کوشش (سنجیدگی سے نہیں بلکہ محض بطریق تفنن) فارسی میں بھی کی جا چکی ہے۔ ایک مکرم دوست سید محمد عبد اللہ صاحب (پنجاب یونیورسٹی لائبریری) نے ہماری توجہ "طرزی افشار" کے کلام کی طرف مبذول کرائی ہے۔ یہ شاعر عباس شاہ صفوی کے زمانے میں گزرا ہے۔ یہ بھی اسما سے افعال بنا کر ان کو شعر میں استعمال کرتا ہے اور اس کی ایجادیں اب تک سرمایہ تفریح بنی ہوئی ہیں۔ مثلاً سفر سے سفریدن مصدر بنا کر مطلع لکھتا ہے۔

از بلدۂ قزوین بہ صفاہاں سفریدم ۔ بے خرجی و بے اسپ خراماں سفریدم

اور اس قطعہ میں تو اس نے کمال ہی کر دیا ہے ....

اہل عجب و ریا دماغیدند ۔ من فقیریدم و حقیریدم
ہرگز از کس نخواستم چیزے ۔ گہ قلیدم از کثیریدم
پشت بر منصب جہاں دیدم ۔ نہ امیریدم نہ وزیریدم
یار را نیست قید من طرزی ۔ او پریدہ من حصیریدم

طرزی طرز جدید کا بانی ہونے پر بر سبیل تفاخر لکھتا ہے۔

ترا طرزیا صد ہزار آفریں ۔ کہ طرز غزلے جدیدیدم

اس کی طبع بلند نے حجاز و صفہان کو بھی اسی سیلاب میں بہا دیا۔

طرزی از رہ ہمت ہمرہاں حجازیدند ۔ تو زراہ ماندی بسکہ اصفہانیدی

ایک اور غزل کا مطلع و مقطع سنیے۔

بامن دل خستہ اے دلدار خنبیدن چرا ۔ تو غزال گلشن حسنی پلنگیدن چرا
طرزیا چوں در طریق عاشقی بے مقصدی ۔ ہمچو زہا دریائی عذر لنگیدن چرا

ایک اور نہایت دل آویز مثال ملاحظہ ہو۔

ترکیدم و تائیدم و آنگہ عربیدم ۔ در دیدۂ کوتہ نظراں بو العجبیدم
شعبان رمضان کرب د بلا دم متعجب ۔ بے آش جمادیدم و بے نان رجبیدم

یعنی جمادی و رجب کے مہینے آش و نان کے بغیر ہی گزار دیے۔

ہماری خواہش ہے کہ اردو کے کوئی مشاق اور ذہین شاعر صاحب بھی اس انداز

Marfat.com

میں طبع آزمائی فرمائیں تاکہ فضلائے دکن کی جدت پسندی کی عملی داد دی جا سکے۔ دیکھیں کون مرد میدان سامنے آتا ہے؟ کیا حضرت حفیظ اور پنڈت ہری چند اختر اس طرف توجہ فرمائیں گے؟........

انقلاب۔ جلد ا۔ نمبر ۱۱۔ سہ شنبہ۔ ۱۹ اپریل ۱۹۲۷ء

(۲)

روہیل کھنڈ کا ایک اخبار اپنی ہر اشاعت کے صفحہ اول کے پہلے کالم میں "گل دستہ مدیر" کے عنوان سے چند غزلیں شائع کیا کرتا ہے جن میں عشق و الفت کے نہایت فرسودہ و مبتذل جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے اور بعض اوقات تو یہ جذبات زلف و رخ اور ہجر و وصال کی حدود سے گزر کر فحش تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔ اس اخبار کی اشاعت مورخہ ۹ جون کے "گل دستہ مدیر" کا پہلا پھول سید فرزند احمد صفیر بلگرامی کے خیابان طبع سے توڑا گیا ہے۔ اس پھول کی دو پتیاں ملاحظہ ہوں۔

پاس اپنے گدگدا کے لٹا ہی لیا انہیں اچھا ہنسی ہنسی میں مزارات بھر ہوا

حالانکہ اس "واقعہ جمیل" سے چند ہی شعر پہلے صفیر صاحب ناسازگاریِ لیل و نہار کا شکوہ یوں فرما چکے ہیں کہ۔

وہ پاؤں ایک شب نہ ہوئے میرے زیب دوش
یہ ہاتھ ایک روز نہ طوق کمر ہوا

"کسی کے پاؤں کو زیب دوش" کرنے کی آرزو ظاہر کر کے صفیر صاحب نے "کوک شاستر" چھاپنے والوں کی نہایت گراں بہا خدمت انجام دی ہے اور اس اخبار کے مدیر نے بھی یہ "آسن" پسند فرما کر قارئین کرام کی افزائش معلومات کے لئے شائع کر دیا ہے۔

صفیر صاحب اسی بلگرام کی خاک پاک سے پیدا ہوئے ہیں جس کو علامہ عماد الملک مرحوم اور علامہ سید علی مغفور کا مولد و منشا ہونے کا فخر حاصل ہے۔

زمنقار ہما در کام زاغاں طعمہ اندازد مدار روزگار سفلہ پرور راتماشا کن

انقلاب۔ جلد ا۔ نمبر ۵۹۔ پنج شنبہ۔ ۱۶ جون ۱۹۲۷ء

(۳)

۔۔۔ جموں کے ایک "کشتہ ناز" صاحب لکھتے ہیں:۔

Marfat.com

"حسن و عشق کی تاریخ میں "ناز" نے جو ستم آرائیاں اور تباہ کاریاں کی ہیں وہ ارباب بصیرت کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ کسی ناز آفریں کے اک ناز عالم فریب نے بڑی بڑی سلطنتوں اور حکومتوں کو صفحہ دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور وہ جلیل القدر شہنشاہ بھی جن کا اک اشارۂ ابرو رشتہ حیات انسانی کے انقطاع کے لئے قانونی اہمیت رکھتا تھا اور جن کے اک گوشہ چشم التفات سے انسان فلک الافلاک پر جا پہنچتا تھا "ناز" کی ہمہ گیر قہرمانیوں سے نہ بچ سکے۔ انٹنی اور کلوپیٹرا کا غیر فانی واقعہ آج تک دلوں کو برما رہا ہے۔

غالب مرحوم کہنے کو تو کہہ گئے ۔

پھر کھلا ہے در عدالت "ناز"
گرم بازار فوجداری ہے

لیکن مرحوم کو بھلا کیا معلوم تھا کہ وہی عدالت ناز جو اک عالم کو کشتنی قرار دے چکی ہے، بیسویں صدی عیسوی میں خود خلاف قانون گردانی جائے گی اور "ناز خانہ برانداز" کسی برطانوی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے نظر آئیں گے۔[۲] ع

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی ۔

کیا یہ امر موجب صد حیرت و استعجاب نہیں کہ وہی "ناز" جس کی رسوائے عالم ہلاکت آفرینی نے بربادی کا تہیہ کر رکھا تھا ایک فرنگی عدالت میں بطور ملزم حاضر ہے اور آج "عرض ناز" کی سماعت ہو رہی ہے۔ سیاسی اور مذہبی حلقہ میں خواہ کچھ ہی خیال ہو لیکن دنیائے عشق موجودہ تہذیب کی کورذوقی پر ماتم کناں ہے اور "دل پھینک" حضرات پر تو ایک حیران کن سکوت چھایا ہوا ہے۔

ناز خواہ دل صد چاک پر کتنی ہی نمک پاشی کرے لیکن خوئے وفا "لب پہ دعا ہو" ہی کی مقتضی ہے۔

دروغ برگردن راوی لیکن سننے میں آیا ہے کہ عاشقوں کا ایک وفد جناب وائس رائے کے حضور میں حاضر ہو کر لاہور کے خداوندان انصاف کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے والا ہے کہ ناز صاحب سے کسی قسم کی باز پرس ضابطۂ عشق کی نقیض ہے، کیونکہ ابتدائے آفرینش سے تاایں دم کسی نے بھی حسن کے اس جزولا تیجزی پر قید و بند کے مصائب نازل نہیں کئے۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۲۵۔ چہار شنبہ۔ ۳ اگست ۱۹۲۷ء

(۴)

چند روز ہوئے کسی شخص نے آکر ہم سے پوچھا۔ کیوں صاحب رسالہ نیرنگ خیال' کا "نیول نمبر" کب نکلے گا؟ ہم یہ "نیول نمبر" سن کر بہت حیران ہوئے۔ "نیول" پنجابی میں "نیولے" کو کہتے ہیں۔ ہم نے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لی کہ حکیم یوسف حسن صاحب کی عادت میں یہ بات داخل ہو چکی ہے کہ کسی کو چھینک بھی آئے تو اپنے رسالے کا "خاص نمبر" نکال دیا کرتے ہیں اور سو صفحے کی ضخامت میں ڈیڑھ سو تصویریں دے دیا کرتے ہیں۔ ممکن ہے انہیں نیولے میں بھی کوئی ایسی ادبی خصوصیات نظر آگئیں کہ اس کی یادگار میں خاص نمبر نکالنا ضروری ہو گیا ہو۔

دریافت حال پر معلوم ہوا کہ نیول نہیں "اینول نمبر" نکلنے والا ہے (Annual Number یعنی سال نامہ) جسے بعض انگریزی نہ جاننے والے "نیول نمبر" پڑھ رہے ہیں۔ سنا ہے کہ اس نمبر میں جو دسمبر میں شائع ہوگا' خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کوئی دو ڈھائی سو انشاپردازوں کے دماغوں کا عرق کشید کر کے بھر دیا جائے گا اور تصاویر کی یہ حالت ہوگی کہ ہر صفحے کے ساتھ ایک نفیس تصویر ہوگی خواہ اس کا موقع ہو یا نہ ہو۔

ہم ابھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ پوجیہ پاد نیرنگ خیال کے اس "مہا نمبر" کی ضخامت کتنی ہوگی۔ غالباً صدہا صفحات ہوں گے اور ہزاروں تصویریں ہوں گی۔ حکیم صاحب نے (اپنے قول کے مطابق) اپنا سارا اثاثہ اس "مہا نمبر" کی تیاری پر لگا دیا ہے اور ارادہ یہ ہے کہ اس کے عوض میں ان سب لوگوں کی جیبیں خالی کرالی جائیں گی جنھیں بد قسمتی سے ادب کے ساتھ ذرا سا بھی واسطہ ہے۔

قارئین "افکار" نیرنگ خیال کے اس گراں ڈیل نمبر کی زیارت کے منتظر ہیں۔ اس میں ملک کے تقریباً تمام ادبا و شعرا کے نتائج افکار شائع ہوں گے کیونکہ حکیم یوسف حسن صاحب نے آج کل ان غریبوں پر زندگی اجیرن کر رکھی ہے اور ان میں سے ہر شخص یہی کہتا ہوا سنائی دیتا ہے کہ مضمون دیے بغیر اس "ادبی فرینک جانسن" کے مارشل لا سے چھٹکارا پانا محال ہے۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۱۵۔ شنبہ۔ ۱۹ نومبر ۱۹۲۷ء

Marfat.com

(۵)

۔۔۔۔ ایک دوست کرنال سے لکھتے ہیں کہ "انقلاب" کی خبروں میں بعض دفعہ "طلایہ گردستوں" کا ذکر پڑھنے میں آیا ہے۔ یہ طلایہ کیا چیز ہے' کس زبان کا لفظ ہے اور طلایہ گری کس کو کہتے ہیں؟ گزارش یہ ہے اصلی لفظ طلیعہ تھا۔ عربی زبان میں طلیعہ سے وہ دستہ مراد ہے جو رات کو لشکر اور شہر کی حفاظت کے لئے پہرہ دے یا کوچ کے وقت لشکر کے آگے آگے جا کر امنیت راہ کے متعلق اطمینان کرے۔ طلیعہ ایک دستے کو کہتے تھے' جب بہت سے دستوں کا ذکر آتا ہے تو اس کی جمع یعنی "طلائع" استعمال کرتے ہیں۔

اب جس طرح ہندوستان کے عام اردوداں "بدائع" اور "صنائع" کو "بدایہ" "صنایہ" بولتے ہیں اسی طرح طلائع کا لفظ ترکوں اور ایرانیوں کی زبان پر آکر "طلایہ" ہو گیا اور اسی طرح لکھا جانے لگا آج کل بھی "طلایہ گری" کا مفہوم وہی ہے یعنی امنیت راہ کے اطمینان کے لئے گشت کرنا جسے انگریزی میں "پیٹرول" کہتے ہیں۔[1]

انقلاب۔ جلد ۲ نمبر ۱۲۲۔ یک شنبہ۔ ۲۷ نومبر ۱۹۲۷ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۶)

جناب اصغر حسین خاں صاحب نظیر لدھیانوی کی ایک نظم "رفیق حیات" آج سے تقریباً دو سال پیشتر لاہور کے ایک ادبی رسالہ "انتخاب" میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں کم و بیش ستر اشعار ہیں۔ نظیر صاحب اسے عنقریب کتابی صورت میں بھی شائع کرنے والے ہیں۔

لیکن یہ دیکھ کر ہمیں بے انتہا حیرت ہوئی کہ ہفتہ وار اخبار "اتحاد" (مورخہ ۲۵ دسمبر) میں جو مولانا تاجور نجیب آبادی کی ادارت میں شائع ہوتا ہے' اس نظم کے "نو اشعار" درج ہیں اور ان پر "ازجناب سحر" کے الفاظ لکھے ہیں۔ خدا جانے یہ سحر صاحب کون ہیں جو چور بھی ہیں اور سینہ زور بھی یعنی دوسروں کا کلام مطبوعہ چراتے بھی ہیں اور پھر اس کو چھپواتے بھی ہیں۔

لیکن جناب نظیر کو سب سے زیادہ تعجب تاجور صاحب پر ہے جنہوں نے بارہا یہ نظم جناب نظیر کی زبان سے سنی ہے اور پچھلے دنوں سر عبدالقادر کے دولت کدے پر نظیر صاحب سے یہی نظم سنانے کی فرمائش بھی کی تھی' پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے اسی نظم

Marfat.com

کے چند اشعار نکال کر کسی اور شاعر کے نام سے اپنے اخبار میں درج کر دیے۔ اگر مولانا نے اسی طرح نظم کے آٹھ آٹھ نو نو اشعار اپنے دوستوں اور شاگردوں میں تقسیم کر کے انھی کے ناموں سے چھاپ دئے تو بے چارے نظیر صاحب کیا کریں گے۔ یہ اچھی رہی کہ "دکھ بھریں بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں"۔ دماغ سوزی تو نظیر صاحب کریں اور اشعار کی داد جناب سحر کو ملے جو خدا جانے عالم ہستی میں موجود بھی ہیں یا محض تاجور صاحب کے نہاں خانہ فکر ہی کی مخلوق ہیں۔۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۵۶۔ شنبہ۔ ۷ جنوری ۱۹۲۸ء

(۷)

کسی گذشتہ اشاعت میں ہم نے اپنی جہالت پر افسوس کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ہمیں "باوٹہ" کے معنی معلوم نہیں۔ بعض احباب نے بتایا کہ "باوٹہ" جھنڈے کو کہتے ہیں۔ حکیم احمد شجاع صاحب نے اس کی وجہ تسمیہ یوں واضح کی ہے کہ باؤ ہندی میں ہوا کو کہتے ہیں "ٹہ" نسبتی ہے۔ گویا ہوا میں رہنے والی چیز' چونکہ علم ہوا میں لہراتا رہتا ہے لہذا اس کا نام باوٹہ ہوا۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۶۵۔ چہار شنبہ۔ ۱۸ جنوری ۱۹۲۸ء

(۸)

۔۔۔۔ ایک سہارن پوری شاعر صاحب منشی عبدالکریم سراب (ولد رستم ؟) کے کلام بلاغت نظام کا نمونہ موصول ہوا ہے۔ دو شعر ملاحظہ ہوں ۔

کون جا سکتا ہے اس شوخ زمانے کے قریب
دھمکی دیتا ہے کہ میرا گھر ہے تھانے کے قریب
کہہ دو خدمت گار سے ماہی کے کباب اور کباب لال پانی میرے کھانے کے قریب

"شوخ زمانے" کی ترکیب متقدمین و متاخرین کے کلام میں اپنی ندرت کے اعتبار سے مثال نہیں رکھتی۔ دوسرے شعر میں "پانی لگانا" (محاورہ ؟) کس خوبی سے نظم کیا گیا ہے۔ ہمارے دوست حکیم احمد شجاع صاحب بر سبیل تفنن ہر بات میں "لگانا" استعمال فرمایا کرتے ہیں۔ اور ان کا قول ہے کہ "آب" اور جوتے" کے سوا "لگانا" ہر موقع پر بولا جا سکتا ہے۔ خدا جانے اس (لگانے) کے متعلق ان کا کیا خیال ہے ؟ "آگ لگانا" تو سنا تھا یہ "پانی لگانا" بالکل نئی تراوش ہے۔

Marfat.com

سراب صاحب کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

پھر ہمیں وحشت دل لے کے یہاں آئی ہے
پھر دریار پہ آج ہم نے جبیں سائی ہے

ہم نے "جبیں سائی ہے" نہایت لطیف ٹکڑا ہے "سانا" بمعنی "گھسانا" زبان اردو میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ خدا کرے آئندہ سراب صاحب تصنیف محاورات میں اس سے بھی زیادہ کامیاب ہوں۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۲۵۲۔ جمعہ ۴ مئی ۱۹۲۸ء

(۹)

مشاعرے بھی بعض اعتبارات سے طاعون کا حکم رکھتے ہیں کیونکہ یہ وبا بھی اکثر سردی میں پھیلتی ہے اور مشاعرے بھی زیادہ تر موسم سرما میں ہوتے ہیں۔ طاعون بھی متعدی ہے اور مشاعرے بھی جب ایک دفعہ شروع ہو جاتے ہیں تو صحبت کے اثر سے پھیلتے ہی چلے جاتے ہیں اور ادبی انجمنیں یکے بعد دیگرے اس میں مبتلا ہوتی چلی جاتی ہیں لیکن اس دفعہ خلاف معمول اس بیماری کا ایک "کیس" عین شدت گرما کے زمانے میں ہو گیا ہے۔ ہمارے ایک دوست شیخ ناصر حسین عقیل نے اعلان کر دیا کہ ۱۰ جون کو اتوار کے دن شام کے ساڑھے سات بجے ایس۔ پی۔ ایس۔ کے' ہال میں "دائرہ ادبیہ" کے زیر اہتمام ایک مشاعرہ ہو گا جس میں فلاں فلاں اصحاب شامل ہوں گے۔ فہرست میں حفیظ و اختر کے علاوہ تاجور و ارمان کے اسمائے گرامی بھی درج تھے حالانکہ ۔

ہم اور رقیب دونوں یک جا بہم نہ ہونگے
ہم ہوں گے' وہ نہ ہوں گے' وہ ہوں گے ہم نہ ہوں گے

لاہور میں ایک شخص رہتا ہے جس کا نام عبدالمجید ہے' سالک تخلص کرتا ہے۔ مشاعروں کی صدارت کرنا اب اس کا پیشہ سا ہو گیا ہے۔ اسے نیا شعر کہنے کی کبھی توفیق نہیں ہوئی۔ ہمیشہ پرانی نظمیں لوگوں کو سنا کر زبردستی واہ واہ وصول کر لیتا ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو اس کی بہت سی نظمیں صرف لاہور ہی کے مشاعروں میں بیس بیس دفعہ پڑھی اور سنی جا چکی ہیں لیکن عجیب آدمی ہے کہ نہایت دیدہ دلیری سے انہی کو دہراتا رہتا ہے اور عوام کی سادگی ملاحظہ ہو کہ انہی نظموں کو بار بار سنتے ہیں اور

Marfat.com

اف نہیں کرتے بلکہ اصرار سے سنتے ہیں اور داد دیتے ہیں "دائرہ ادبیہ" کے سیکرٹری صاحب نے اس شخص کو کسی نہ کسی طرح مجبور کر کے اپنے مشاعرے کا صدر بنا دیا اور اشتہار میں لکھ دیا کہ "افتخار الشعرا" مولانا سالک صدر ہوں گے۔

سالک میں ہزار عیب ہوں لیکن خدا کو جان دینی ہے' ہم تو سچی بات کہیں گے کہ اس شخص میں "خواہش حصول خطاب" کی کمزوری ہرگز نہیں ہے' بلکہ اگر بفرض محال حکومت بھی "افکار و حوادث" کی خدمات کے صلے میں اسے "سر" بنا دے تو غالبًا وہ اس خطاب کو شکریہ سے واپس کر دے گا۔ اگر کسی کو یقین نہ ہو تو وہ حکومت سے سالک کو "سر" کا خطاب دلوا کر دیکھ لے ....

انقلاب۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۲۸۴۔ چہار شنبہ۔ ۱۳ جون ۱۹۲۸ء

(۱۰)

شہر دلی میں اس سال عید اضحیٰ امن و امان سے گزر گئی۔ اخبار نویسوں نے اس پر خوشی ظاہر کی حکام مطمئن ہوئے' رہنمایان قوم کی جان میں جان آئی' پھر یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ شعرا کا طبقہ امن و امان سے غیر مطمئن رہتا' چنانچہ آج ہم ایک ایسے شاعر بے بدل سے قارئین "افکار" کو روشناس کراتے ہیں جس نے دہلی کے امن و انتظام پر ایک قصیدہ لکھا ہے۔ قصیدہ کا عنوان ملاحظہ ہو۔

"نظم بر انتظام گزرنے بقر عید امن و امان سال ۱۹۲۸ء دہلی"

سبحان اللہ ! کیا ایجاز و بلاغت ہے۔ کوزے میں دریا بند کر دیا۔ کوئی اور شخص لکھتا تو خدا جانے اسکا مطلب ادا کرنے کے لئے کتنے فقرے لکھنے پڑتے' جتنا آپ نے ایک ہی عنوان میں واضح کر دیا۔

شاعر صاحب کا اسم گرامی دولت رام چوپڑا اور عہدہ "میونسپل پراسیکوٹر" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی نثر میں میونسپلٹی کے اہل کاروں کی تحریر کا رنگ موجود ہے اور اس پر "چوپڑیت" سونے پر سہاگہ کا کام دے رہی ہے۔ نثرش شنیدی حالا نظمش را گوش کن۔ پہلا ہی شعر ہے ۔

اب کے گزری دہلی میں بقر عید جیسے امن کی
کیوں نہ گزرے جانسن میں طاقت ہے ریو دمن کی

وزن و بحر کا خیال نہ کیجئے کیونکہ یہ نظم اس عیب سے یکسر پاک ہے۔ ریودمن سے

Marfat.com

مہاراجہ نابھہ ہرگز مراد نہیں بلکہ دشمنوں کو نیچا دکھانے کی صلاحیت کے باعث یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

جانسن صاحب کے معشوقانہ انداز سخن کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

پھول جھڑتے ہیں زبان سے گفتگو جب کرتے ہیں
دوست خوش ہوتے ہیں دشمناں سب ڈرتے ہیں

"دشمناں کی بھی ایک ہی کہی" لیکن سوال یہ ہے کہ اگر جانسن صاحب کی باتیں پھول ہیں تو "دشمناں" ڈرتے کیوں ہیں ؟ آج معلوم ہوا کہ جانسن صاحب گاتے بھی خوب ہیں کیونکہ حضرت چویڑہ نے فرمایا ؟

قابو کر لیتے ہیں سب کو اپنی خوش الحانی سے
دست پنجہ لے کے ملتے خندہ پیشانی سے

جانسن صاحب کی مزید خوبیاں معلوم کرنی ہوں تو ذیل کا شعر پڑھئے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

برف سے ٹھنڈے ہیں وہ اور میٹھے ہیں وہ منہ سے
دل یہ جا کر لیتے ہیں مسکاتے ہیں وہ منہ سے

یہ "منہ سے مسکانا" ہماری سمجھ میں نہیں آتا ممکن ہے بیگمات قلعہ معلی کا کوئی مخصوص محاورہ ہو۔

سب سے اول کرتا ہوں ولیم کرسٹی کا ذکر لکھنے کے بعد آپ نے ایک شعر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

کانپتے غنڈے، لفنگے کرسٹی کا سن کر نام انتظام عید میں مصروف تھے صبح مسام

یہ "مسام" آپ سمجھ نہیں سکتے۔ اس سے انسانی جلد کے مسام مراد نہیں بلکہ حقیقت میں یہ لفظ مسا (یعنی شام) تھا۔ میم محض ضرورت شعری کی وجہ سے بڑھا دی گئی ہے۔

ایک مصرع لکھا ہے۔

نیک طینت ہیں بہادر تیزی ہے مزاج میں

ہم یہ مصرع پڑھ کر متعجب ہوئے کہ مدح میں اس کی کیا ضرورت تھی کہ "مزاج کی تیزی" کا ذکر بھی کیا جاتا۔ اس اثنا میں ہماری نظر حاشیے پر پڑی تو "تیزی"

Marfat.com

کا مطلب پھرتی لکھا ہوا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ حاشیے پر ترجمہ کرنے کی بجائے شاعر نے "تیزی" کی جگہ "پھرتی" ہی کیوں نہ باندھ دیا۔ غالبا اس سے شعر میں "سکتہ پڑنے" کا اندیشہ ہوگا۔

ڈپٹی کمشنر' ایڈیشنل صاحب' جعفری صاحب اور کوتوال صاحب کی شان میں اس قسم کی بے تکی مدح سرائی کرنے کے بعد جناب "چوپڑیت ماب" نے تھانے داروں' مسٹرلال مخدوم صاحب' صورت سنگھ اور دوسرے عہدہ داروں کی فہرست بھی دے دی ہے لیکن لامحالہ بعض کے نام چھوٹ گئے ہوں گے' چنانچہ آپ نے اس فروگزاشت کی شاعرانہ معذرت یوں کی ہے ؂

معاف وہ کر دیں گے مجھ کو نام جن کا رہ گیا
کیا کروں مجبور ہوں بحر طویل ہے بہ گیا

سچ ہے' آپ کا کیا قصور ہے' بحر ہی اتنا طویل ہے کہ آپ (بہ گئے) قوافی کے کمالات بھی قابل دید ہیں۔ مثلاً اس شعر میں قدر اور دن قافیے ہیں۔ ؂

غرض اب کے افسروں نے جس قدر ڈیوٹی پہ تھے
مستعدی وہ دکھائی رات دن ڈیوٹی پہ تھے

بعض مصائب بھی بطور عذر بیان کئے گئے ہیں ؂

جب سے لڑکی مر گئی بے کار ہے میرا دماغ
کیا کروں ماتم میں ہوں دل ہو گیا ہے داغ داغ

غالبًا اس شعر کا وزن محض اس لئے درست ہے کہ یہ شعر جذبہٴ دلی کے تقاضے سے نکلا ہے۔ سب افسروں کو مرحبا جزاک اللہ کہنے کے بعد آخری شعر یوں لکھا گیا ہے۔ ؂

مرحبا اے جانسن تجھ کو مبارک امن بھی   دولت برطانیہ کا کھل رہا ہے چمن بھی

شعرا شکایت کیا کرتے ہیں کہ امن کا قافیہ نہیں ملتا لیکن چوپڑہ صاحب نے کم از کم دو قافیے تو تلاش کر ہی لئے ہیں "ریوڈمن اور چمن"

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۲۸۹۔ یک شنبہ ۱۹ جون ۱۹۲۸ء

(۱۱)

آج کل کے ادبی رسالوں میں افسانوں کی وہ بھرمار ہے کہ کچھ نہ پوچھیے۔ جس

Marfat.com

نوجوان کو بزعم خویش اردو میں چار سطریں بھی لکھنی آجاتی ہیں یا انگریزی سے برا بھلا ترجمہ کرنے کا سلیقہ پیدا ہو جاتا ہے وہ ایک دم افسانہ نگار بن بیٹھتا ہے' حالانکہ مختصر افسانہ نویسی ادبیات میں مشکل ترین فن ہے اور بڑے بڑے مشاق بھی اس میں ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔

بجنور سے اخبار "نجات" کے مالک ایک رسالہ "تفریح" بھی شائع کرتے ہیں۔ اس کے سرورق پر تو لفظ "ماہواری" ثبت ہے لیکن کبھی کبھی دو دو تین تین ماہ میں ایک بار شائع ہوتا ہے۔ رسالہ بحیثیت مجموعی اچھا ہے اور اکثر مفید معلومات کے مضامین شائع کرتا ہے۔

اس رسالے نے اپریل اور مئی کا جو اکٹھا نمبر شائع کیا ہے' اس میں "جمال ہم نشین" کے عنوان سے ایک افسانہ بھی درج ہوا ہے جس میں "ہیرو" کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے :۔

"جب وہ سلیم شاہی جوتا پہنے، شلوار باندھے' سر پر ترکی ٹوپی رکھے' ہاتھ میں نازک سی بید کی چھڑی لئے نکلتا تو بہت پیارا لگتا۔ جب اپنے انداز خاص میں جھوم جھوم کر چلتا تو معلوم ہوتا کہ طاؤس حالت مستی میں ٹہلتا چلا آ رہا ہے۔"

ذرا غور فرمائیے "ہیرو" کے جسم پر لباس صرف "شلوار" ہے اس کے علاوہ پاؤں میں سلیم شاہی جوتا اور سر پر ترکی ٹوپی ہے اور بس۔۔۔۔۔

اب سوال یہ ہے کہ اس نوجوان نے یہ عجیب و غریب فیشن کس قوم کے "تتبع" میں اختیار کیا کہ صرف شلوار پر اکتفا کر کے باقی سارا جسم عریاں چھوڑ دیا۔ اگر یورپ کی عورتوں کے "نیم عریاں" لباس کا شوق تھا تو بدن پر قمیص تو ضرور ہونی چاہئے تھی گو اس میں گردن' نیم سینہ اور دونوں بازو عریاں ہی ہوتے۔ شلوار کے بجائے اگر آپ نیکر پہنتے تو زیادہ موزوں تھا۔

آج کل گرمی کے موسم میں بعض فیشن ایبل حضرات نے ایک ایسی قمیص پہننی شروع کر دی ہے جس میں کہنیوں تک ہاتھ اور گردن کا کچھ حصہ کھلا رہتا ہے یہی قمیص تھوڑی سی قطع و برید کے بعد "نیم عریاں" فیشن کے مطابق ہو سکتی تھی لیکن خدا جانے "ہیرو" صاحب نے کس مصلحت سے اوپر کے دھڑ کو بالکل برہنہ رکھنا مناسب جانا۔

"ہیرو" کے ایک دوست "نسیم" کے متعلق لکھتا ہے کہ "نسیم کو اس کے ساتھ ایک عشق سا تھا۔ اس کی ہمیشہ یہی خواہش رہتی کہ فیروز اس کے آگے آگے نہر کی

Marfat.com

پٹڑی پر یا کھیت میں آہستہ آہستہ محو خرام ہو۔ نسیم چپکے چپکے پرستارانہ عقیدت کے ساتھ قدم بہ قدم اس کے دل کش چہرے' اس کی ٹوپی کے پھندنے کی جنبش اور اس کی محویت و استغراق کو دیکھے اور دیکھتا رہ جائے"

اب ملاحظہ فرمایئے کہ نسیم کی یہ خواہش ہمیشہ یہی رہتی ہے کہ فیروز اس کے آگے آگے نہر کی پٹڑی اور کھیت میں محو خرام ہو اور خود نسیم اس کے قدم بہ قدم چلے۔ یہاں تک تو کوئی مضائقہ نہ تھا کیونکہ آج کل نوجوانوں میں ایسا عشق بہت عام ہو رہا ہے لیکن حل طلب معمہ یہ ہے کہ نسیم فیروز کے "پیچھے" قدم بہ قدم رہ کر اس کے "دل کش چہرے" اور "اس کی محویت اور استغراق" کو کیونکر دیکھ سکتا تھا۔ کوئی شخص کسی کے پیچھے پیچھے رہ کر اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں' اگر افسانہ نگار صاحب کو اپنی قوت روحانی سے کوئی ایسا ملکہ نصیب ہو گیا ہو تو وہ دوسری بات ہے۔ لیکن ہم جیسے عام انسان تو اس صورت حالات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

رہا ٹوپی کا پھندنا تو بلا شبہ نسیم فیروز کے پیچھے رہ کر اس کے پھندنے کو دیکھ سکتا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ کالے پھندنے کی جنبش میں آخر کون سی دل کشی ہے کہ نسیم کی "ہمیشہ" یہی خواہش رہتی ہے کہ وہ اس کے "پیچھے" اور "قدم بہ قدم" رہ کر ہر وقت اسے دیکھا کرے۔ شاید ایسے ہی موقعوں پر لوگ کہا کرتے ہیں کہ "لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید" ممکن ہے نسیم کو فیروز کے کالے پھندنے ہی میں حسن و جمال کے جلوے تڑپتے ہوئے نظر آتے ہوں اور ہماری ادا ناشناس آنکھیں اس کی دل کشی کا اندازہ نہ کر سکتی ہوں۔

افسانہ نگار صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ افسانہ نگاری کا کمال موزونیت و مناسبت میں ہے "ان مل بے جوڑ" باتیں لکھنا افسانے کی قدر و قیمت کھو دیتا ہے اور نقادان فن کی نظروں میں اسے مضحکہ خیز بنا دیتا ہے۔ سارے لباس میں سے صرف شلوار کا ذکر کرنا اور باقی چیزوں کو چھوڑ دینا چشم تصور کے سامنے ایک عجیب منظر پیش کر دیتا ہے ' جس کو پیش کرنا افسانہ نگار کا حقیقی مقصد ہرگز نہ تھا۔ اس کے علاوہ "پیچھے" رہ کر "دل کش چہرے" "کا معائنہ کرنا واقعتہ" درست نہیں ممکن ہے کل کو سائنس داں کوئی ایسا آلہ ایجاد کر دیں جس سے اس طرح دوسرے شخص کا چہرہ نظر آ سکے لیکن فی الحال تو کوئی صورت نہیں جس سے افسانہ نگار کا مقصد پورا ہو سکے۔ کاش یہ صاحب اپنا "افسانہ" پریس میں بھیجنے سے پیشتر کسی صاحب فن کو دکھا لیتے یا کم از کم خود ہی آنکھیں کھول کر اسے دوبارہ پڑھ لیتے۔

Marfat.com

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۱۳۔ جمعہ۔ ۶ جولائی ۱۹۲۸ء

(۱۲)

حیدر آباد دکن کی عثمانیہ یونیورسٹی کے سلسلے میں جو دارالترجمہ قائم ہے، وہاں روزمرہ الفاظ کی تخلیق عمل میں آتی ہے۔ نئے نئے الفاظ گھڑے جاتے ہیں اور ان کی تخلیق کے متعلق نئے نئے اصول قائم کئے جاتے ہیں، چنانچہ ہم نے ایک دفعہ بتایا تھا کہ کسی چیز کو "قومی بنا دینا" حیدر آباد میں "قومانا" کہلاتا ہے مثلاً ہندوستان میں تمام تھیٹر "قومائے جائیں" یعنی نیشنلائز کر دیئے جائیں اگر انگریزی کا اصول مدنظر رکھا جائے تو ہمارے نزدیک "قومانا" غلط ہے۔ "قومیانا" ہونا چاہئے کیونکہ انگریزی میں نیشن (قوم) سے نیشنل (قومی) بنا اور "نیشنل" سے "نیشنلائز" بنایا گیا ہے۔ اگر انگریزی کا "al" نسبتی اس مقصد میں شامل نہ کیا جاتا اور "نیشلائز" ہی پر اکتفا کرلی جاتی تو "قومانا" درست ہوتا لیکن جب یہ مصدر "قومی" سے بنا لیا گیا ہے تو یقیناً قومیانا ہونا چاہئے۔

حال ہی میں حیدر آباد سے ایک ادبی مجلّہ "مکتبہ" موصول ہوا ہے۔ یہ بحیثیت مجموعی نہایت اچھا اور پاکیزہ رسالہ ہے۔ اس کے تازہ نمبر کے صفحہ ۵۸ کا پہلا ہی فقرہ یوں ہے:۔

سالار جنگ اعظم نے سرکاری دفتر کو حیدر آباد میں اردوا کر جو بیج بویا تھا، اس کی ایک شاخ جامعہ عثمانیہ بھی اب بڑ کے درخت کی طرح مستقل درخت ہوگئی ہے۔

اس میں لفظ "اردوا کر" قابل غور ہے۔ لکھنے والے کا مطلب "دفتر کو اردوانے" سے یہ ہے کہ دفتر میں اردو زبان رائج کی گئی۔ اس قاعدے کے مطابق یہ فقرہ بالکل درست ہوگا کہ

جس طرح عہد مغلیہ میں "مغلائے" ہوئے کائستھوں نے برج بھاشا کو "فارسیانا" شروع کر دیا تھا، اسی طرح آج "یورپیائے" ہوئے لوگوں نے اردو کو "انگریزیانا" شروع کر رکھا ہے ـــــ

انقلاب ـ جلد ۳ ـ نمبر ۲۳ ـ چہار شنبہ ـ ۱۸ جولائی ۱۹۲۸ء

(۱۳)

انگریزی میں ایک صنف نظم "پیروڈی" کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں مشہور شعرا کی نظموں کے بعض الفاظ بدل کر طنز و استہزا کے مقاصد پورے کئے جاتے

Marfat.com

ہیں۔ اردو میں مولانا سید اکبر حسین مرحوم نے کہیں کہیں اس صنف میں بھی اشعار لکھے ہیں۔ مثلاً حافظ کی مشہور غزل کے بعض اشعار میں اس طرح تصرف فرمایا ہے ۔

الایا ایہا الساقی بدہ "ووٹے" بہ محفل ہا
کہ سیٹ آساں نمود اول ولے افتاد مشکل ہا
بکن تزئین پائے خود بہ بوٹ ڈاسن و پتلون
کہ سر سید خبردار دارد ز راہ و رسم منزل ہا

حافظ کی ایک اور غزل جس کا پہلا یہ مصرع ہے ع

بلبلے برگ گل خوش رنگ درمنقار داشت

حضرت اکبر نے تصرف فرما کر ہندوؤں کے بے معنی شور و شغب پر چوٹ کی ہے۔

بابوئے در دھوتی زر سکہ زرتار داشت
باوجودش نالہائے زار در "اخبار" داشت
گفتمش درعین وصل ایں نالہ و فریاد چیست
گفت مارا خوف "فیس و ٹکس" درایں کارداشت

انقلاب ۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۳۸ ۔ شنبہ ۔ ۴ اگست ۱۹۲۸ء

(۱۴)

اوسیہ ضلع راولپنڈی کے دیہاتی مدرسے میں ایک صاحب مسمی محمد خاقان صاحب نائب مدرس ہیں ۔ آپ کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا ہے جس کے ساتھ آپ نے ایک نظم بہ عنوان " خطاب بہ مسلم " بھی ارسال فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ اس نظم کو " سنڈے ایڈیشن " میں درج کردیا جائے ۔

لطف یہ ہے کہ یہ نظم خاکسار راقم الحروف کی ہے اور آج سے دس سال پہلے " کہکشاں " میں اور اس کے بعد راقم الحروف کے مجموعہ نظم " راہ و رسم منزل ہا " میں شائع ہو چکی ہے ۔ سبحان اللہ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ہماری ہی نظم چرانا اور پھر اسے اپنے نام سے منسوب کر کے ہمارے پاس ہی

Marfat.com

بغرض اشاعت بھیجنا بہت ہی بڑی شوخی اور دلیری ہے۔

گل آورد سعدی سوئے بوستاں　　　　بشوخی چو فلفل بہ ہندوستاں

محمد خاقان صاحب اپنے گرامی نامے میں لکھتے ہیں کہ "چند اشعار پیش کش کرتا ہوں۔ اگر آن حضور اشعار منسلکہ کو موزوں خیال فرمائیں تو سنڈے ایڈیشن روزنامہ انقلاب میں مندرج فرما کر اپنے پرچے کی رونق دوبالا کرتے ہوئے احقر کو شکرگزاری کا موقعہ دیں۔"

یہ "موزوں خیال فرمانے" کی بھی ایک ہی کہی۔ اجی حضرت یہ ہمارے اشعار ہیں اور ہم یقیناً انھیں موزوں ہی سمجھتے ہیں لیکن ان کا کسی اور شخص کے نام سے منسوب ہونا ہر موزوں طبع کے نزدیک ناموزوں ہے۔

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۵۳۔ چہار شنبہ۔ ۲۲ اگست ۱۹۲۸ء

(۱۵)

ملک میں متعدد ایسے بزرگ موجود ہیں جو نہایت عمیق علمی مذاق رکھنے کے باوجود کبھی تغزل کے خیاباں میں بھی خراماں خراماں نکل آتے ہیں۔ حضرت علامہ شبلی کا ذکر تو رہنے ہی دیجیے وہ تو علم و ادب، تاریخ، شعر فارسی، نظم، غرض مختلف اصناف پر مساوی حیثیت سے قدرت رکھتے تھے۔ ایسی جامع طبیعت کے حضرات تو کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں لیکن علامہ سید سلیمان ندوی بھی اپنی علمی و دینی مصروفیتوں کے باوجود گاہے ماہے غزل کہہ لیا کرتے ہیں۔ ابھی کچھ زیادہ مدت نہیں گزری کہ ہم نے رسالہ "طور" سے آپ کے چند اشعار دل آویز نقل کر کے "افکار" کے دسترخوان پر چنے تھے۔

"معارف" کا جو تازہ پرچہ ابھی موصول ہوا ہے، اس میں یہ دیکھ کر ہمیں بہت مسرت ہوئی کہ ندوۃ العلما کے ناظم جناب نواب صفی الدولہ حسام الملک شمس العلما سید علی حسن خاں بہادر بھی تغزل اردو میں نہایت سلجھا ہوا مذاق رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس پرچے میں آپ کی ایک غزل شائع ہوئی ہے جس کے چند نہایت نفیس اشعار ملاحظہ ہوں۔

بے باکیاں حیا نے بھی سیکھیں غضب ہوا
کہتا تھا میں کہ دل کو نہ رکھو نگاہ میں

Marfat.com

بدنام مے کدہ ہے مگر کچھ نہ پوچھئے
دیکھے ہیں رنگ میں نے جو کچھ خانقاہ میں
راہ سلوک عشق ریاضت طلب نہیں　　سو سو مقام ہوتے ہیں طے اک نگاہ میں
پنہاں ہیں اس کے رخ میں ہزاروں رموز حسن
ہوتا ہے انکشاف نیا ہر نگاہ میں

سبحان اللہ! نواب صاحب قبلہ 'خوش گفتی و در سفتی'۔ خصوصاً "نگاہ" کے قافیہ کا تو ہر شعر الہام ہے لیکن ع

نگاہ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

اگر "معارف" منظور نظر ہے تو "انقلاب" کو بھی نیازمندی کا دعویٰ ہے ع

سرکار کی نظر سے سلیماں ہے فیض یاب
مور حقیر کو بھی تو رکھئے نگاہ میں

یہ نواب صدیق حسن خاں رحمتہ اللہ علیہ جیسے "وہابی" کے صاحب زادۂ بلند اقبال کا کلام بلاغت نظام تھا۔ اب ایک بہت بڑے صوفی اور "وہابیوں" کے جانی دشمن کے بھی دو پاکیزہ شعر سن لیجئے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرحوم جن کو ان کے خوش عقیدہ مرید "مجدد ماۃ حاضرہ" کہا کرتے ہیں، شعر و سخن میں درخور وافی رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک غزل میں لکھتے ہیں ؎

طور نے تو خوب دیکھا پرتوِ شان جمال
اس طرف بھی اک نظر اے برق تابان جمال
ہو رہا ہے ان کا ہر دم لالہ و گل میں ظہور
خاک میں ملتا نہیں خون شہیدان جمال

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۱۴۴۔ یک شنبہ۔ ۹ دسمبر ۱۹۲۸ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۲)

۹ دسمبر کے "افکار" میں ہم نے دو شعر جن کا پہلا مصرع یہ تھا ع

طور نے تو خوب دیکھا جلوۂ شان جمال

Marfat.com

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے منسوب کیے تھے کیونکہ ہم سے بظاہر ایک معتبر راوی نے یہی بیان کیا تھا کہ یہ اشعار مولانا مرحوم کے ہیں لیکن معتمد صاحب حزب الاحناف لاہور اطلاع دیتے ہیں کہ یہ اشعار فی الحقیقت مولانا کے بھائی حاجی محمد حسن رضا خاں صاحب حسن کے ہیں اور ان کے دیوان "ذوق نعت معروف بہ صلہ آخرت" میں درج ہیں۔

ہمیں اس غلطی پر افسوس ہے لیکن اس سے ہمارے اس بیان کو کوئی ضعف نہیں پہنچتا کہ آج کل کے بعض علما و مشائخ بھی شعر کا ذوق صحیح رکھتے ہیں کیونکہ حاجی محمد حسن رضا خاں صاحب بھی عالم اور صوفی ہیں ......

انقلاب ۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۱۴۹ ۔ شنبہ ۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۲۸ء

(۱۷)

اردو کے شعرا میں تحت اللفظ پڑھنے کا دستور آغاز کار ہی سے چلا آتا ہے ۔ کہیں کہیں تذکروں میں بعض ایسے اساتذہ کا حال بھی درج ہے جو اپنا کلام مشاعروں میں گا کر پڑھتے تھے لیکن ان کا گانا باعتبار فن موسیقی معتبر نہ ہوتا تھا صرف ذرا دل گداز سی لے میں پڑھا کرتے تھے اور سامعین اس سے بہت متاثر ہوتے تھے ۔ علامہ اقبال نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور اس میں شک نہیں کہ ان کی لے درد و اثر سے لبریز ہوتی ہے اور مدت دراز تک سامعہ اس سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے ۔

آج کل بھی متعدد شعرا اپنا کلام گا کر پڑھتے ہیں اور ان میں سے بعض چونکہ موسیقی سے واقف ہیں ' اس لئے باعتبار فن ان کے گانے میں کوئی عیب نہیں ہوتا ۔ ہم نے ایک دفعہ " افکار " میں لکھا تھا کہ شعر کو گا کر پڑھنا ہرگز قابل اعتراض نہیں بلکہ بعض حالات میں ضروری ہے تاکہ شعر موسیقی کے پروں پر اڑے ۔ نئے شعرا میں حفیظ کی شاعری و موسیقی بے شمار ارباب ذوق سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے ۔

گانے کی مقبولیت عامہ کو دیکھ کر لاہور میں ہمارے ایک کرم فرما کو یہ سوجھی کہ ایک ایسا مشاعرہ منعقد کرنا چاہئے جس میں سب شعرا گا کر پڑھیں اور ان کے گانے کے ساتھ طبلہ ' سارنگی اور ہارمونیم کا انتظام بھی کیا جائے ۔ چنانچہ آپ نے اپنا ارادہ پورا کیا اور " ایس ۔ پی ۔ ایس ۔ کا " ہال تاریخ مقررہ پر سارنگی کی روں روں اور طبلے کی تاتک دھنا سے گونجنے لگا اور یاران محفل جھوم جھوم کر اس بزم سماع کی خوش

Marfat.com

آہنگی کے مزے لینے لگے۔

یہ ظاہر ہے کہ ایسی محفل میں مشاعرہ کا وقار قائم نہ رہ سکتا تھا، چنانچہ کالجوں کے طلبہ اور دوسرے بے فکروں نے خوش فعلیاں شروع کردیں اور مشاعرہ اچھا خاصا "طوائف کا مجرا" بن کر رہ گیا۔ منتظم صاحب اس خروش رندانہ سے ایسے گھبرائے کہ پھر آج تک اس غلطی کا اعادہ نہیں کرسکے۔

ہم نے اس مشاعرے پر اظہار خیالات کرتے ہوئے لکھا تھا کہ بس اب یہی کسر باقی ہے کہ ارباب نشاط موجود نہیں ہیں لیکن اگر ذوق کی یہی رفتار ہی تو ممکن ہے کسی آئندہ مشاعرہ میں یہ منظر بھی نظر آجائے کہ رنڈیاں غزلیں گا رہی ہیں اور شعرا طبلہ بجا رہے ہیں۔ ہر شاعر نے ایک خاص رنڈی مقرر کر رکھی ہے جو اس کی غزل گا کر محفل میں سنا رہی ہے اور ہر رنڈی نے چند شاعروں کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں جو اس کو غزلیں لکھ لکھ کر دے رہے ہیں لیکن چونکہ پنجاب، تعلیم یافتہ طبقے میں زناں بازاری کے خلاف بمقابلہ صوبہ متحدہ کافی تنفر و تعصب ہے، اس لئے یہاں تو رنڈیوں کو مشاعروں میں بار نہ مل سکا البتہ حضرات "یو پی" نے اس شیوۂ جمیل میں سبقت فرما دی۔

لکھنؤ کا اخبار "جدت" اپنی ایک تازہ اشاعت میں مظہر ہے کہ پچھلے دنوں سندیلہ ضلع ہردوئی میں ایک مشاعرہ ہوا جس کی صدارت ایک سندیلوی طوائف نے فرمائی۔ آپ چشم بد دور لکھنؤ کے ایک چوک میں عصمت فروشی فرماتی ہیں اور بخن گوئی و سخن سنجی سے بہرہ وافر رکھتی ہیں چونکہ آپ کی ذات شعرائے سندیلہ کے لئے باعث فخر ہے، اس لئے انہوں نے آپ سے استدعا کی کہ آپ لکھنؤ سے تشریف لا کر اپنے وطن مالوف میں مشاعرہ کی صدارت فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے برادران وطن کی استدعا کو شرف قبول عطا فرمایا۔ اس مشاعرہ میں سندیلہ کے نوجوان اور [illegible] سال شعرا خود شریک ہوئے اور خود "صدرہ محترمہ" نے بھی اپنے کلام "عصمت التیام" سے مشاعرہ کو مشرف فرمایا۔

انقلاب ۔ جلد ۴ ۔ نمبر ۶۵ ۔ جمعہ ۔ ۳۰ اگست ۱۹۲۹ء

(۱۸)

ایک زمانہ تھا جب بادشاہوں اور ان سے قدر شناس وزیروں [illegible] دربار [illegible]

Marfat.com

بڑے بڑے جلیل القدر شعرا مدحیہ قصائد پڑھتے تھے اور انعام و اکرام سے مالا مال کئے جاتے تھے۔ زمانہ حاضرہ کے بدلے ہوئے حالات کے ماتحت وہ فضا باقی نہ رہی۔ نہ وہ بادشاہ اور وزراء رہے، نہ ان کے دربار رہے اور نہ قصیدہ گو شعرا کا نام و نشان باقی رہ گیا۔ اب تو یہ حالت ہے کہ صوبہ پنجاب کے حاکم اعلیٰ سرجافرے مونٹ مورنسی گوجرانوالہ تشریف لے جاتے ہیں اور گکھڑ کے نارمل اسکول میں بھی قدم رنجہ فرماتے ہیں تو موضع نت کلاں کے "رئیس" ایم ڈی نارنگ صاحب جن کے مجموعہ کلام پر کسی گذشتہ اشاعت میں اظہار خیالات کیا جاچکا ہے، ایک قصیدہ مدحیہ ارشاد فرماتے ہیں "جیسی روح ویسے فرشتے" جیسے آج کل کے حکام ہیں، ویسے ہی شعرا بھی مہیا ہو جاتے ہیں۔

نارنگ صاحب کا یہ قصیدہ ایک دوست کی نوازش سے ہمیں موصول ہوا ہے۔ آج ہم قارئین "افکار" کی ضیافت طبع کے لئے اس کے چند اشعار پیش کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ نارنگ صاحب کچھ ایسے گرے پڑے شاعر نہیں ہیں کہ پرانے زمانے کے دقیانوسی استادوں کی طرح قواعد فن اور عروض کی پابندی میں پھنس کر اپنے تخیل کو مقید کرلیں۔ ان کی شاعری ان قیود سے آزاد واقع ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو مطلع۔

کیا دید کے قابل ہے ادھر آج کا منظر
کہ رونق محفل ہیں بڑے صاحب بہادر

پہلے مصرع میں "ادھر" کس قدر باموقع اور برمحل ارشاد ہوا ہے۔ دوسرے مصرع میں "کہ" کی طوالت نے مولانائے روم کی تقلید کی ہے اور "صاحب" کثرت استعمال سے صرف "صاب" رہ گئے ہیں۔ دوسرا شعر لیجئے۔

کہتی ہے قسم کھا کے زمانے کی یہ نیچر
دیکھا نہ سنا ایسا کبھی رنگ بزم پر

پہلے مصرع کے معانی سے قطع نظر کر کے آپ صرف "بزم" کی "ز" کا "تحرک" ملاحظہ فرمائیے، کس قدر دل فریب واقع ہوا ہے۔

شاعر صاحب فرماتے ہیں اور لاٹ صاحب کی شان میں فرماتے ہیں۔

گرمی سے جو آیا ہے کہیں رخ پہ پسینہ
شرمندہ ہو رہا ہے اسے دیکھ کے گوہر

Marfat.com

دوسرے مصرع کا وزن تو جیسا کچھ ہے ' اسے ارباب فن خوب جانتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ۳ فروری کو اتنی گرمی کہاں سے آ گئی کہ لاٹ صاحب پسینے میں شوربور ہو کر رہ گئے۔ اگر اس جاڑے میں ان کی یہ حالت ہے تو جون ' جولائی میں تو شاید پگھل کے بہہ ہی جائیں۔ لاٹ صاحب کے پسینوں کے قطروں کو گوہر سے تشبیہ دیکر نارنگ صاحب نے ہزاکسی لنسی کو معشوق بنا دیا۔ ہمارے کنوارے گورنر کو بڑھاپے میں یہ معشوقیت مبارک ہو ' آخر ان کا بھی بڑھاپے میں عاشق زار پیدا ہو ہی گیا۔

ایک شعر ہے۔

بے جا نہیں لحاظ کسی شخص کا مقصود
زردار عہدے دار ہو یا کوئی بے زر

دوسرے مصرع میں " عہدے" کی ہ کو نارنگ صاحب اس طرح کھا گئے ہیں کہ ڈکار تک نہیں لی اور پہلے مصرع میں " لحاظ " کی ضرورت شعری کی وجہ سے مشدد ہو گئی۔ سچ ہے۔

چو تشدید در شعر ضرورت افتد
تشدید در شعر چرا بناشد

مقطع جو آخری شعر سے پہلے واقع ہو گیا ہے ' یوں ارشاد ہوا ہے

یہ بندش الفاظ ہے یا پھول چنے ہیں
نارنگ نے آ کے کر دی ہے ہر چیز معطر

" بندش الفاظ " کو پھول چننے سے تعبیر کرنا بھی نارنگ صاحب ہی کا کام ہے۔ غالباً ذہن شاعر گل دستہ کی طرف منتقل ہوا ہوگا۔ جس کی بندش گل چینی کی شرمندہ احسان ہوا کرتی ہے اور دوسرے مصرع کو خواہ کسی طریقے سے پڑھیے ' اللہ کے فضل سے کسی بحر میں پورا نہ اترے گا اور اسی کا نام کمال فن ہے۔

آخری شعر میں ارشاد ہوا ہے۔

دعوائے سخن سازی نہیں ہم کو مگر یار
کہہ دے تو ہمیں اس سے قصیدہ کوئی بہتر

اجی لاحول ولا قوۃ ! بھلا اس دور میں کونسا شاعر ہے جو اس قصیدے سے بہتر کہہ

Marfat.com

سکے۔ آپ نے تو سچ مچ قلم توڑ دیئے اور دوات پھوڑ دی۔ غنیمت ہے کہ ابھی آپ کو "دعوائے سخن سازی" نہیں ہے۔ اگر کہیں ہوتا تو شاید روح القدس صاحب بھی آپ کے سامنے پانی بھرتے۔

ایسے شعرائے باکمال کا دم غنیمت ہے جو کبھی کبھی قارئین "افکار" کی دلچسپی کا سامان فراہم کر دیتے ہیں۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو بزم "افکار" کی رونق بھی نہ ہوتی۔

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۲۰۸۔ شنبہ۔ ۲۲ فروری ۱۹۳۰ء

(۱۹)

۱۹ مارچ کو پنجاب کونسل کی نیشنل یونینسٹ پارٹی نے سر فضل حسین کو "الوداعی لنچ" دیا، اس میں جو کارڈ "طعام نامہ" تقسیم کیا گیا، اس پر خواجہ حافظ کے ایک مشہور شعر پر یوں تضمین کی گئی تھی۔

نہ پوچھ قصہ پر درد ناشکیبائی　　پسند چشم فلک کو نہیں تھی یک جائی
ترے بغیر کے شوق محفل آرائی
تری جدائی میں ہم ہوں گے اور تنہائی
چوبا حبیب نشینی و بادہ پیمائی
بیاد آر حریفان بادہ پیمازا

اگر سر حبیب اللہ بھی سر فضل حسین ہی کے ساتھ حکومت ہند میں رہتے تو یہ شعر بہت ہی موزوں ہوتا، اب تو اس مصرع کو یوں پڑھنا چاہیے۔ ع

چو باپٹیل نشینی و بادہ پیمائی

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۲۳۰۔ شنبہ۔ ۲۲ مارچ ۱۹۳۰ء

(۲۰)

پچھلے دنوں میرزا یحییٰ طہرانی (نمائندہ "شفق سرخ" طہران) جو ہندوستان میں تحریک گاندھی کا مطالعہ کرنے کے لئے آئے ہوئے ہیں، لاہور میں موجود تھے۔ آپ کے ساتھ سیاسیات اسلامی کے متعلق مدیر "افکار" نے نہایت جامع اور طویل مذاکرات کئے، جن میں بعض اوقات نہایت پر لطف ادبی ظرافت کا رنگ بھی پیدا ہو

Marfat.com

جاتا تھا۔ مثلاً میرزا صاحب نے دو لفظوں کا ترجمہ نہایت نفیس ارشاد فرمایا۔

فری میسن سوسائٹی کا ذکر آیا تو میرزا صاحب نے فرمایا کہ جو شخص اس سوسائٹی کا ممبر ہو جاتا ہے وہ اس کے راز کسی کو نہیں بتاتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوسائٹی کے اجلاس سے باہر نکلتے ہی وہ سب کچھ بھول بھال جاتا ہے' اس لئے ایک ظریف ایرانی نے فری میسن ہال کا ترجمہ "فراموش خانہ" کیا ہے۔

"بالشویک" چونکہ مالی و اقتصادی مساوات کے علم بردار ہیں' اس لئے میرزا صاحب نے ان کے لئے "مال شریک" کا لفظ تجویز فرمایا ہے جو صوتی و معنوی اعتبار سے نہایت موزوں و مناسب ہے....

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر۲۹۔ یک شنبہ۔ ۶ جولائی ۱۹۳۰ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۲۱)

دیال سنگھ کالج میں پروفیسر مترا فارسی کے استاد ہیں۔ آپ بنگالی ہندو ہیں لیکن زبان فارسی کی تدریس میں اچھی خاصی دست گاہ رکھتے ہیں۔ آپ کے متعلق اب تک ہمارا یہ خیال تھا کہ آپ ایک علمی ذوق رکھنے والے بزرگ ہیں۔ بے ہمہ و باہمہ خاموش زندگی بسر کرتے ہیں۔ کسی اختلافی (اور وہ بھی سیاسی) امر میں آپ کی ایک رباعی شائع ہوئی ہے جس کو پڑھ کر ہمارے ان خیالات میں فی الفور ایک تغیر عظیم رونما ہو گیا اور ہمیں دفعتہً معلوم ہوا کہ آپ ایک تو فن عروض سے بالکل بے بہرہ ہیں' دوسرے آپ خیر سے سیاسیات میں بھی رائے زنی کا دعوٰی رکھتے ہیں اور اس معاملے میں لالہ دینا ناتھ جی کے مسلک پر گامزن ہیں۔

اس رباعی کا عنوان "پرتاب" نے لکھا ہے۔ "خطاب بہ اقبال" (از نتیجہ فکر پروفیسر کے۔ ایم میترا' دیال سنگھ کالج لاہور) گویا علامہ اقبال کے خلاف "پرتاب" اور اس کے شاعر دینا ناتھ نے ہرزہ سرائی کا جو طوفان برپا کر رکھا ہے' اس میں پروفیسر صاحب بھی شریک ہو گئے ہیں۔ ذرا رباعی ملاحظہ ہو۔

شیتا نفسے بہ دوست ہم دم شدی   درخلوت وصل یار محرم شدی
شاعر و حکیم و صوفی سرشدی   ایں جملہ شدی ہنوز آدم شدی

اگرچہ یہ رباعی زبان اور مطلب کے اعتبار سے نہایت بے معنی اور پھس پھسی ہے لیکن پہلا' دوسرا اور چوتھا تینوں مصرعے وزن رباعی پر پورے اترتے ہیں۔ رہا

Marfat.com

تیسرا مصرع ' تو ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ دنیا کا کوئی عروضی اس کی تقطیع پر قادر نہیں ہو سکتا اور آج تک کوئی ایسی بحر ایجاد نہیں ہوئی جس میں یہ مصرع پورا اتر سکے۔

بعض احباب اس مصرع کو صحیح پڑھنے کے لئے تجویز فرما رہے ہیں کہ "شاعر" کی "رے" اور "سر" کی "رے" دونوں مشدد کر دی جائیں۔ یعنی۔

شاعرّ و حکیم و صوفی و سرّشدی

"پرتاپ" کے کاتب نے سر کی "رے" پر تشدید بھی بنا رکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی اس مصرع کی "بے بحری" کو محسوس کیا ہے اور ضرورت شعری کو ملحوظ رکھ کر یہ تصرف مناسب سمجھا ہے۔ سچ ہے۔

چو تشدید در شعر ضرورت افتد تشدید در شعر چرا نباشد

ایک صاحب کی رائے یہ ہے کہ مندرجہ بالا ترکیب کے بجائے اگر شاعر کے بعد کی "واؤ" کو مفتوح پڑھا جائے اور "سر" کی "رے" کو مشدد کرنے کے بجائے "شدی" کی دال پر تشدید لگا دی جائے تو زیادہ بہتر ہو گا ع

شاعر وَ حکیم و صوفی و سرشدّی

اس سے ایک فائدہ یہ متصور ہے کہ ہندو شاعر کے کلام میں "شدھی" کا ذکر بھی آجائے گا جو بالکل مناسب و بر محل ہو گا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اگر یہ رباعی سچ مچ مسٹر میترا نے لکھی ہے تو انھوں نے اپنی شہرت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ کیونکہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ عروض نہیں جانتے' وہ سیاسیات میں دخل دیتے ہیں' وہ دینا ناتھ کے ہم مسلک ہندو ہیں جو ڈاکٹر اقبال کو محض برا بھلا کہہ دینا ہی تقاضائے ہندویت سمجھے بیٹھے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے علامہ اقبال کی شان میں ہرزہ سرائی کر کے اپنے مسلمان شاگردوں کی نظروں میں نا قابل رشک حیثیت حاصل کر لی ہے وہ بہت زیادہ قابل افسوس ہے۔

لیکن ہم پھر یہی کہیں گے ہمیں اب تک یقین نہیں آتا کہ یہ رباعی پروفیسر میترا نے کہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب کی رباعی دراصل عام شاعرانہ حیثیت رکھتی تھی "پرتاپ" کے کسی مدیر یا نامہ نگار کو وہ رباعی کہیں سے ہاتھ آگئی' اس نے لفظ "شیخا" کو دیکھ کر اسے شیخ محمد اقبال پر چسپاں کرنا چاہا اور تیسرا مصرع خود ہی بدل دیا' ورنہ اصل میں کچھ اور ہو گا۔ ہم دل سے چاہتے ہیں کہ ہمارا یہی خیال

Marfat.com

درست نکلے اور ایک خاموش طبع علمی ذوق رکھنے والے بزرگ کا دامن اس علمی و سیاسی بد ذوقی سے بالکل پاک صاف ثابت ہو ۔ کیا پروفیسر صاحب اس رباعی کے متعلق اپنی پوزیشن واضح کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے ۔

انقلاب ۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۱۹۵ ۔ یک شنبہ ۔ یکم فروری ۱۹۳۱ء سنڈے ایڈیشن

(۲۲)

ہمارے ایک "باخبر" دوست نے ایک دفعہ نہایت متانت سے فرمایا تھا کہ "خدا جانے یہ سعدی کا شعر ہے یا جامی کا، عرفی کا ہے یا نظامی کا لیکن بہرحال جس نے بھی کہا ہے خوب کہا ہے" کہ ۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

انقلاب ۔ جلد ٦ ۔ نمبر ٦٠ ۔ شنبہ ۔ یکم اگست ۱۹۳۱ء

Marfat.com

معاصر اخبارات سے ادبی معرکہ آرائی

(۱)

" پرتاپ " کا تازہ سنڈے ایڈیشن موصول ہوا تو اس میں ہندو قوم کے " مایہ ناز شاعر " نانک چند ناز کے چند اشعار پہلے ہی صفحے پر نظر آئے۔ پہلا شعر یہ تھا کہ

گلبانگ اذاں دب گئی ناقوس کی لے میں
شدھی میں فنا ہو گئے اسلام کے چرچے

ہم یہ شعر پڑھ کر خوش ہوئے کہ گو اس کے مطالب تو نہایت ناپاک ہیں لیکن بلا سے، شعر تو صحیح ہے اور ناز صاحب سے کسی صحیح شعر کا صادر ہو جانا ادبی اعتبار سے بھی ایک معجزہ ہے۔ دوسرا شعر یہ تھا۔

کعبہ میں کبھی ذکر تھا توحید خدا کا
زوروں پہ مگر آج ہیں اصنام کے چرچے

یہ شعر بھی وزن کے اعتبار سے درست رہا، گو واقعات کے اعتبار سے بالکل بے معنی ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ ابن مسعود نے قبے ڈھا دےے ہیں اور شرک و بدعت کا قلع قمع کر دیا ہے۔

اس کے بعد دو شعر اور ہیں جن میں کم از کم وزن و بحر کی کوئی غلطی نہیں لیکن ذرا آخری " دو شعر " سن لیجئے۔

سرگوشیاں ہیں حسن نظامی و ظفر میں وہ
ہیں بابر و اورنگ کے ایام کے چرچے

کس مولوی نے خرمنوں میں آگ لگائی
سنتے ہیں علما میں ہیں انعام کے چرچے

آخری مصرع کے تو کیا کہنے۔ مصرع کیا ہے عروضی محاسن کی ایک پوٹ ہے۔ رہا پہلا شعر تو جانے شاعر کے سر کی بلا بیزار کہ " حسن " میں " س " ساکن ہے یا متحرک۔

" اورنگ " بمعنی " اورنگ زیب " استعمال ہوا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے پنڈت مالوی جی کو " بھارت بھوشن " کے بجائے محض " بھارت " یا " پوجیہ یاد " کی جگہ صرف " یاد " کے نام سے پکارا جائے......

انقلاب ۔ جلد ۱ ۔ نمبر ۲۰ ۔ جمعہ ۔ ۲۹ اپریل ۱۹۲۷ء

Marfat.com

(۲)

" ملاپ " میں ایک عنوان درج ہے ۔ " سید حبیب اور مسٹر ظفر علی خاں میں شوربہ بٹا " ۔ اس بدتمیزی سے قطع نظر کیجئے کہ مولانا ظفر علی خان کو " مسٹر " لکھا گیا کیونکہ پست فطرت اخبار نویسوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اختلاف کی حالت میں شخصی احترام تک کو ترک کر دیتے ہیں لیکن شوربہ بٹنے کی ایک ہی کہی ۔ آج تک " جوتیوں میں دال بٹنا " سنتے آئے تھے ' یہ معلوم نہ تھا کہ " ملاپ " کا دفتر بھی جدید محاورات اردو کی ایک ٹکسال ہے ۔ غالباً " شوربہ بٹنے " کا محاورہ اس لئے ایجاد کیا گیا کہ سید صاحب اور مولانا گوشت خور قوم سے ہیں ' دال خور واقع نہیں ہوئے لیکن سوال یہ ہے کہ شوربہ تو ان دونوں میں بٹ گیا ' ہڈیاں ہما یاسگ کوئے یار کے حصے میں آ گئی ہوں گی ' آخر بوٹیاں کہاں گئیں ؟ کہیں مہاشے " ملاپ " آریہ سماج کی ماس پارٹی میں تو شامل نہیں ہو گئے ؟

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۴ ۔ جمعہ ۔ ۸ جولائی ۱۹۲۷ء

(۳)

خدام الحرمین کے جلسے میں مولانا حسرت موہانی ' مولانا نعیم الدین اور مولانا کرم الدین کے علاوہ مولانا معوان حسین رام پوری بھی تشریف لائے تھے ' جنہوں نے اتحاد پرستانہ اور پرجوش تقریر فرمائی ۔ اگرچہ مولانا معوان حسین صاحب ' سید حبیب صاحب کے مہمان تھے لیکن صحیح حق مہمانی " ملاپ " نے ادا کیا کیونکہ اس نے ۵ جولائی کے پرچے میں صفحہ ۲ پر آپ کا نام " مولانا مہمان حسین صاحب " لکھا ہے کسی مہمان کا نام ہی مہمان رکھ دینا میزبانی کا بالکل جدید طریقہ ہے اور ہم اس جدت کی داد دیتے ہیں ۔

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۵ ۔ شنبہ ۔ ۹ جولائی ۱۹۲۷ء

(۴)

"تیج" نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۴ جولائی کے صفحہ ۴ پر ایک خبر کے عنوان میں "فرزندان" کی جگہ "فرزندگان" لکھا ہے ۔ اس اخبار کے مدیر صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگرچہ اس کے " خریدارگان " میں " جاہلگان " کی تعداد زیادہ ہے لیکن ممکن ہے کچھ " سمجھ دارگان " بھی ہوں ' لہٰذا مدیر کو چاہیے کہ اپنے " مترجمگان " کو

Marfat.com

عقل و ہوش سے کام کرنے کی ہدایت دے۔ بلاشبہ فارسی زبان میں "گان" بھی جمع کی ایک علامت ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ واحد کے آخر میں "ہ" ہو۔ مثلاً بچہ سے بچگان' رونده سے روندگان' دل داده سے دل دادگان۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر۱۴۔ پنج شنبہ۔ ۲۱ جولائی ۱۹۲۷ء

(۵)

لکھنؤ کے ایک اخبار میں کسی ہندو نوجوان کے لئے شادی کا اشتہار شائع ہوا ہے ملاحظہ ہو:۔

سچے موتی کا دانہ

ایک نہایت ہی خوب صورت کھتری نوجوان نیشنل گریجویٹ' برہم چاری' ورزشی' پاکیزہ کیریکٹر' ایک خوب صورت کنہیا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ دیکھئے یہ موتی کا دانہ کس کے نصیب میں آتا ہے۔

راقم اے۔ بی۔ سی معرفت پنڈت ہری داس صاحب گوڑ۔ برہمن کلانور ضلع گرداسپور (پنجاب)

نوٹ:۔ خط و کتابت بند لفافے میں کیجئے۔

مشتہر صاحب کی خوش مذاقی قابل داد ہے جو ایک خوب صورت لڑکے کو "موتی کا دانہ" فرما رہے ہیں لیکن اگر یہ لفظ کسی کنہیا کے متعلق استعمال کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ پھر یہ سوال کیا جا سکتا تھا کہ وہ در سفتہ ہے یا نا سفتہ۔ دیکھیں پنجاب کے اس موتی کو "یو پی" کی کونسی کنہیا اپنے گلے کا ہار بناتی ہے۔ اگر مشتہر صاحب "سی۔ پی" کے کسی اخبار میں بھی اشتہار دے دیتے تو "موتی" اور "سیپی" کا تلازمہ لطف دے جاتا ....

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر۱۹۔ چہار شنبہ۔ ۲۷ جولائی ۱۹۲۷ء

(۶)

مہاشہ نانک چند ناز کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ ان کی جو نظم "پرتاپ" کے گزشتہ سنڈے ایڈیشن میں شائع ہوئی ہے۔ "دیوانہ سمجھتا ہوں' ویرانہ سمجھتا ہوں"

Marfat.com

کے متعلق ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے مصرع لکھا ہے ع

نہ اس کعبہ کو کعبہ عرب کا نام دیتا ہوں

اس میں "کعبہ عرب" کو جب تک "کعبائے عرب" نہ پڑھا جائے مصرع کا وزن پورا نہیں ہوتا۔ آپ کی اکثر نظموں میں یہ عیب بہت نمایاں ہے۔ "ہ" پر جب ہمزہ اور اضافت ہو تو اس کو کھینچ کر الف بنانا کسی صورت میں صحیح نہیں ہے۔ امید ہے کہ ناز صاحب آئندہ اس کا خیال رکھیں گے۔

انقلاب۔ جلد ۲ = نمبر ۹۴۔ چہار شنبہ۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۷ء

(۷)

کسی گزشتہ اشاعت کے "افکار" میں ہم نے "وتیرے" کا لفظ لکھا تھا۔ اس پر "پرتاپ" نے دریافت کیا ہے کہ "وتیرے کو" ت "سے کیوں لکھا گیا ہے ہم نے تو اب تک یہی سمجھ رکھا ہے کہ یہ لفظ "وطیرہ" ہے۔ اگر سالک صاحب کے خیال میں "وتیرہ" بھی صحیح ہو تو اس کا اظہار خیال کر دیں"۔

معاصر موصوف کی اطلاع کے لئے لکھا جاتا ہے کہ لفظ "وتیرہ" ت ہی سے لکھنا صحیح ہے "وطیرہ" بالکل غلط ہے۔ املا کی بعض غلطیاں اسی طرح عام ہو جاتی ہیں اور لوگ بے خبری کی وجہ سے ان کو محسوس ہی نہیں کرتے۔ مثلاً بعض لوگ تلاطم کو "طلاطم" تپیدن اور تپش کو "طپیدن اور طپش" تشت اور تشتری کو "طشت اور طشتری" لکھ دیتے ہیں، حالانکہ ان سب الفاظ میں "ط" کی جگہ "ت" ہونی چاہیے۔ "طشت" تشت کا معرب ہے لیکن جب ہم اصلی لفظ لکھ سکتے ہیں تو معرب استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۲۲۔ یک شنبہ۔ ۲۷ نومبر ۱۹۲۷ء

(۸)

بعض ہندو اخبارات اندھا دھند پنجابی کے الفاظ و محاورات اردو میں گھسیڑے چلے جا رہے ہیں۔ پنجابی میں جس چیز کو "جھاڑ" کہتے ہیں وہ اردو میں "ڈانٹ" کہلاتی ہے لیکن یہ اخبارات برابر لکھ رہے ہیں "سر شفیع کو مسٹر جناح کی جھاڑ" "شاہ افغانستان کی مسلمانوں کو جھاڑ"۔ اس کے علاوہ بعض اخبارات "مصیبت مول لینا" کے بجائے

Marfat.com

"سیاپا سیہڑ لینا" بے تکلف لکھ رہے ہیں۔ مثلاً "گورنمنٹ نے کمیشن کا اعلان کر کے مفت کا سیاپا سیہڑ لیا ہے"۔

اگر کوئی اعتراض کرے تو کہتے ہیں کہ اس طرح زبان وسیع ہو رہی ہے سبحان اللہ۔ توسیع زبان کا یہ انداز بھی عجیب ہے۔ اگر انگریزی اخبارات بھی اسی توسیع زبان پر عامل ہو گئے تو بہت جلد "ٹربیون" میں اس قسم کے عنوان نظر آئیں گے۔ (ا) برکن ہیڈ سیہڑنگ دی سیاپا آف کمیشن۔ (۲) سر محمد شفیع سیدھا ننگ ہنزالو۔

سوال یہ ہے کہ آیا انگریز اپنی زبان کی اس "توسیع" کو گوارا کرلیں گے؟

"ملاپ" مورخہ ۲۳ دسمبر کے ایک نوٹ کا عنوان ہے۔ "مسٹر جینا کی تازہ چپیڑ"۔ یہ "چپیڑ" اردو کے تھپڑ کا پنجابی ترجمہ ہے۔

اس نوٹ کا پہلا ہی فقرہ یوں ہے کہ "شفیع پارٹی نے مسلم لیگ کے آئندہ اجلاس کے متعلق تازہ اودھم مچایا ہے"۔ "توسیع زبان" کا تقاضا تو یہ تھا کہ "ملاپ" صاحب "تازہ اودھم مچایا ہے" کے بجائے "نواں رولا پایا ہے"۔ لکھے لیکن خدا جانے انہوں نے یہاں کیوں اردو کا محاورہ استعمال کر لیا۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۴۶۔ یک شنبہ۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۷ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۹)

معزز معاصر "پارس" کے سرورق کی پیشانی پر اس ہفتے لفظ "پارس" کے ساتھ ہی انگریزی میں Touch stone ٹچ اسٹون بھی لکھا گیا ہے، حالانکہ "پارس" اور "ٹچ اسٹون" بالکل جدا جدا چیزیں ہیں۔ پارس وہ پتھر ہے۔ جو لوہے یا کسی اور دھات سے چھو جائے تو اسے سونا بنا دیتا ہے لیکن "ٹچ اسٹون" کسوٹی کا پتھر ہے جس پر سونا کسا اور پرکھا جاتا ہے۔ اس پتھر کو عربی میں محک یا معیار کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی گزارش کر دینا چاہتے ہیں کہ سنگ پارس کو انگریزی میں Philosophers stone کہتے ہیں۔ (فلاسفرز اسٹون) کسی اخبار کی پیشانی پر اس کا نام انگریزی حروف میں لکھنا تو بعض حالات میں مفید بھی ہے لیکن نام کا انگریزی ترجمہ درج کرنے کی ضرورت ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۹۹۔ پنج شنبہ۔ یکم مارچ ۱۹۲۸ء

(۱۰)

Marfat.com

ہندوستان کے جراید علی الخصوص ہندو اخبارات بیرونی ممالک کے مسلمانوں کے نام علی العموم غلط لکھتے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نام ان کے پاس انگریزی میں لکھے ہوئے آتے ہیں اور صحیح املا انہیں معلوم نہیں ہوتی ۔ گزشتہ جنگ عظیم اور جنگ ترکی و یونان کے زمانے میں ترکوں کے ناموں کے متعلق بہت سی غلطیاں ہمارے اخباروں میں ہو چکی ہیں ۔ مثلاً کاظم وہ قرہ بکر پاشا کو "کاظم کارا باقر پاشا" اور " کینظم قارا بکر پاشا " بکر سامی بے کو " باقر سمیع بے " یا " بکر سامع بے " لکھا جاتا رہا ہے۔ اب زاغلول پاشا کے جانشین مصطفےٰ نحاس پاشا کے نام کے املا میں جدتیں پیدا کی جا رہی ہیں۔ "نحاس" تو اکثر لکھا جاتا رہا ہے لیکن " نہاض " اور " ناہض " بھی ناپید نہیں ہیں ۔

لیکن " تیج " کی جدت کی داد دینی چاہئے جس نے اپنی اشاعت مورخہ ۸ اپریل کے صفحہ ۴ پر پاشائے ممدوح کو " نحس پاشا " لکھا ہے ۔ خدا کرے " تیج " کی نحوست کا اثر مصر کے اس اولوالعزم رہنما سے دور دور ہی رہے اور نحاس پاشا ' سعد زاغلول کے مبارک و مسعودؔ جانشین ثابت ہوں ۔

" تیج " کو اتنا تو سوچنا چاہئے کہ سعد کے جانشین کو " نحس " قرار دینا حسن مذاق کے نزدیک کہاں تک جائز ہے ؟

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۲۳۲ ۔ چہار شنبہ ۔ ۱۱ اپریل ۱۹۲۸ء

(۱۱)

دہلی کے اخبار " تیج " مورخہ ۱۳ جون میں " تکمیل خمس " کے عنوان سے ایک نظم شائع ہوئی ہے جس پر " شیدا دہلوی " کا نام درج ہے ۔ معلوم نہیں یہ رام رچھپال سنگھ صاحب شیدا دہلوی ہیں یا یہ منشی چندی پرشاد شیدا کا کلام ہے ۔ غالب آخر الذکر ہی کا ہے ۔ اس نظم میں قاآنی کا تتبع کیا گیا ہے ذرا مطلع ملاحظہ ہو ۔

پولیس کے ہم پہ ظلم ہیں ہزاروں بے شمار ہا
انہی کی لوٹ مار سے اجڑ گئے دیار ہا
دلوں پہ داغ انہی کے ہیں ہزار در ہزار ہا
لیا ہے جانچ ہم نے خوب پریس کو بار ہا
خدنگ جور شاں شود بسینہ ہاچہ پار ہا

Marfat.com

یہ ہاہا کی مصیبت تو خیر تفنن و ظرافت پر محمول کی جا سکتی ہے لیکن چوتھے مصرع کی "بے بحری" کا کیا بہانہ بنایا جائے گا۔ پانچویں مصرع کی فارسی کسی کائستھ منشی کے سر چپکی جائے گی۔

ایک شعر ہے

یہ موئے زلف یار ہیں کہ بچھ ہائے مار ہا
چہ بال ہا وبال ہا چہ تار ہا تتار ہا

اس نظم کے نو بند ہیں اور سب کے سب اسی "کائستھانہ" زبان میں نظم کئے گئے ہیں۔ قارئین "افکار" کی ضیافت طبع کے لئے آخری دو بند ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

سبب گداگروں کا پوچھو تو بہت گزرتے ہیں
نہ خوف ہے رسول کا نہ کچھ خدا سے ڈرتے ہیں
بنائی شکل ایسی کہ لوگ جانیں مرتے ہیں
فقیر بن کے مال مفت سنڈے ہضم کرتے ہیں
کہ ٹکڑہ ہائے بھیک کے ہیں چوک میں ڈکار ہا

سبحان اللہ! فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے ہیں نہ ہوئے آج قاآنی اور نظیر اکبر آبادی ورنہ شیدا کو اس "نو طرز مرصع" پر خدا جانے کیا خطاب دے دیتے۔ آخری بند ملاحظہ ہو۔

تراوش قلم میں طرز یہ بھی ہے کبھی کبھی
عجیب رنگ ڈھنگ کی الاپ ہے یہ بے سری
سخن پرکھنے والے اس کو پڑھتے ہیں خوشی خوشی
ہمارے شعر سن کر داد دیتے ہیں سبھی
کمہار ہا، چمار ہا، لوہار ہا، کہار ہا

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۲۸۶۔ بمعہ۔ ۱۵ جون ۱۹۲۸ء

Marfat.com

(۱۲)

پرسوں جنرل نادر خاں کے متعلق ایک خبر موصول ہوئی تھی جس میں لکھا تھا کہ آپ نے پشاور میں چند ہزار مونج کی چپلیوں کی فرمائش بھیجی ہے تاکہ غنیم پر شب خون مار سکیں۔ "پرتاپ" کے مترجم صاحب لفظ چپلی کو نہ سمجھ سکے اور خیال کیا کہ غالباً یہ لفظ "چارپائی' ہوگا' ٹائپ کرنے والے نے غلطی سے (Chaplis) لکھ دیا ہے چنانچہ آپ نے "سنڈے ایڈیشن" کے صفحہ ۳ کالم ا میں یہ خبر اس طرح درج فرما دی ہے؛

نادر خان کی پوزیشن مضبوط ہوگئی۔ کئی ہزار چارپائیاں منگائی ہیں

ان عنوانوں کے بعد پشاور کا تار درج کیا ہے جس کا ایک فقرہ یوں ہے :۔

انھوں نے کئی ہزار چارپائیوں کا آرڈر دیا ہے تاکہ دشمن پر شب خون مار سکیں

اب سوال یہ ہے کہ مترجم صاحب نے کیا سمجھ کر "چارپائی" کا لفظ لکھ دیا۔ غالباً ان کے جی میں یہی آیا ہوگا کہ جو فوجیں رات کے وقت حملہ کریں گی' ان کے لئے چارپائیوں کا انتظام کرنا نہایت ضروری ہے' کیونکہ ۔

وصل ہو یا فراق ہو اکبر　　　جاگنا ساری رات مشکل ہے

شام کے وقت میدان جنگ میں ہزارہا چارپائیاں ڈال دی جائیں گی۔ ان پر بستر بچھادیئے جائیں گے۔ مجاہدین افغانی ان پر لمبی تان کر سورہیں گے۔ جب آدھی رات گزرے گی تو جنرل نادر خاں آکر ایک ایک کو جھنجھوڑیں گے اور کہیں گے "اٹھو بھئی شب خون مارو" ۔ فوج اٹھ کر شب خون مارے گی اور اس سے فارغ ہونے کے بعد پھر آکر چارپائیوں پر دراز ہوجائے گی۔

غالباً "پرتاپ" کے مترجم کے دماغ میں اسی قسم کے تصورات ہوں گے لیکن اسے معلوم ہونا چاہئے کہ فوج کو میدان جنگ میں سونے کے لئے چارپائیاں ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی مہیا نہیں کی گئیں۔ یہ مونج کی چپلیاں ہیں جو نادر خاں نے منگائی ہیں تاکہ رات کے وقت فوج کے قدموں کی آہٹ سے غنیم خبردار نہ ہونے پائے۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۴ ۔ نمبر ۴۱۔ چہار شنبہ ۔ ۳۱ جولائی ۱۹۲۹ء

Marfat.com

(۱۳)

------اس طرح جمع کی صورت میں یوں لکھا جاتا ہے:-

غلام رسول و عبدالمجید اپیلانٹاں بنام سید حبیب ولال دین' رسپانڈنٹاں

یہ "الف نون" زبان فارسی میں علامت جمع ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر ان مرد طرفین کی بجائے عورتیں ہوتیں تو محرر عدالت انھیں مسماۃ اپیلانٹات اور رسپانڈنٹات لکھنے سے کبھی نہ چوکتا لیکن سب سے زیادہ دلچسپ معاملہ "پرتاپ" کا ہے' جس نے اپنی ایک تازہ اشاعت میں ایک خبر کا عنوان لکھا ہے:-

"ایک برہمن عورت آنریری میجسٹرٹیہ بنا دی گئی" ۔ ہمارا خیال ہے کہ صرف "میجسٹرٹیہ" لکھ دینے سے حق تانیث ادا نہیں ہوا۔ یہ فقرہ یوں لکھنا چاہئے تھا"۔ ایک برہمیہ آنریریہ مجسٹرٹیہ بنا دیا گیا" ۔ اس طرح ایک لفظ میں بھی اس برہمن عورت کے "مردوا" ہونے کا شبہ و التباس نہیں ہو سکتا۔

مترجم "پرتاپ" کی احتیاط نے تو لفظ "میجسٹریٹ" کے آخر میں تائے تانیث کا اضافہ کرنا مناسب سمجھا لیکن "ملاپ" کے مترجم نے تو کمال ہی کردیا۔ اس نے اپنی اشاعت مورخہ ۴ مارچ ۳۰ء کے صفحہ ۱۴ کے کالم ۳ پر مسز سروجنی نائیڈو کی رائے یوں درج کی ہے:-

میں اس کانفرنس میں اس لئے شریک ہوئی تھی کہ ہمیشہ ہی امن کا پرچار میرا نصب العین رہتا ہے۔ میں ہر جگہ امن اور اتحاد کا پرچار کرتا ہوں اور کرتا رہوں گی۔

معلوم ہوتا ہے کہ مترجم صاحب اس فقرے کے آغاز سے تو اندھا دھند ترجمہ کرتے چلے آئے اور کچھ نہ سمجھے کہ "زلیخا مرد تھی یا عورت" لیکن فقرے کے آخری لفظ پر پہنچ کر احساس ہوا کہ سروجنی تو عورت ہے' لہٰذا انھوں نے بنظر احتیاط "کرتا رہوں" کے آخر میں "گی" چسپاں کردیا اور چھٹی پائی۔ یہ نہ سوچا کہ اس سے پہلے "کرتا رہوں" لکھا جاچکا ہے۔ اس گڑ بڑ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسز سروجنی نائیڈو مرد بھی ہیں اور عورت بھی' اس لئے ان کے لئے گریمر میں مخلوط افعال استعمال کرنے کا حکم ہے۔ (مثلاً لاہور میں مسز سروجنی نائیڈو آیا بیگن ایک آدھ تقریر کر کے چلا گئی اور پھر واپس نہ آیا نہ آئی" ۔ واہ مہاشے ملاپ جی۔ چندیں سال اخبار نویسی کردی' ہنوز مرد و زن را شناختی----

Marfat.com

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۲۱۷۔ جمعہ۔ ۷ مارچ ۱۹۳۰ء

(۱۴)

یوں تو لاہور کے تقریباً تمام روزنامے زبان کے اعتبار سے ایک خاص قسم کی شہرت رکھتے ہیں لیکن ایک جدید روزنامہ ان سب پر فائق ہے۔ اس کی تحریروں میں ایسی بوالعجبیاں نظر آتی ہیں کہ گھنٹوں ذوق تفنن کی تسکین کا سامان بنی رہتی ہیں۔ یہ جریدہ فریدہ اپنی اشاعت مورخہ (۱۴) اپریل کے صفحہ ۳ کے کالم ۳ میں لکھتا ہے کہ آج چونکہ ستیاگرہ کا جتھا ذرا دیر سے روانہ ہوا تھا۔ اس لئے "شہر سے نکلتے ہی انتظام کیا گیا کہ انھیں ٹانگوں پر چڑھا کر منزل مقصود پر پہنچا دیا جائے"۔

سوال یہ ہے کہ آخر کس کی ٹانگوں پر چڑھا کر؟ نامہ نگار نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ "کسی کو ٹانگوں پر چڑھا کر منزل مقصود پر پہنچا دینا"۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے اور کس بے تکلفی سے ارشاد ہوتا ہے کہ "متعدد ٹانگوں میں مستورات کو لایا گیا اور کئی نوجوان سائیکلوں پر سوار ہو کر جتھے سے بہت پہلے جائے مخصوص پر پہنچ گئے"۔

یہ سارے کا سارا فقرہ فحش ہے۔ "ٹانگوں میں مستورات لائی گئیں" اور "نوجوان جائے مخصوص پر پہنچ گئے"۔ یہ کیا واہیات خرافات ہے؟ کیا لکھنے والے کو اتنی تمیز بھی نہیں کہ اس کی تحریر کے ایک ایک لفظ سے ذم کا پہلو نکلتا ہے۔ واضح رہے کہ اردو کا لفظ ٹانگہ نہیں' تانگہ ہے (بہ تائے فوقانی) اور اگر آپ کو "ٹانگہ" ہی لکھنے کا شوق ہے تو کم از کم اس کی جمع لکھتے وقت توٹ۔۔ کے بجائے ت (۔۔۔) لکھ دیا کیجئے تاکہ برے معنی نہ پیدا ہوں۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۲۵۲۔ شنبہ۔ ۱۶ اپریل ۱۹۳۰ء

(۱۵)

"پرتاپ" کے مہاشے ناز اپنے اخبار کی تازہ اشاعت میں مدیر "افکار" پر بہت بگڑے ہیں۔ افسوس ہے کہ ان کی ساری تحریر مخش الفاظ اور "شوقانہ بڑھی سے لبریز ہے' ورنہ ہم اس کا کچھ نہ کچھ ضرور جواب دیتے۔ ہم "فخر" صاحب کے تمام "نخروں" کے جواب میں پھر یہی کہنا چاہتے ہیں کہ ۔

Marfat.com

سخن شناس نہ دلبرا خطا اس جاست

یقین کیجئے آپ سچ مچ پست طبقہ شعرا سے متعلق ہیں۔ کوئی نقاد سخن آپ کو شعرا کے بلند طبقہ میں شمار نہیں کرسکتا۔ آپ کو زبان اردو سے کوئی تعلق نہیں، فن شعر کی کوئی واقفیت نہیں، حسن مذاق سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر مہاشے کرشن شاعر یا سخن فہم ہوتے تو آپ کا ایک بھی شعر "پرتاپ" میں شائع نہ ہونے پاتا۔ آپ ان کے اخبار کو دعا دیجئے، جن کی شعر نا فہمی کا ناجائز فائدہ اٹھا کا آپ بھی "سواروں میں پانچویں" بنے پھرتے ہیں۔

"نخرہ" صاحب نے ہمیں چیلنج دیا ہے کہ کسی مضمون پر کسی مصرع طرح پر مقررہ وقت کے اندر ہمارے مقابلے پر شعر لکھو - یہ خدا کی شان ہے، اس کے سوا ہم اور کیا کہیں۔ ان لوگوں نے شعر کو خدا جانے کیا سمجھ رکھا ہے۔ ہم تو اعتراف کرتے ہیں کہ ایسی شاعری نہ ہم سے کبھی ہوئی ہے، نہ آئندہ کبھی ہوسکے گی کہ "کسی مضمون پر، کسی مصرع طرح پر، کسی مقررہ وقت کے اندر" شعر لکھے جائیں اور پھر سالک اور ناز صاحب کا مقابلہ کرسکے؟ وہ بے چارہ قیامت تک اپنے کلام میں ناز کی خصوصیات پیدا کرنے سے قاصر ہے وہ آپ کا مقابلہ کیا کرسکے گا ع

آنچہ در گفتار فخر تست آں ننگ من است

آپ فرماتے ہیں کہ "سالک صاحب دوسروں کی تضحیک کرنے کی بجائے باہر نکلیں اور اپنے جوہر دکھائیں۔ سال بھر میں ایک دو دفعہ عربی، فارسی کے موٹے موٹے الفاظ جمع کرکے انھیں نظم کر ڈالنا کافی نہیں"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ برخوردار من! ہمارا تو باہر نکل کر جوہر دکھانے کا زمانہ گزر چکا۔ جس زمانے میں ہم جوہر دکھاتے تھے، آپ آغوش مادر میں پڑے آغوں آغوں کررہے تھے۔ اب تو آپ کا دور ہے۔ خدا کی قدرت ہے، غریب شاعری پر یہ دور بھی آنا تھا۔

"عربی فارسی کے موٹے موٹے الفاظ" کا کوئی جواب نہیں۔ ایک جاہل کے نزدیک عام مستعمل الفاظ بھی "موٹے" ہیں اور وہی ذی علم کے نزدیک بے حد آسان ہیں۔ "سال میں ایک دو دفعہ" کا جو طعنہ آپ نے دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناز صاحب کی طرح ہر روز چند لچر تکیں باندھ دینا بہت بڑا کمال ہے، حالانکہ "بسیار گو"

Marfat.com

عام طور پر "بیہودہ گو" ہوتا ہے۔ شیر عمر بھر میں ایک "بچہ شیر" پیدا کرتا ہے' کتیا جنتی ہے تو ایک ایک جھول میں چھ چھ پلے نکال دیتی ہے۔

انقلاب۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۶۹۔ جمعہ۔ ۲۹ اگست ۱۹۳۰ء

(۱۶)

مہاشے ناز اردو شاعری کی ٹانگ تو مدت سے توڑ ہی رہے تھے' اب آپ نے غریب فارسی پر بھی دست درازی شروع کردی ہے۔

تو کار زمیں را نکو ساختی
کہ باآسماں' نیز پرداختی

۲۸ اگست کے "پرتاپ" میں آپ نے مرزا غالب رحمتہ اللہ علیہ کے اس مشہور شعر کو مدنظر رکھ کر کے۔

بے خود بوقت ذبح تپیدن گناہ من　　　دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہ کیست

چند اشعار رقم فرما دیے ہیں جن کو پڑھ کر مذاق سلیم کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ خدا جانے یہ دور جہالت ہمیں ابھی کیا کیا تماشے دکھائے گا۔ جس شخص کا ابھی اردو میں ہی شین قاف درست نہیں' وہ فارسی کے گلے پر چھری پھیر رہا ہے اور کوئی اسے روکنے والا نہیں۔

مہاشے ناز پر تعجب نہیں کیونکہ وہ تو جہل مرکب میں گرفتار ہیں۔

آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند　　　در جہل مرکب ابدالد ہر بماند

مہاشے کرشن پر تعجب نہیں کیونکہ وہ ذوق شعر سے بالکل بے بہرہ ہیں اور نہیں جانتے کہ ان کے اخبار کی وقعت پڑھے لکھے حلقوں میں گر رہی ہے۔ تعجب تو ہندو قوم پر ہے جس میں بقول ناز اللہ کے فضل سے اب بڑے بڑے سخن گو اور سخن فہم پیدا ہوگئے ہیں۔ آخر اس قوم کے ادیب' انشا پرداز اور شعرا اس روزانہ بداخلاقی کو کیونکر گوارا کررہے ہیں۔ کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ ہندوؤں کے ہاں خوش مذاقی اور سخن فہمی کا اس قدر فقدان ہوگیا ہے کہ جاہل ترین اشخاص روزانہ اخباروں کے ایڈیٹر اور شاعر کہلانے لگے ہیں؟

کیا پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی' پنڈت ہری چند اختر ایم اے' پنڈت رتن چند موہن بی۔ اے' مسٹر منوہر سہائے انور بی۔ اے' اور دوسرے ارباب ذوق

Marfat.com

ایک وفد کی صورت میں مہاشے کرشن کے پاس جا کر انھیں یہ یقین نہیں دلا سکتے کہ ان کے اخبار کا ایڈیٹر فی الحقیقت زبان دانی اور شعر فہمی سے قطعاً بے بہرہ ہے اور انھیں کسی اور وجہ سے نہیں تو محض اپنے اخبار کے وقار کی حفاظت کے لئے اس شخص کو کم از کم شعر لکھنے سے منع کر دینا چاہیے۔ اگر یہ حضرات تکلیف فرمائیں تو یہ اردو اور فارسی زبان اور فن سخن پر بہت ہی بڑا احسان ہو۔

اس نظم (فارسی) میں ناز نے جہاں "قند پارسی" میں بد ذوقی کا زہر ملایا ہے' وہاں نہادن' شمردن' کشیدن' شکستن' لندن' نوشتن کے قافیے بھی باندھے ہیں اور علم عروض و قافیہ سے اپنی پوری بے خبری اور جہالت کا ثبوت دینے میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کی۔ نمونے کے لئے دو تین اشعار سنتے جایئے۔ آپ کو ان اشعار سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ فارسی زبان بھی اپنی شیرینی و شستگی کے باوجود ذلت کی کن گہرائیوں میں دفن کی جا سکتی ہے۔

در بزم اہل صدق نشستن گناہ من　　　خود را بہ "ٹوڈیاں" شمردن گناہ کیست
در قید مثل مرغ تپیدن گناہ من؟　　　زنجیر قیدرانہ شکستن گناہ کیست
کرون امام رامزے وبلڈوین را　　　رفتن پئے نماز بہ لندن گناہ کیست

وقس علی ھذا من الخرافاۃ واقواھیات۔

جس طرح مولوی حبیب الرحمان لودھیانوی بات بات پر مجمع عام میں انگشت شہادت بلند کر کے یہ فرمایا کرتے ہیں کہ "میں چی لنج دیتا ہوں"۔ اسی طرح مہاشے ناز کی بھی عادت ہے کہ بات بات پر شعرا کو چیلنج دیتے ہیں۔ کہ آؤ اور ہمارے مقابلے پر شعر لکھو۔ اگر کسی شریف آدمی کے مقابلے میں آپ کو ایسے ہی گلے سڑے اشعار لکھنے ہیں تو کون ایسا دل گردے والا ہو گا جو آپ کے چیلنج کو قبول کرے گا۔ آپ اب یہ لکھیں گے کہ ہمارے فارسی اشعار پر مدیر "افکار" نے اعتراض تو کوئی کیا نہیں' یونہی ڈانٹ ڈپٹ کر ہی رہ گئے لیکن ہم ارباب ذوق سلیم کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ ان اشعار پر کوئی اعتراض کیا ہی نہیں جا سکتا۔ جو چیز سر سے پاؤں تک غلطی اور بدذوقی کا پیکر ہو اس کے کس کس حصے پر اعتراض کیا جائے۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم　　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

ایک مزے کی بات قابل توجہ ہے۔ ناز صاحب نے مسٹر بالڈون کے نام کو جس

Marfat.com

طرح توڑ مروڑ کر مصرع کے اندر گھسیڑا ہے' اس کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی۔ اس پر اعتراض کیا جائے تو آپ کہہ دیں گے کہ ضرورت شعری کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔ اچھا صاحب! اگر ہمیں یہ لکھنا ہو کہ "صبح مہاشے نانک چند ناز دفتر "پرتاپ" میں آتے ہیں"۔ تو ہم اس مطلب کو یوں ادا کریں گے ع

سحر در دفتر "پرتاپ" نکچندازمی آید

یعنی نانک چند ناز کو ضرورت شعری کی وجہ سے "نکچنداز" لکھ دیں تو کیا آپ اس کو روا رکھیں گے؟ آپ کی "ضرورت شعری" کی مثال تو وہی ہے کہ

چو تشدید در شعر ضرورت افتد ‌ ‌ ‌ تشدید در شعر چرا بنا شد

آخر میں پھر گزارش ہے کہ ایشور پرماتما کے لئے آپ شعر پر رحم کریں' یہ بے چارا اتنے ظلم کا متحمل نہیں ہے۔

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۷۰۔ شنبہ۔ ۳۰ اگست ۱۹۳۰ء

(۱۷)

مہاشے ناز میں یہی ایک خرابی ہے کہ وہ اپنے خلاف ایک لفظ بھی ٹھنڈے دل سے نہیں سن سکتے' چنانچہ آپ پھر مدیر "افکار" پر نہایت طفلانہ انداز سے بگڑے ہیں۔ آپ کا بگڑنا ہمارے سر آنکھوں پر۔ اگر وہ ناز ہیں تو ہم ناز برداری کے لئے بالکل تیار ہیں لیکن غلطی بہرحال غلطی ہے۔ اگر وہ کہیں کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں تو ہم محض ناز برداری کی نظر سے اس قول کو صحیح نہیں مان سکتے' بلکہ یہی عرض کریں گے کہ ع

سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جاست

ہم نے ان کی فارسی پر چند خیالات کا اظہار کیا تھا جن میں بر سبیل تذکرہ یہ اعتراض بھی کیا تھا کہ شمرون' نوشتن' لندن' نہادن وغیرہ مصادر ہم قافیہ نہیں ہیں' اس لئے ان کی ساری کی ساری نظم غلط ہے۔ مہاشے جی اس اعتراض کو تو پی ہی گئے اور لگے ادھر ادھر کی ہانکنے۔ گالیوں کا جواب ہمارے پاس نہیں اور اگر ناز صاحب یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہم بھی "پست طبقے کے شعرا" کی طرح دشنام طرازی پر اتر آئیں گے تو ان کی یہ توقع کبھی پوری نہ ہوگی' البتہ جو حقیقت ہے وہ ہم برابر عرض کرتے چلے جائیں گے کہ آپ علم و فن سے بالکل کورے ہیں اور مذاق سلیم سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔

Marfat.com

ناز صاحب نے اپنے ایک شعر میں بالڈون (سابق وزیراعظم) کے نام کو "بلڈوین" باندھا تھا۔ ہم نے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے خواجہ حالی کا یہ شعر سند میں پیش کر دیا ہے۔

وہ بتا دیتا تھا جب کچھ رکھ کے انگلی نبض پر
اس کی اک انگلی پہ تھے قربان سو تھرماٹر

اور لکھا ہے کہ دیکھ لو "تھرمامیٹر" کو حالی نے تھرماٹر بنا دیا۔ کیا اب حالی کا بھی مضحکہ اڑاؤ گے؟

شیخ سعدی نے خوب کہا ہے کہ۔

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

اب تک ہمیں مہاشے ناز پر یہی اعتراض تھا کہ انھیں اردو اور فارسی سے بہرہ حاصل نہیں۔ آج یہ بھی معلوم ہوگیا کہ خیر سے انگریزی میں بھی صفر ہی ہیں۔ مولانا حالی نے "تھرماٹر" جس صحت کے ساتھ باندھا ہے' اس کی داد وہی دے سکتا ہے جس کو اس لفظ کا صحیح انگریزی تلفظ معلوم ہو۔ اگر ناز صاحب کو ہماری بات کا یقین نہ ہو تو وہ کسی اعلیٰ درجے کے انگریزی دان سے پوچھ لیں' انھیں معلوم ہوجائے گا کہ "تھرمامیٹر" کے لفظ میں "ایکسنٹ" (زور) دوسرے "سلیبل" (یعنی تا) پر ہے' تیسرے پر نہیں۔ "تھرماٹر" بروزن مستفعلن ہے' بروزن "فعلن فعلن" نہیں

اگر کسی سے پوچھتے ہوئے شرم آتی ہو تو ڈکشنری کھول کر دیکھ لیجئے "ایکسنٹ" دوسرے ہی سلیبل پر ملے گا۔ کاش آپ نے بھی مسٹر بالڈون کا نام اسی صحت کے ساتھ نقل کیا ہوتا۔

اب اگر ہم یہ اعتراض کر دیں کہ "پرتاپ" کی اسی اشاعت مورخہ ۳۱ اگست کے صفحہ اول پر ناز صاحب نے جو نظم لکھی ہے اس کا یہ مصرع کہ

انگریز ولایت میں اب کس منہ سے کہیں گے

تقطیع سے باہر ہے تو ناز صاحب جھٹ اس کا الزام کاتب کے سر تھوپ کر صاف علیحدہ ہوجائیں گے حالانکہ بے چارہ کاتب اس قسم کا تصرف کسی حالت میں بھی نہیں کر سکتا۔

اس کے علاوہ ہم ناز صاحب کی خدمت میں مودبانہ یہ مشورہ بھی پیش کرتے ہیں

Marfat.com

کہ "پار لنگھانا" اردو نہیں پنجابی محاورہ ہے۔ "پار لگانا" لکھا کیجئے۔ اگر اردو کے کسی شاعر نے "لنگھانا" لکھا ہے تو یا وہ کوئی بہت ہی پرانا شاعر ہوگا یا جاہل ہوگا۔ فصحا کے نزدیک یہ لفظ متروک اور غلط ہے۔۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۴۷۔ چہار شنبہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۳۰ء

(۱۸)

۔۔۔۔ "پرتاپ" کے مہاشے ناز کو جواب دیتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ لفظ "تھرمامیٹر" میں دوسرے سلیبل یعنی "ما" پر "ایکسنٹ" ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو وہ کسی انگریزی دان سے پوچھ لیں اور اگر پوچھنے سے شرم آتی ہو تو ڈکشنری کھول کر دیکھ لیں۔ اس کے جواب میں ناز صاحب لکھتے ہیں۔ لیکن ڈکشنری میں "ایکسنٹ" "ی" پر ہے "ما" پر نہیں' سالک صاحب ڈکشنری کھول کر دیکھ لیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے' گویا ناز صاحب نے جواب نہیں دیا' بچوں کی طرح منہ چڑایا ہے۔

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زبان بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجئے دہن بگڑا

خدا جانے وہ کونسی ڈکشنری ہے جس میں تھرمامیٹر کا صحیح تلفظ بھی نہیں لکھا۔ کیا مہاشے صاحب اس ڈکشنری کا نام بتا سکتے ہیں' جس میں اس لفظ کے جزو "ی" پر ایکسنٹ لکھا ہوا ہے؟ خدا جانے لوگ اپنی غلطی تسلیم کرنے میں اس قدر ہٹ دھرمی سے کیوں کام لیتے ہیں؟

مہاشے جی کا دعویٰ یہ ہے کہ اکثر بڑے بڑے شعرا نے انگریزی الفاظ کے تلفظ کو بدل کر باندھا ہے ممکن ہے یہ درست ہو لیکن مہاشے جی کی جہالت ملاحظہ ہو کہ وہ اپنے دعوے کی دلیل میں جتنی سندیں پیش کرتے ہیں وہ سب کی سب ان کے خلاف پڑتی ہیں۔ مثلاً اکبر کے مندرجہ ذیل مصرعے لکھے ہیں ع

۱) کافی ہیں امیروں کو قوانین گورمنٹ
۲) کوئی سرٹیفکٹ سے خوب صورت ہو نہیں سکتا
۳) تعلیوں کو طبیعت رجیکٹ کرتی ہے
۴) بندوق کا نہیں ہے جو لیسنس غم نہیں

ان چاروں مصرعوں میں حسن اتفاق سے انگریزی الفاظ بالکل اصلی صورت میں

Marfat.com

باندھے گئے ہیں لیکن ناز صاحب بے چارے کیا جانیں۔ وہ تو یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ اکبر نے "گورنمنٹ" کیوں نہیں باندھا حالانکہ صحیح تلفظ "گورمنٹ" ہی ہے۔ "ن" ملفوظی اعتبار سے محذوف ہے۔

ہم نے مہاشے جی کو مشورہ دیا تھا کہ "پار لنگھانا" بالکل متروک اور غیر فصیح ہے' آپ نہ لکھا کیجئے لیکن آپ نے حالی کا ایک مصرع سند میں پیش کر دیا۔ ع

یہ ناو ہے ہر طرح ہمیں پار لنگھانی

کیا کریں ہمیں تو ایک ان پڑھ آدمی کو علمی بات سمجھاتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن مجبوراً بتانا ہی پڑتا ہے کہ مولانا حالی وہ شخص ہیں جو متروکات کے قائل ہی نہیں' چنانچہ اسی وجہ سے ان کا کلام بعض نہایت ثقیل اور بھدے ہندی یا دہقانی الفاظ سے بھرا پڑا ہے اور سب نقادوں کو مولانا سے یہی شکایت ہے۔ اگر مولانا مرحوم نے "لنگھانی" باندھ دیا تو وہ ہمارے لئے سند نہیں ہو سکتا۔ کل کو ناز صاحب اپنے کسی شعر میں "ٹک" باندھ کر میر تقی کا کوئی شعر سند میں پیش کر دیں تو اس کا کیا علاج ہے۔

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۸۱۔ جمعہ۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۳۰ء

ہم نے کسی گذشتہ اشاعت میں میاں سر فضل حسین کی "کرامات" اور آپ کے کمالات روحانی کا ذکر کیا تھا اور لکھا تھا کہ دنیا بھر میں جتنے واقعات ہوتے ہیں' ان کی پشت پر کسی نہ کسی حیثیت سے میاں صاحب کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو تو کسی ہندو اخبار کے ایڈیٹر سے پوچھ لیجئے۔ "پرتاپ" مورخہ ۱۹ ستمبر میں لالہ دینا ناتھ جی سابق مدیر "دیش" و "ہندوستان" و "پبلک" و "ہمالہ" کے چند اشعار شائع ہوئے ہیں۔ پہلا شعر یوں ہے۔

منظور چونکہ خاطر فضل حسین تھی
تقریر شہ میں نام بھی سوراج کا نہیں

دیکھا آپ نے! میاں فضل حسین کا اثر کہاں تک پہنچا ہوا ہے۔ ملک معظم نے اپنی تقریر میں "سوراج" کا لفظ استعمال نہیں کیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور کو میاں فضل حسین کی خاطر منظور تھی۔ "ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ" اسی کو کہتے ہیں۔۔

لالہ دینا ناتھ جی کو چند روز سے شاعری لاحق ہو رہی ہے۔ "پرتاپ" اور "ملاپ" آپ کے نتائج افکار سے لبریز نظر آتے ہیں۔ جس زمانے میں آپ اخبار نویسی کیا کرتے تھے' آپ کے اخباروں کی زبان دوسرے ہندو پرچوں سے کسی قدر بہتر ہوا

Marfat.com

کرتی تھی۔ اب آپ نے نظم کی طرف توجہ فرمائی ہے چونکہ پرانے آدمی ہیں اس لئے بعض اچھے اشعار بھی کہہ جاتے ہیں لیکن چونکہ فن کی باقاعدہ تحصیل اور مشق سے کورے ہیں' لہٰذا کبھی کبھی ایسی لغزش ہوجاتی ہے کہ بچے بھی ہنستے ہیں مثلاً انہی اشعار میں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ ایک شعر یہ فرمایا گیا ہے ۔

ہو ختم قصہ ایک دن یہ روز روز کا　　اچھی نہیں ہر روز کی ان کی نہیں نہیں

خدارا کوئی ہمیں یہ بتائے کہ جس شخص کو اتنا بھی محسوس نہیں ہوتا کہ یہ دونو مصرع تقطیع سے گرتے ہیں' اس کو شعر کہنے کا کیا حق ہے۔ مہاشے نانک چند ناز اپنے زعم میں زمانہ حال کے "میر تقی" بنے ہوئے ہیں کیا انہیں بھی ان اشعار کی اشاعت کے وقت یہ خیال نہیں آیا کہ شعر کے لئے وزن و بحر کی پابندی ضروری ہے۔

لالہ دینا ناتھ جی اس قسم کے اشعار آب دار لکھ کر "پرتاپ" والوں کو دے دیتے ہیں اور ناز صاحب اس پر لکھ دیتے ہیں "لالہ دینا ناتھ جی کی گہر ریزی" ۔ "من ترا ملا بگویم تو مرا حاجی بگو" ۔ جیسی روح ویسے فرشتے' جیسے اخبار نویس ویسے شاعر" جیسا صدف ویسی گہر ریزی" ۔

مہاشے نانک چند ناز تو ابھی بچے ہیں' ان کو غلطیاں زیبا ہیں لیکن لالہ دینا ناتھ جی بزرگ آدمی ہیں' انھیں تو ذرا ہوش مندی سے شعر لکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ان کے اشعار میں خیالات تو خاصے ہوتے ہیں لیکن انداز نظم نہایت ست اور پھس پھسا ہوتا ہے حالانکہ اگر کوشش کریں تو غالباً اچھا خاصا کہہ سکیں۔

"پرتاپ" میں ایک جگہ لکھا گیا ہے کہ ہمارے ہاں بہت دلچسپ نظمیں شائع ہوتی ہیں لیکن اسلامی اخبارات نے نظم کو ترک کردیا ہے جو "افلاس تخیل" کی دلیل ہے۔ سبحان اللہ۔ "عجب تیری قدرت عجب تیرے کھیل' چھچھوندر لگائے چنبیلی کا تیل" ۔ ہم "دلچسپ نظمیں" لکھنے کے قائل نہیں۔ بقول حالی ۔

اے شعر دل فریب نہ ہو تو تو غم نہیں　　پر تجھ پہ حیف ہے جو نہ ہو دل گداز تو

روزانہ دس پانچ الٹے سیدھے شعر لکھ دینے سے جن کا نہ وزن درست ہو نہ زبان صحیح' یہ ہزار درجہ بہتر ہے کہ نظم نہ لکھی جائے اور "تخیل" کو فرصت پر چھوڑ دیا جائے۔ ہم شعر کو ادبیات کی بلند ترین صنف سمجھتے ہیں اور آپ نے اس کو بازاری بنا رکھا ہے　ع

Marfat.com

تو ہے ہنسوڑ اور میں ہوں مقطع' تیرا میرا میل نہیں

انقلاب۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۱۳۹ • شنبہ۔ ۲۲ نومبر ۱۹۳۰ء

(۱۹)

اترسوں کے "پرتاپ" میں لالہ دینا ناتھ جی کے چند اشعار شائع ہوئے تھے' جن کا پہلا مصرع یہ تھا۔

کل سڑک پر ملے ایک خفیہ پلس کے افسر

اگرچہ انگریزی میں صحیح تلفظ "پلیس" ہے لیکن غلط العام کے اصول کی ماتحت "پلس" بھی جائز قرار دیا جاسکتا ہے اور اکبر مرحوم نے ایک آدھ دفعہ اسی طرح باندھا بھی ہے

نہ سرگرمی پلیس کی ہے نہ جاری مارشل لا ہے

لیکن مہاشے نانک چند ناز کی ضرورت شعری اس قدر لچک دار واقع ہوئی ہے کہ آپ نے غلط العام پر بھی اکتفا نہیں کی بلکہ ایک تازہ نظم میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

پلس کے مضمون لکھ کر اس سے لیتا ہے ثواب
اے وطن کش جان لے ایسے ثواب اچھے نہیں

اگر ناز صاحب لالہ دینا ناتھ جی کے نقش قدم پر ہی چلتے اور اس مصرع کو یوں لکھتے کہ

لکھ کے تو مضمون پلیس کے اس سے لیتا ہے ثواب

تو ہم اسے گوارا کرلیتے لیکن "پلس" بروزن "فرص" تو ناقابل برداشت ہے۔

مہاشے ناز صاحب اب بعض اشعار صاف بھی کہہ جاتے ہیں۔ گاتے گاتے عطائی بھی کلاونت ہوجاتا ہے لیکن کہیں کہیں ایسے پھسلتے ہیں کہ عطائی پن صاف ظاہر ہوجاتا ہے۔ کاش لالہ دینا ناتھ جی اور مہاشے ناز صاحب دونوں کسی استاد کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرنا ضروری سمجھتے اور "بے پیری" اور "بے استادی" کی آفت میں مبتلا نہ ہوتے

انقلاب۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۱۴۰۔ یک شنبہ۔ ۲۳ نومبر ۱۹۳۰ء۔ سنڈے ایڈیشن

Marfat.com

(۴۰)

کسی گزشتہ اشاعت میں ہم نے مہاشے نانک چند ناز اور لالہ دینا ناتھ صاحب کے بعض اشعار پر اعتراض کیے تھے۔ ان اعتراضات کا تو مہاشے جی کو کوئی جواب سوجھا نہیں، بس ادھر ادھر کی ہانکنے لگے۔ "پرتاپ" کی نظمیں بلند پایہ ہوتی ہیں۔ "بدباطن حریفوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہیں" "لالہ دینا ناتھ کی طبع آزمائی سے چار چاند لگ گئے ہیں"۔ "بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ وغیرذالک من الخرافات۔

مہاشے جی لکھتے ہیں کہ "انقلاب" نے "حاسدانہ بخار" نکالا ہے۔ خیر ہمارا "بخار" حاسدانہ ہی سہی لیکن کیا فرماتے ہیں مہاشے جی "زمیندار" کے ان "خیر خواہانہ نکات" کے بارے میں جس میں مدیر "فکاہات" نے لالہ دینا ناتھ جی کی شاعری کے لتے لے ڈالے ہیں، ان کے جواب میں مہاشے جی نے کچھ نہ فرمایا۔

آپ فرماتے ہیں کہ "مولانا سالک سے ہمیں یہی امید ہو سکتی ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ پنجاب میں کوئی دوسرا شاعری کرے"۔ اگر اس فقرے میں "دوسرا" کی جگہ "غلط" لکھ دیا جاتا تو اس فقرے کی صداقت میں ہمیں کوئی شبہ نہ رہتا۔ لیکن موجودہ صورت میں یہ فقرہ نہایت مہمل ولا یعنی ہے۔ پنجاب میں اللہ کے فضل سے بیسیوں مسلمان اور متعدد ہندو شعرا ایسے موجود ہیں جن کے کلام کو مدیر "افکار" سر آنکھوں پر رکھنے کو تیار ہے اور ان میں سے اکثر کی نظمیں "انقلاب" کے صفحہ اول کی زینت بن چکی ہیں لیکن ناز صاحب جیسے غلط گو اور بر خود غلط شاعروں سے مدیر "افکار" کو ازلی و ابدی کد ہے اور جب تک ان کا کلام معمولی عیوب سے پاک نہیں ہو جاتا، اعتراضات کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔

ہم نے لالہ دینا ناتھ جی کے ایک شعر کے متعلق لکھا تھا کہ اس کے دونوں مصرے تقطیع سے باہر ہیں اور عیب ایسا ہے کہ شاعری کے ایک طفل کتب کے لئے بھی شرم ناک ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اچھی نہیں ہر روز کی ان کی نہیں نہیں   ہو قصہ ختم ایک دن یہ روز روز کا

پہلے مصرع کو تو ناز صاحب پی گئے اور دوسرے مصرع کے متعلق ارشاد فرمایا کہ "ہر" فی الحقیقت "ہے" تھا کاتب نے غلطی سے "ہر" لکھ دیا اور "انقلاب" کو اعتراض کا موقع مل گیا۔ "خیر ہم مان لیتے ہیں کہ اس مصرع میں کاتب ہی سے غلطی

Marfat.com

ہوگئی لیکن پہلے مصرع کے متعلق کیا ارشاد ہے ؟ کیا دنیا میں آج تک کوئی ایسی بحر ایجاد ہوئی ہے جس پر یہ مصرع پورا اتر سکے ع

ہو قصہ ختم ایک دن یہ روز روز کا

آپ فرماتے ہیں "کوئی شاعر ایسی آسان بحر میں لغزش نہیں کھا سکتا' چہ جائے کہ لالہ دینا ناتھ" ۔ خدا جانے یہ لالہ دینا ناتھ کی تعریف ہے یا ہجو ملیح' اس کا فیصلہ خود لالہ جی ہم سے بہتر کر سکتے ہیں۔ آپ کا آخری فقرہ یہ ہے "کیا اسے ایمان دارانہ نقطہ چینی کہا جا سکتا ہے" "ایمان دارانہ" وغیرہ کے متعلق تو آپ کا دل گواہی دے رہا ہوگا کیونکہ پہلے مصرع کے متعلق آپ کوئی صفائی پیش نہ کر سکے۔ رہا "نقطہ چینی' کا معاملہ تو یہاں ہم بھی قائل ہیں۔ جن لوگوں کی تاریخی قابلیت کا یہ حال ہو کہ نانا صاحب کو نانا فرنویس لکھ دیں' عروضی معلومات کی یہ کیفیت ہو کہ غلط مصرع کو دیدہ دلیری سے صحیح بتائیں' ان کی املا اگر نکتہ چینی کو "نقطہ چینی" لکھ دے تو کونسی تعجب کی بات ہے۔ اب اس غلطی کو بھی غریب کاتب ہی کے سر منڈھ دیجئے۔

۲۷ نومبر کے "پرتاپ" کا صفحہ اول ملاحظہ ہو۔ اس پر مہاشے ناز صاحب کی ایک تازہ نظم شائع ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں ۔

جب پڑی تیر غلامی کی طوالت پر نظر مجھ کو اندازہ ہوا زخم کی گہرائی کا

گویا جب تک کسی گھسنے والی چیز کی طوالت پر نظر نہ پڑے' سوراخ کی گہرائی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ مہاشے ناز فرماتے ہیں کہ واہ وا' مجھے تو غلامی کے تیر کی درازی کو دیکھ کر یہ معلوم ہوا کہ وہ میرے اندر کتنی دور تک پیوست ہو چکا ہے۔ کتنا حسین تخیل ہے اور زم کے پہلو سے کس قدر پاک واقع ہوا ہے۔

ایک اور شعر میں ارشاد ہوا ہے ۔

بند زنداں میں کئے تو نے ہزاروں ہی اسیر نہ لیا جائزہ لمبائی کا چوڑائی کا

خدا جانے آج مہاشے جی لمبائی وغیرہ کے پیچھے اس قدر کیوں پڑے ہیں کہ ہر شعر میں اسی کا رونا ہے۔ معلوم نہیں اس شعر میں "لمبائی چوڑائی" سے کس چیز کا طول و عرض مراد ہے' زنداں کا یا اسیروں کا۔ ظاہر ہے کہ زنداں کا طول و عرض ہی مراد ہوگا لیکن شعر میں تو اس کا کوئی قرینہ موجود نہیں۔

ایک شعر فرمایا ہے ۔

Marfat.com

حوصلہ پست ہوا ہے نہ حشر تک ہو گا   کبھی آزادی فطرت کے تمنائی کا

"حشر کی "ش" کو متحرک باندھ کر ناز صاحب نے علم و ادب کے چوتڑوں پر وہ لات رسید کی ہے کہ عمر بھر یاد رکھیں گے۔ غالباً یہ بھی کاتب ہی کی غلطی ہوگی۔ "پرتاپ" کا کاتب بھی کوئی بہت ہی بڑا صاحب کرامات ہے۔ ایک جنبش قلم میں ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کردیتا ہے۔

کیوں صاحب! یہ "آزادی فطرت" کیا بلا ہوتی ہے؟ اگر آپ نے یونہی شعر کا وزن پورا کرنے کے لئے لفظ "فطرت" نظم کردیا ہے تو آپ مالک و مختار ہیں۔ اگر فطرت کی جگہ آپ "چرخ" بھی لکھ دیتے تو ہم آپ کا کیا بگاڑ سکتے تھے، لیکن اگر آپ کا مدعا "آزادی کا فطری حق" سے تھا تو اس کو واضح کرنا چاہئے تھا۔ ہر شخص اتنی سمجھ تو نہیں رکھتا کہ صرف "آزادی فطرت" کو پڑھ کر وہ سب معانی سمجھ لے جو آپ کے بوسیدہ دماغ نے اس بے معنی ترکیب کے ساتھ وابستہ کررکھے ہیں'۔

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۱۴۴۔ یک شنبہ۔ ۳۰ نومبر ۱۹۳۰ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۲۱)

لالہ دینا ناتھ صاحب سابق مدیر "دیش" نے جو آج کل "پرتاپ" میں نظمیں لکھ لکھ کر مہاشے نانک چند ناز کی ہم فنی کا حق ادا کررہے ہیں "پرتاپ" مورخہ ۱۰ دسمبر میں ایک نظم ارشاد فرمائی ہے۔ اس نظم میں ذکر کیا ہے کہ ایک دوست نے مجھ پر کسی لفظ کی تذکیر و تانیث کے متعلق اعتراض کیا۔ میں نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ ۔

فکر تانیث یا غم تذکیر   جن پہ کرتے ہیں آپ جان نثار
ان کے جھگڑوں سے مجھ کو بحث نہیں   میرے نزدیک یوں ہے ان کا شمار
میں مونث کو اور مذکر کو   دیکھتا ہوں جہاں کہیں سرکار
آن واحد میں ہوں ملا دیتا   اور کرتا ہوں اک بچہ تیار

سبحان اللہ! آپ کی اور خوبیاں تو بہت سنی تھیں لیکن یہ کمال آج ہی معلوم ہوا کہ آپ دنیائے ادبیات میں "ملاؤ خاں" کا کام بھی انجام دیتے ہیں تاکہ الفاظ کی "نسل کشی" کا حق ادا ہوجائے۔ یہ بڑے ثواب کا کام ہے کہ جہاں کسی "نر لفظ" اور "مادہ لفظ" کو دیکھا وہیں ان کو ملا کر نو مہینے میں نہیں بلکہ آن واحد میں "بچہ" تیار کردیا

Marfat.com

لیکن گستاخی معاف یہ آپ کے پیدا کرائے ہوئے بچے اکثر ہیجڑے ہی ہوتے ہیں نہ مذکر نہ مونث' خالص مخنث۔

ہندو یونیورسٹی کو حکومت سے جو لاکھوں روپے کی رقم ملا کرتی تھی' وہ بعض وجوہ سے بند کردی گئی۔ ارباب دانش کے نزدیک ہندو یونی ورسٹی نے "ہندو راج" کی تحریک میں عملی حصہ لے کر اپنی حماقت و نادانی کا ثبوت دیا ہے چنانچہ اس تحریک کے حامی بھی یونی ورسٹی کی نادانی اور بے وقوفی کے قائل ہیں۔ مہاشے ناز ایڈیٹر "پرتاپ" لکھتے ہیں۔

اگر دست تعاون کھچ گیا ہے — تو کیا ڈر ہے ہمارا بھی خدا ہے
ہمیں اہل وطن پر ہے بھروسا — سمجھ لیں لارڈ ارون یہ مقولہ
اگر روزی بدانش برفزودے — زناداں تنگ تر روزی بنودے
بناداں آں چناں روزی رساند — کہ دانا اندراں حیراں بماند

یعنی گو یونی ورسٹی نے بہت بڑی حماقت و نادانی کی ہے لیکن لارڈ ارون کو یاد رکھنا چاہئے کہ بے وقوفوں کا روزی رساں بھی خدا ہے۔ ہندو یونی ورسٹی کے رویہ پر ایک کانگرسی اخبار کا یہ تبصرہ نہایت دلچسپ ہے۔۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۱۵۶۔ جمعہ۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۰ء

(۲۲)

لالہ دینا ناتھ (سابق ایڈیٹر "دیش" "ہمالہ" "ہندوستان' وغیرہ) جس زمانے میں نثر لکھا کرتے تھے' اس وقت بھی مسلمانوں کو جلی کٹی سنایا کرتے تھے اور اب تو شعر بھی کہنے لگے ہیں۔

لو خیر سے تم شعر بھی کرنے لگے موزوں — اب کوئی بھی پہلو نہ بچے گا مرے دل کا

اب آپ کے "خدنگ تخیل" کی کار فرمائیاں دیکھئے۔ کبھی مولانا محمد علی پر چوٹ ہے' کبھی بیگم شاہ نواز کی شان میں گستاخی ہے' کبھی مسلمانوں کے مطالبات پر استہزا ہے۔ غرض۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں — تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

لیکن یہ تمام حملے برداشت کئے جاسکتے ہیں کیونکہ قوموں کی باہمی کش مکش میں اس قسم کی باتیں ناگزیر ہیں اور کوئی اخبار نویس اختلاف و مناقشہ سے بچ کر چلنے کا

Marfat.com

دعویٰ نہیں کر سکتا لیکن زبان، ادب، فن شعر اور عروض پر جو ظلم کیا جارہا ہے وہ بالکل ناقابل برداشت ہے۔ مسلمانوں نے تو لالہ دینا ناتھ یا ان کی قوم کا کوئی قصور کیا ہوگا لیکن یہ غریب علوم و فنون تو بالکل بے قصور ہیں، آخر یہ کس جرم کی پاداش میں پکڑے گئے ہیں۔ لالہ دینا ناتھ جی کو معلوم ہونا چاہئے کہ زبان، ادب اور شعر مسلمان نہیں ہیں کہ ان پر ظلم کرنا "سنگھٹن" کا تقاضا ہو۔ یہ چیزیں اقوام عالم کی مشترکہ جائداد ہیں، ان پر ظلم کرنا انسانیت پر ظلم کرنا ہے۔

۱۸ دسمبر کے "پرتاپ" میں آپ نے "انقلاب" کے خلاف حسب ذیل چھ مصرعے رقم فرمائے ہیں۔

۱۔ لاہور میں ہے اک بے سرا اخبار ۲۔ ہے اپنی حماقتوں پر بے حد مغرور

۳۔ رجعت ہے ہر اک سطر سے ظاہر ۴۔ اور نام ہے "انقلاب" اس کا مشہور

۵۔ مصداق ہے گویا اس مثل کا وہ ۶۔ "برعکس نہند نام زنگی کافور"

آخری مصرع کسی استاد کا ہے جس پر تضمین فرمانے کی تکلیف حضرت "دینا" نے فرمائی ہے۔ تینوں اشعار کے پہلے مصرعے (یعنی نمبر ۱، ۳، ۵) وزن و بحر کی پابندی سے آزاد ہیں اور چونکہ صرف طاق مصرعوں میں شاعر نے یہ صفت رکھی ہے لہٰذا اس اہتمام کو صنعت بے بحری کا لزوم مالا یلزم کہتے ہیں۔

جس شاعر کو ساٹھ برس کی عمر میں بھی وزن و بحر کا احساس نہ ہو، اس کی شاعری کا آپ خود ہی اندازہ کر لیجئے۔ حضرت دینا عام متداول بحروں میں تو برا بھلا شعر کہہ لیتے تھے لیکن یہ بحر ہی کچھ ایسی الٹی واقع ہوئی تھی کہ آپ کی طبع وقاد شل ہوگئی تھی اور بے انتہا تکلف کے باوجود بھی تین مصرعوں کی چول ٹھیک نہ بیٹھی۔ آخر آپ نے یہ سمجھ کر ان مصرعوں کو یونہی چھوڑ دیا کہ "برعکس نہند نام زنگی کافور" ہی کونسا ٹھیک مصرع ہے۔

ہم حضرت دینا کی معلومات کے لئے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ مصرع رباعی کے وزن پر ہے اور رباعی کے چوبیس اوزان غزل کے اوزان سے بالکل جداگانہ واقع ہوئے ہیں۔ اس مصرع کی تقطیع یوں ہے۔

برعکس	نہند نا	م زنگی کا	فور
مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فاع

Marfat.com

تینوں غلط مصرعوں کی اصلاح بھی حاضر ہے۔ جب تک یہ اصلاح نہ کی جائے گی مصرع تقطیع پر پورے نہ اتریں گے۔

(ا) لاہور میں اک ہے بے سرا سا اخبار

(۳) رجعت ہی ہر اک سطر سے ہے ظاہر

(۵) مصداق ہے اس مثل کا وہ بھی

ہم ان اشعار کے موضوع پر کچھ لکھنا ضروری نہیں سمجھتے اور لالہ دینا ناتھ سے یہ عرض کرتے ہیں کہ آپ ہمیں شوق سے گالیاں دیجئے لیکن خدا کے لئے پڑھے لکھوں کی طرح صحیح زبان اور صحیح اشعار میں دیجئے' پھر ہمیں کوئی شکایت نہ ہو گی۔ ایک تو گالی اور پھر غلط' یہ ناقابل برداشت ہے۔

لوگ چہ می گوئیاں کر رہے ہیں کہ ایک شخص کام یاب اخبار نویسی کرنے' سرکار کی انتہائی وفاداری میں سرشار رہنے' بدیشی بنا سپتی گھی کی لعنت کو ہندوستان میں رائج کرنے' باتصویر اخبار کی اشاعت میں ناکام رہنے اور شاعری پر ظلم ڈھانے کے بعد اب اس پیرانہ سری میں اور کیا کرنے والا ہے۔ غالباً کوئی اخبار ہی نکالنے کا ارادہ ہو گا' چنانچہ شعر کے آسان ذریعے سے ہندوؤں میں دوبارہ روشناس ہونے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن ہمیں اس پر زیادہ دماغ لڑانے کے ضرورت نہیں۔ "تیل دیکھو' تیل کی دھار دیکھو"۔

شاید کہ ہمیں بیضہ بر آرد پر و بال

انقلاب۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۱۴۳۔ یک شنبہ۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۰ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۲۴)

"پرتاپ" مورخہ ۸ فروری (موتی لال ایڈیشن) کے صفحہ اول پر مہاشے نانک چند ناز نے پنڈت جی آں جہانی کے انتقال پر چار اشعار لکھے ہیں۔ اشعار تو ویسے ہی ہیں جیسے ناز صاحب ہمیشہ کہا کرتے ہیں یعنی پھس پھسے اور بھونڈے اور بھینڈے لیکن پہلا شعر علی الخصوص قابل غور ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

ہو عمر تری عمر خضر سے بھی زیادہ　　　آباد تھا اس ملک کا ویرانہ تجھی سے

دوسرا مصرع تو خیر ٹھیک ہے لیکن پہلا مصرع یقیناً پنڈت جی کے انتقال سے پہلے لکھا گیا ہوگا کیونکہ جو شخص مرجائے اس کی درازی عمر کی دعا مانگنا احمقوں کا کام ہے

Marfat.com

ر ہم ناز صاحب کو ہرگز ایسا نہیں سمجھتے۔

اگر ناز صاحب یہ فرمائیں کہ پنڈت جی مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں' لہٰذا ان کے لئے زندوں کی سی دعا مانگنا ناجائز نہیں تو ہم یہ گزارش کریں گے کہ پنڈت جی تو مرنے کے بعد اپنے کارناموں کی وجہ سے زندۂ جاوید ہیں اور جب تک ہندوستان موجود ہے۔ آپ کا نام برابر زندہ رہے گا' اس کے لئے دعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ اگر ایسی دعا مانگنی ضروری بھی ہو تو اس کے لئے لفظ "عمر" کا استعمال شاعر کی جہالت کا ثبوت ہے کیونکہ "عمر" اس مدت کا نام ہے جو اس دنیا میں انسان بجسد عنصری بسر کرتا ہے۔ پنڈت جی تو اپنی عمر کو پہنچ کر سورگباش ہو گئے لیکن ناز صاحب اب تک عمر پکارے جا رہے ہیں۔ مرنے والے کی درازی عمر کی دعا مانگنا ایسا ہی ہے جیسے یہ کہنا کہ ایشور پرماتما' مہاشے ناز کو سورگباش کرے۔

ویر بھارت" میں خبروں کے ایڈیٹر نے حسب ذیل عنوان لکھ کر اپنی گوناگوں قابلیت کا ثبوت دیا ہے :۔

حکومت دانستاً" پولیس کی سختیوں سے آنکھیں بند کر رہی ہے"

اردو' فارسی اور عربی کی تاریخ میں "دانستاً" کا لفظ پہلی دفعہ لکھا گیا ہے' جس کے لئے جدت پسند ایڈیٹر صاحب مستحق مبارکباد ہیں۔ خدا جانے "دانستہ" لکھنے میں آپ کا کیا بگڑتا تھا۔ غالباً عربی دانی کا اظہار مقصود ہو گا لیکن ظاہر ہے کہ یہ مقصود حاصل نہیں ہوا۔ فارسی لفظ کے آخر میں تنوین کیا معنی اور پھر ظالم نے "دانستہ" بھی تو نہیں لکھا کہ لفظ کی اصل صورت تو رہ جاتی۔ اس کے علاوہ یہ فقرہ کس قدر عجیب ہے کہ "حکومت پولیس کی سختیوں سے آنکھیں بند کر رہی ہے"۔ اس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ پولیس حکومت پر ظلم کر رہی ہے لیکن ایڈیٹر صاحب کا یہ مطلب نہیں بلکہ یہ ہے کہ "حکومت پولیس کی سختیوں (کی طرف سے) آنکھیں بند کئے ہوئے ہے۔" کاش ایڈیٹر صاحب اخبار نویسی شروع کرنے سے پہلے اردو سیکھ لیتے۔

"ملاپ" مورخہ ۳۱ جنوری میں ایک نوٹ شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے "ہندوستان میں پرانے وائسرائوں کی آمد"۔ اس نوٹ میں لکھا ہے کہ :۔

ادھر لارڈ ہارڈنگ ہندوستان کا دورہ کر رہے ہیں اور ریاستوں کی ضیافتیں اڑا رہے ہیں اور ادھر لارڈ ڈفرن سابق وائسرائے ہند جو کہ لارڈ رپن کے بعد ہندوستان

Marfat.com

کی زمام حکومت سنبھال چکے ہیں' دربار گوالیار کے مہمان بنے ہوئے ہیں۔
اس سے پیشتر "پرتاپ" نے نانا صاحب کو "نانا فرنویس" بنا کر اپنی تاریخ دانی کا ثبوت دیا تھا' آج ہمارے دوست "ملاپ" صاحب کی مورخانہ قابلیت منظر عام پر آرہی ہے۔ اے مہاراج وہ لارڈ ڈفرن جو ہندوستان کا گورنر جنرل تھا آج سے اکتالیس سال پہلے ۱۸۸۹ء میں ساٹھ سال کی عمر پا کر یسوع مسیح کی گود میں پہنچ چکا لیکن آپ اس کو وہاں سے بھی گھسیٹ لائے اور اگر بفرض محال زندہ بھی ہو تو اسے کیا مصیبت پڑی تھی کہ ایک سو ایک سال کی عمر میں آج ہندوستان کی ریاستوں کے چکر کاٹتا پھرے۔
یہ ڈفرن صاحب غالباً لارڈ ڈفرن آں جہانی کے کوئی عزیز ہوں گے ممکن ہے صاحب زادے ہی ہوں لیکن ہمیں تو یاد پڑتا ہے کہ ڈفرن وائس رائے کا ایک لڑکا پچھلے سال کسی ہوائی حادثے میں مرچکا ہے۔ شاید دوسرے صاحب زادے ہوں۔ بہر کیف یہ لارڈ ڈفرن سابق وائس رائے تو یقیناً نہیں ہیں۔
اگر ہم غلطی پر ہوں تو امید ہے کہ مدیر "ملاپ" بدلائل ہماری اس غلطی کی اصلاح فرما دیں گے ورنہ اپنی غلطی کا اعتراف کریں گے۔

انقلاب۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۲۰۴۔ پنج شنبہ۔ ۱۲ فروری ۱۹۳۱ء

(۲۴)

لاہور سے ایک اخبار "کیسری" شائع ہوتا ہے۔ یہ وہی "کسیری" ہے جسے کبھی ہم "افکار" میں "شریمتی کیسری" لکھا کرتے تھے۔ اس اخبار میں پنڈت موتی لال نہرو کی تاریخ وفات کا قطعہ شائع ہوا ہے' جس کا عنوان یہ ہے :۔
"قطع تاریخ وفات پنڈت موتی لال جی نہرو"
شاعر صاحب کو جو اپنے آپ کو "عارف راز" لکھتے ہیں "قطع اور "قطعہ" میں بھی تمیز نہیں۔ اس "قطع و برید تاریخ" میں بعض اشعار تو صاف ہیں لیکن ایک دو شعروں میں عروض اور زبان کی وہ مٹی پلید کی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ ان ہندو اخباروں کے شاعروں کا کیا علاج کیا جائے۔ ابھی ہمیں ایک "نانک ناز" صاحب (سے) ہی فرصت نہ ملی تھی کہ ایک "عارف راز" صاحب پیدا ہوگئے۔
آپ فرماتے ہیں کہ ۔
مسز نیڈو ہی نہیں حیراں ... مفتی بھی ظفر بھی کچلو بھی عالم بوس بھی ست پال بھی

Marfat.com

"مسز" اور "ظفر" کی س اور ف کو جس خوبی سے شاعر نے متحرک سے ساکن کیا ہے اس کی داد سخن سنجان دہلی و لکھنؤ بھی نہیں دے سکتے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

آنسوؤں کی اک جھڑی یوپی میں ہے اک سندھ میں
بمبے اور مدراس کے تو رو رہے ہیں بال بھی

بمبئے اور مدراس کے بال رو رہے ہیں یعنی سر کے بال یا کہیں اور کے؟ کبھی بالوں کو بھی رونا آسکتا ہے؟ باقی صوبجات ہند میں تو آنکھیں روتی ہیں لیکن بمبئے اور مدراس میں بال بھی روتے ہیں۔ شاعر نے خود ہی کہہ دیا ہے کہ یوپی اور سندھ میں تو آنسوؤں کی جھڑی لگی ہے لیکن بمبے اور مدراس میں بال بھی رو رہے ہیں۔ شاید پنجاب اور راجپوتانہ میں ناک اور کان بھی روتے ہوں گے۔ اگر "بال" سے مراد "بچے" ہیں تو یہ اردو سراسر غلط ہے۔ "عارف راز" صاحب کو چاہئے کہ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں سے ایک کو پسند فرمالیں۔ دونوں میں بیک وقت شعر نہیں کہا جاسکتا۔

ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

ہاتھ ملتے ہیں اگر اہل بہار اور سرحدی   بھر رہا ہے ڈسکیاں پنجاب اور بنگال بھی

اس شعر کے بعد آپ سارے ہندوستان کے صوبوں کے مشاغل ماتم کا اندازہ کرسکتے ہیں - (۱) یوپی اور سندھ میں آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔ یعنی آنکھیں رو رہی ہیں (۲) بمبے اور مدراس کے بال رو رہے ہیں (۳) اہل بہار اور سرحدی لوگوں کے ہاتھ رو رہے ہیں (۴) پنجاب اور بنگال ڈسکیاں بھر رہے ہیں

کیا سمجھے آپ؟ ڈسکیاں ھسکیاں بھلا آپ کیا جانیں۔ ان رازوں سے تو "عارف راز" ہی باخبر ہوسکتے ہیں۔ اگر آپ یہ پوچھیں کہ "ڈسکیاں" کس زبان کا لفظ ہے تو ہم گزارش کریں گے کہ یہ لفظ قید زبان سے پاک ہے۔ کیا لفظ کے لئے گریمر میں یہ شرط بھی کہیں لکھی ہے کہ وہ ضرور کسی نہ کسی زبان سے تعلق رکھتا ہو؟ ایسے الفاظ بھی ہوسکتے ہیں جو کسی زبان میں مروج نہ ہوں۔ انھی میں سے "ڈسکیاں" ہے۔ غالباً شاعر کی مراد "سسکیوں" یا "سبکیوں" سے ہے۔ اب آپ فرمائیں گے کہ کاش شاعر صاحب "ڈسکیوں" کی جگہ "سسکیاں" ہی لکھ دیتے لیکن آپ کو یہ معلوم نہیں کہ بڑے بڑے

Marfat.com

شاعر عام لوگوں کے مستعمل الفاظ کو پامال سمجھ کر نہیں باندھا کرتے۔ وہ اپنے الفاظ خود پیدا کیا کرتے ہیں۔ "ایجاد بندہ اگرچہ گندہ"

انقلاب۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۲۰۵۔ ۱۳ فروری ۱۹۳۰ء

(۲۵)

پچھلے دنوں مہاشے نانک چند ناز نے پنڈت موتی لال نہرو کے انتقال پر یہ شعر لکھا تھا۔

ہو عمر تری عمر خضر سے بھی زیادہ آباد تھا اس ملک کا ویرانہ تجھی سے

ہم نے اس پر اعتراض کیا کہ متوفی کے لئے عمر خضر کی دعا مانگنا بالکل لغو ہے۔ اس پر مہاشے جی نے گالیاں بکنی شروع کر دیں اور ہندو تہذیب کو زندہ کر کے دکھا دیا۔ اس کے علاوہ فرمایا کہ یہ شعر پنڈت جی کے انتقال سے پہلے لکھا گیا تھا حالانکہ دوسرے مصرع میں "تھا موجود ہے جو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ناز صاحب جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر یہ شعر پنڈت جی کے انتقال سے پہلے لکھا گیا تھا تو پھر اس کا کیا مطلب کہ ع

آباد تھا اس ملک کا ویرانہ تجھی سے

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اختلال حواس میں "پرتاپ" تنہا نہیں بلکہ "ٹربیون" جیسا ہوش مند اخبار بھی اس کے ساتھ شریک ہے۔ ملاحظہ ہو "ٹربیون" مورخہ ۱۵ فروری، صفحہ ۱۲ کالم ۳ کے آخر میں ایک مراسلہ نگار صاحب نے کانگرس کی مجلس عاملہ سے خاص استدعا کی ہے کہ وہ اس دعا کے لئے ایک خاص دن مقرر کرے کہ پنڈت موتی لال نہرو جلد سے جلد شفا یاب ہو جائیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نامہ نگار نے مہاتما گاندھی کی خدمت میں اسی مطلب کا ایک تار بھی روانہ کیا ہے۔ کیا ۱۵ فروری کا "ٹربیون" بھی پنڈت جی کے انتقال سے پہلے ہی چھپا ہوا رکھا تھا؟ دیکھیں اب "ٹربیون" کونسا بہانہ پیش کرتا ہے" سچ تو یہ ہے کہ۔

ایں خانہ تمام آفتاب است

انقلاب۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۲۰۷۔ سہ شنبہ۔ ۱۷ فروری ۱۹۳۱ء

(۲۶)

لالہ دینا ناتھ جی بدستور شعر و سخن کی مٹی پلید کرنے میں مصروف ہیں۔ کبھی کبھی حضرت وقار انبالوی اور لالہ منوہر سہائے انور کی مہربانی سے کوئی کوئی مصرع اچھا بھی

Marfat.com

نکل جاتا ہے لیکن علی العموم آپ کی شاعری میں وہی "پوری کچوری" کی بو آتی ہے "ملاپ" کی تازہ اشاعت میں آپ نے ملک فیروز خان نون کو اپنی بذلہ سنجی کا نشانہ بنایا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

کل کہا میں نے جناب نون سے راستی کا کس طرح ہو جائے خون
تم مقابل میرے آسکتے نہیں تم فقط ہو نون میں ہوں دال نون

"دال نون" سے مراد "دینا ناتھ" ہیں اور خدا کی قدرت دیکھئے کہ ان دو حرفوں میں ہندوؤں کی خوراک (یعنی دال اور نمک) کس خوبی سے بیان کی گئی ہے۔ ملک صاحب تو صرف "نون" ہیں اور نون کا خاصہ ہے کہ جس چیز میں ڈال دیجئے لذت پیدا کردے گا۔ ملاحت حسن مذاق کی جان ہے اور دال ہندوؤں کی بد اخلاقی پر دال ہے۔ اگر "دال نون" صاحب یعنی دینا ناتھ جی لفظ "جی" کا آخری حرف یعنی ی بھی شامل کر کے اپنے آپ کو "دال نون ے" (دنی) لکھا کریں تو زیادہ موزوں ہوگا۔۔۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۵ ۔ نمبر۲۶۱۔ پنج شنبہ۔ ۲۳ اپریل ۱۹۳۱ء

(۲۷)

یہ معمہ ہماری سمجھ میں اب تک نہیں آیا کہ مہاشے نانک چند ناز کی بعض نظموں میں تو زبان اور فنون شعر کے اعتبار سے کوئی خاص غلطی یا فروگزاشت نہیں ہوتی لیکن بعض اشعار میں ایسی ایسی لغزشیں نظر آجاتی ہیں کہ جن پر بچے بھی ہنستے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ناز صاحب اپنی بعض نظمیں کسی استاد کو دکھا لیتے ہیں لیکن بعض کو دکھانے کو موقع نہیں ملتا' ورنہ یہ عجیب تناقض کبھی نہ ہوتا۔

مثلاً " پرتاپ" مورخہ ۲۵ جون کے صفحہ اول پر ناز صاحب کی ایک نظم شائع ہوئی ہے جس کا پہلا شعر یوں ہے ؎

کل شام مجھے مل گئے راوی کے کنارے میرے کرم افشاں عطاء اللہ بخاری

دوسرے مصرع کو دو طریق سے پڑھ سکتے ہیں یا تو " افشاں " بالا علان نون پڑھا جائے

میرے کرم افشان عطاء اللہ بخاری

لیکن اس صورت میں " اللہ" محض " الہ" رہ جاتا ہے حالانکہ عروض میں اللہ بر وزن فعال ہے جب تک" اللہ" کا درمیانی الف پوری طرح کھینچ کر نہ پڑھا جائے اور اچھی طرح ظاہر نہ ہو باری تعالیٰ کا اسم ذات صحیح نہیں ہوتا۔

Marfat.com

"پڑ" کو تو بعض شعرا گرا بھی دیتے ہیں لیکن درمیانی الف کو کسی نے آج تک نہیں گرایا
دوسری صورت یہ ہے کہ "افشاں" بنون غنہ پڑھ جائے۔ اس حالت میں "اللہ" کا لفظ تو بالکل سلامت رہتا ہے لیکن "عطا" محض "عط" ہو کر رہ جاتا ہے۔ "غرض دو گونہ عذابست جان قاری را"۔ اس کے علاوہ "کرم افشاں" کی ترکیب بھی "ایجاد بندہ" ہی ہے۔ دوسرا (مصرع) ملاحظہ ہو۔

فرمانے لگے آج کل پکڑی ہے کیا روش

یہ مصرع صاف تقطیع سے باہر ہے اور "صنعت بے بحری" کی نہایت روشن مثال ہے کیونکہ عروض کی کسی بحر پر بھی پورا نہیں اترتا۔ "آج کل" کا لام بالکل زائد ہے۔

یہی ادبی بیہودگیاں ہیں جن سے متاثر ہوکر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے پچھلے دنوں ایک جلسہ عام میں کہا تھا کہ "پرتاپ" کی نظم و نثر پڑھنے سے مجھے قے ہو جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس نظم کے بعد ناز صاحب کا "راوی کے کنارے" شاہ صاحب سے ملنا خطرے سے خالی نہیں کیونکہ وہ جوشیلے آدمی ہیں۔ کہیں جھنجلا کر دھکا دے دیں تو ناز صاحب لڑھکتے ہوئے راوی کی تہ میں پہنچ جائیں، جہاں "نہرو رپورٹ" پہنچ چکی ہے۔

انقلاب۔ جلد ۶۔ نمبر ۳۳۔ شنبہ۔ ۲۷ جون ۱۹۳۱ء

(۲۸)

ہندو اخباروں کا معیار نظم روز بروز بہتر ہوتا چلا جارہا تھا اور مہاشے ناز کی ہولناک غلطیاں بھی کم ہورہی تھیں لیکن شاید خدا کو منظور ہی نہیں کہ ہندو اخباروں کو بھی مذاق سلیم اور حسن ذوق نصیب ہو جائے، چنانچہ اردو زبان اور اردو شعر کو برباد کرنے کے لئے لالہ دینا ناتھ جی پیدا ہو گئے۔ ناز تو نو عمر تھے، ناتجربہ کار تھے، ان سے تو غلطیوں کا صدور ممکن تھا لیکن ایک ساٹھ برس کا بڈھا اور گھسا ہوا اخبار نویس جب ادبیات پر صریح ظلم کرنے لگے تو بے اختیار رونے کو جی چاہتا ہے اور لطف یہ ہے کہ "پرتاب اور "ملاپ" میں آپ کے کلام لغویت نظام پر عنوان لکھا جاتا ہے۔ "لطافت نگاریاں" حالانکہ اشعار انتہائی کثافت کا نمونہ ہوتے ہیں۔

Marfat.com

لالہ دینا ناتھ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ' ان سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس شخص نے زبان اردو ' لطافت شعر ' فن عروض ' غرض سب کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار کو پڑھئے اور سوچئے کہ ان میں مطالب کے اعتبار سے ' زبان کے لحاظ سے، عروض کی نظر سے ' لطافت شعر کے پہلو سے کونسی خوبی ہے کہ اخباروں کے جاہل ایڈیٹر انھیں بڑی شان سے درج کر دیتے ہیں۔

بھگت سنگھ کے مصنف تھے جو تنپال لکھا اخبار نے پولیس نے پکڑے
اڑاتے ہیں یہ بے پر کی بھی اخبار بھگت سنگھ کے مصنف کشن سنگھ تھے

الفت رنبیر مجھ کو بورسٹل کے جیل میں کل لے گئی
میں نے جو کاٹے تھے دن اس جیل میں سب یاد آ گئے

میرے پانی مانگنے پر شوخی سے مہترا مین چند کہہ اٹھے
آب و دانہ کھینچ پھر لایا ہے دینا ناتھ کو زندان میں

کہا وفا نے میرے لئے اشعار کبھی تو لکھا کریں
میں نے کہا لپٹن صاحب کی چائے کا ڈبہ بھیجا کریں

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ افسوس تعزیرات ہندان ادبی جرائم کی تعزیر سے بالکل عاجز ہے ورنہ ایسے اشعار کی سزا پھانسی سے کم نہ ہوتی۔

انقلاب۔ جلد ۶ ۔ نمبر ۳۴۔ یک شنبہ۔ ۲۸ جون ۱۹۳۱ء۔ سنڈے ایڈیشن

Marfat.com

قاضی بدر الحسن جلالی مدیر اخبار "مدینہ" سے معرکہ آرائی

(۱)

اگرچہ ہم زبان اور فن شعر میں کسی مرکزیت یا مقامیت کے قائل نہیں ہیں لیکن اگر دہلی اور لکھنؤ والوں کو اپنی زبان پر غرہ ہو تو ایک حد تک بجا بھی ہے کیونکہ یہ دونوں شہران سلطنتوں کے مرکز رہ چکے ہیں جن کی برکت سے زبان اردو کو یہ لطافت نصیب ہوئی لیکن جب روہیل کھنڈ کا کوئی برخود غلط اخبار نویس زبان دانی اور مہارت فن سخن میں دون کی لینے لگتا ہے تو اس دہقانیت پر جی جل جاتا ہے۔ بجنور کے اخبار "مدینہ" کا مراد آبادی ایڈیٹر اپنے اخبار کی اشاعت مورخہ ۲۱ اگست میں پنجاب کے شعرا و ادبا کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا ہے اور ان کی تمام خدمات کا صلہ ان جاہلانہ فقرات میں دیتا ہے کہ :۔

"سرزمین پنجاب کے چوٹی کے شعرا کے کلام میں محاوروں کا غلط استعمال، تعقید کی بھرمار، بے معنی اور ناآشنا تراکیب کی کثرت، تذکیر و تانیث کے اندر امتیاز واجبی کا فقدان، الفاظ کی غیر صحیح ٹھونس ٹھانس ایک وبائے عام ہو چکی ہے۔ ہم نے تو غریب اردو کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ دیکھیے ان نادان خدمت گزاروں کی بھولی بھالی محبت اصلی صورت بھی قائم رکھتی ہے یا نہیں"

حالانکہ ارباب ذوق میں یہ حقیقت مسلم ہو چکی ہے کہ ہندوستان بھر کے اردو جرائد میں ایک اخبار "مدینہ" کا ایڈیٹر ہی ایسا ہے، جسے زبان، محاورہ، فن شعر، استعداد انشا سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ اس کی نثر نہایت ژولیدہ، نظم سرتاپا غلط، تراکیب علی العموم جاہلانہ اور انداز بیان پرلے درجے کا مہمل ہے۔ انشاء اللہ کسی آئندہ پرچے میں ہم اپنے اس دعوے کے بے شمار ثبوت پیش کریں گے اور قارئین "افکار کو بتائیں گے" کہ کیسے کیسے کور سواد لوگ یو۔ پی میں اخباروں کے ایڈیٹر بنا دیئے جاتے ہیں۔

اس شخص نے سالک کی اس نظم کے خلاف جو ۱۴ اگست کے "سنڈے ایڈیشن" [۱] کے صفحہ اول پر درج ہوئی تھی، بعض اعتراضات کیے ہیں۔ ذرا ان اعتراضات کی حیثیت دیکھیے اور معترض کی استعداد ادبی کا خود ہی اندازہ کر لیجیے۔

پہلا اعتراض اس مصرع پر ہے۔

Marfat.com

جس میں نبیؐ کا بول ہو بالا وہ کام کر

فرماتے ہیں۔ بول بالا ہونا محاورہ ہے ' اس کے اندر فعل درمیان میں ٹھونس کر "بول ہو بالا" کر دیا گیا۔ اس کے بعد ایک " قاعدہ کلیہ" بیان کیا ہے کہ " محاوروں میں تعقید چاہے کیسی ہی خفی ہو ' جائز نہیں"۔

خدا جانے قاضی بدر جلالی صاحب کو یہ کس بھکوے نے بتا دیا کہ محاوروں میں تعقید خفی بھی جائز نہیں ' حالانکہ محاوروں میں تعقید کا ثبوت دینے کے لئے اساتذہ کے کلام سے ایک دو نہیں ' دس بیس نہیں ہزار ہا مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ مثلاً

محاورے کی اصلی صورت	شعر میں تعقید کی سند	
۱۔۔ آنکھوں میں پھرنا	اکس کی نظریں پھری ہیں آنکھوں میں دم بدم ہے مری نظر در پیش	میر تقی میر
۲۔۔ پاؤں پڑنا	۲ کھودے وہ میری قبر اگر کوئے یار میں تابوت سے نکل کے پڑوں گور کن کے پاؤں	بحر
۳۔۔ ناک میں دم آ جانا	۳ آ گیا حضرت ناصح سے مرا ناک میں دم روز آتے ہیں نئی طرح کا جھگڑا لے کر	داغ
۴۔۔ ناک میں دم آ جانا	۴ اے فلک ہاتھوں سے غم کے نام میں آیا ہے دم کوئی دم تو مجھکو فرصت اس غم فرقت میں دے	معروف
۵۔۔ آنکھ اٹک جانا	۵ یاروں کو ہم دکھائیں گے بے طاقتی کا رنگ اپنی بھی آنکھ گر کسی گل سے اٹک گئی	مصحفی
۶۔۔ کمر باندھنا	۶ نالہ سینے سے کرے عزم سفر آخر شب راہ رو باندھے ہے چلنے پہ کمر آخر شب	۱۰۰۳
۷۔۔ کمر باندھنا	۷ کمر کو جبکہ قاتل نے بہ قتل عاشقاں باندھا خم شمشیر سے پل بر سر خوں رواں باندھا	نعمہ

ایسے اشعار ایک دو ہوں تو لکھے جائیں ' دیوانوں کے دیوان بھرے پڑے ہیں۔ خدا معترض کو بصیرت دے تو وہ خود دیکھ لیں۔ ان کو چاہئے تھا کہ اعتراض کرنے سے پہلے یہ تحقیق کر لیتے کہ محاورہ کس کو کہتے ہیں۔ تعقید کس چڑیا کا نام ہے اور آیا

Marfat.com

اساتذہ نے محاورے میں تعقید کو روا رکھا ہے یا نہیں۔

مندرجہ بالا اشعار بھی ہم نے محض یوپی والوں کی تسلی کے لئے لکھے ہیں ' ورنہ ہمارے لئے تو اردو زبان کے مایہ ناز سخنور علامہ اقبال کا یہ مصرع سند سے بھی زیادہ حیثیت رکھتا ہے کہ۔

بول اس نام کا ہر قوم میں بالا کر دے

سالک کا مصرع تھا۔

پھر باغ مصطفےؐ میں نیا گل کوئی کھلا

اس پر مرا آباد کا یہ اجہل الناس لکھتا ہے کہ "باغ مصطفےؐ پر رحم کرو ' کوئی نیا گل نہ کھلاؤ ورنہ کوئی آل رسولؐ ازالہ حیثیت عرفی کا استغاثہ کر دے گا" ۔ ادبی اعتراض کا یہ انداز ہمارے نزدیک نہایت لغو ہے جس میں معترض کا عندیہ معلوم کرنے ہی میں خلجان ہو۔ غالباً اس سے معترض کی مراد یہ ہے کہ "گل کھلانا" ہمیشہ برے معنوں میں استعمال ہوتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ کاش مدیر "مدینہ" فرہنگ آصفیہ ہی کھول کے دیکھ لیتے ' جس میں "گل کھلانا" کے معنی یوں لکھے ہیں :۔

کوئی عجیب و غریب کام کرنا۔ طرفہ تماشا دکھانا۔ انوکھی بات کا ظاہر کرنا۔ اچنبھے کی بات دکھانا۔ نئی بات پیدا کرنا۔ نئی چیز پیدا کرنا۔ نیرنگی دکھانا۔

ان معانی سے صاف ظاہر ہے کہ یہ محاورہ اچھے اور برے دونوں معنوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جب مصحفی نے یہ شعر لکھا تھا کہ۔

آکر ہماری خاک پہ اس نے چڑھائے گل ۔۔۔ آخر کو جذب عشق نے یاں بھی کھلائے گل

تو اس نے "گل کھلانے" کا محاورہ ہرگز برے معنوں میں استعمال نہ کیا تھا۔

دو تین اور اعتراض بھی ہیں جن کے جواب کے لئے کل کے پرچے کا انتظار کیجئے۔

انقلاب۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۴۵۔ شنبہ۔ ۲۷ اگست ۱۹۲۷ء

(۲)

اخبار "مدینہ" کے بے خبر ایڈیٹر نے سالک کے اس مقطع پر بھی اعتراض کیا ہے ۔

سالک کمر حمایت ملت یہ باندھ لے ۔۔۔ تو بھی لہو لگا کے شہیدوں میں نام کر

Marfat.com

پہلے مصرع کے متعلق آپ فرماتے ہیں:۔

"کمر باندھنا' کمر کسنا محاورہ ہے لیکن تعقید مطول ملاحظہ فرمایئے کہ "کمر" پہلی منزل پر ہے تو "باندھ لے" آخری منزل مصرع پر"[۱۹]

عناد اور تعصب کا برا ہو جس نے قاضی بدر جلالی کو علی گڑھ کا گریجوایٹ ہونے کے باوجود اس قدر کور سواد اور بے مغز بنا رکھا ہے۔ ہم اشاعت گذشتہ میں اساتذہ کی اسناد سے ثابت کرچکے ہیں کہ محاورے میں تعقید جائز ہے۔ "کمر باندھنے" کے متعلق سودا اور نصیر کے دو ایسے شعر درج کئے جاتے ہیں جن میں یہ محاورہ تعقید کے تحت باندھا گیا ہے لیکن شاید دو شعروں سے قاضی صاحب کی تسلی نہ ہو سکے' لہٰذا دو اور لیجئے۔

دل عاشق کو ان آنکھوں سے بچائے اللہ
قتل مسلم پہ ہیں باندھے ہوئے کفار کمر — امیر

یاں قصد عدم کا ہے واں قتل کا ساماں
دیکھیں تو سہی پہلے بندھے کس کی کمر آج — داغ

قاضی صاحب نے سالک کا عیب تو پکڑ لیا' اب مزا جب ہے کہ ان استادوں کا بھی پکڑیں۔ اس مقطع کا مطلب ارباب ذوق پر واضح ہے۔ شاعر کا مدعا یہ ہے کہ "تو بھی حمایت ملت پر آمادہ ہو جا' گو تجھ جیسے بے حقیقت مخص سے حمایت کا حق تو کیا ادا ہو گا لیکن لہو لگا کے شہیدوں میں نام پیدا کر لے۔ یعنی تھوڑی سی خدمت ملت میں شامل ہو جا"۔

لیکن جاہل معترض اس پر اعتراض کرتا ہے کہ "لہو لگا کے شہید بننے والوں کی ضرورت ملت عزیز کو نہیں" ۔ ضرورت اور عدم ضرورت کا سوال نہیں' سوال محاورے اور اس کے محل استعمال کا ہے جس پر قاضی صاحب خاموش ہیں' لہٰذا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

فارسی اضافت نے اردو کو جس قدر زینت دی ہے اور اظہار مطالب عالیہ کی جس قدر استعداد ہماری زبان میں پیدا کر دی ہے' اس سے کوئی خوش ذوق انکار نہیں کرسکتا۔ جس زمانے میں داغ و امیر جیسے غزل گو شعرا زبان اردو کے اس عظیم الشان انقلاب کا' جس کی بنا مرزا غالب رحمتہ اللہ علیہ نے رکھی تھی' رجعت پسندانہ مقابلہ

Marfat.com

کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے شاگردوں کو یہ سکھایا کہ اول تو ترکیب فارسی سے حتی الوسع اجتناب کرو لیکن اگر ایسی ہی ضرورت پیش آجائے تو دیکھنا دو اضافتوں سے زیادہ کبھی نہ لکھنا لیکن زمانے کی رفتار نے ثابت کر دیا کہ ان لوگوں کی نظر محدود تھی اور مرزا غالب ہی کا معیار ادبا و شعرائے اردو کے لئے ادبی اسوۂ حسنہ بننے کی قابلیت رکھتا تھا۔ چنانچہ داغ و امیر کے انتقال کے بعد اردو شاعروں نے جو رنگ اختیار کیا' اس میں تحدید اضافات کی قید اڑا دی گئی اور ان کا معاملہ ذوق سلیم پر چھوڑ دیا گیا۔

مدیر "مدینہ" کی تنگ نظری' پست خیالی اور کور ذوقی دیکھئے کہ وہ سالک کے ان مصرعوں پر اعتراض کر رہا ہے۔

۱۔ تقلید ہمت شہدائے کرام کر

۲۔ قربان خاک پائے رسول انام کر

اعتراض یہ ہے کہ "پہلے میں تین عدد اور دوسرے میں چار عدد اضافتوں سے مصرع بنائے گئے ہیں۔ جس کی زنجیر مسلسل کی جھنکار سے گوش کرو بیاں بھی کر ہو گیا ہو گا" (ہم) اس فقرے کے "ادبی محاسن" سے قطع نظر کرتے ہیں۔ ارباب ذوق سلیم خود ہی بار بار پڑھ کر مزے لیں۔

مرزا غالب کے کلام میں دو سے زیادہ اضافتوں کی مثالیں کثرت سے مل سکتی ہیں جن میں سے فی الحال صرف تین ملاحظہ ہوں۔

۱ کہوں کیا خوبی اوضاع ابنائے زماں غالب
بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بار ہا نیکی

۲ شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراغ
تکلیف پردہ داریٔ زخم جگر گئی

۳ میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرز تپاک اہل دنیا جل گیا

داغ و امیر کے کلام میں حسن ترکیب تلاش کرنا بے سود ہے۔ وہ دونوں اس لذت سے بے بہرہ ہیں اور ان کا دور اس بادۂ عجم سے بالکل خالی ہے' ان کو چھوڑ کر زمانہ حاضر کے سخن وروں کی طرف آیئے۔ اقبال کا کلام اس حسن سے لبریز ہے مثلاً

Marfat.com

۱۔ چشم غلط نگر کا یہ سارا قصور ہے
عالم ظہور جلوۂ ذوق شعور ہے

۲۔ اپنے حسن عالم آرا سے جو تو محرم نہیں
ہم شریک ذرۂ خاک در آدم نہیں

۳۔ ہے چمکنے میں مزا حسن کا زیور بن کر
زینت تاج سر بانوئے قیصر بن کر

۴۔ تڑپ بجلی سے پائی حور سے پاکیزگی پائی
حرارت لی نفس ہائے مسیح ابن مریم سے

۵۔ صورت خاک حرم یہ سرزمین بھی پاک ہے
آستان مسند آرائے شہِ لولاک ہے

دور حاضر کے اساتذہ متغزلین میں سے مولانا حسرت موہانی نے تراکیب فارسی کا ذوق صحیح پیدا کر کے زبان اردو کی جو شان دار خدمت انجام دی ہے، اس سے اگر مراد آباد، بجنور اور نجیب آباد کے بعض کور ذوق انکار کریں تو اس سے مولانا کی شان میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ "مدینہ" اخبار کا ایڈیٹر شاید اقبال کی سند کو نہ مانے، کیونکہ وہ "سوءِ اتفاق" سے مراد آباد کی بجائے سیالکوٹ میں پیدا ہوگئے تھے لیکن غالباً وہ حسرت کی سند کو رد کرنے کی جرات نہ کرے گا۔ مولانا حسرت فرماتے ہیں۔

۱۔ چلتا ہے زور دور ئے ارغواں ہنوز — جاری ہے فیض محفل پیر مغاں ہنوز
۲۔ اللہ رے میری درد پسندی کہ عیش جاں — وابستہ ہجوم ہائے عشق ہے
۳۔ اب تک تلاش منزل مقصد میں دل مرا — آوارۂ مراحل صحرائے عشق ہے
۴۔ کیا کام اسے طریقہ ارباب زہد سے — جو پیروئے شریعت غرائے عشق ہے
۵۔ خاطر مایوس میں نقش امید وصل یار — نور ہے صحرا میں گویا اک چراغ طور ہے

ہمیں امید ہے کہ اب قاضی بدر جلالی کی تسکین ہو گئی ہو گی اور وہ آئندہ سوچے سمجھے بغیر اپنی جہالت کا ثبوت دینے کے لئے مضطرب نہ ہوا کریں گے۔ قارئین "افکار" پر یہ امر واضح رہنا چاہیے کہ ہم نے یہ جتنی اسناد فراہم کی ہیں، ان کا مقصد محض یہ ہے کہ

Marfat.com

یو ۔ پی کے ایک "اہل زبان" کی تسلی ہو جائے ' ورنہ ہمارے نزدیک کسی استاد کی سند ذوق صحیح اور مذاق سلیم سے زیادہ معتبر نہیں اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن سے یو ۔ پی کے اکثر شعرا کا دامن خالی ہے ۔ الا ماشاء اللہ۔

ہمیں مدیر " مدینہ " کی اس ندامت پر رحم آتا ہے جو ہمارے جواب کے بعد اس پر طاری ہو گی ' بشرطیکہ غلطی پر نادم ہونا اس کا شعار ہو ' لیکن اس میں ہمارا کچھ قصور نہیں ' ابتدا اسی کی طرف سے ہوئی ہے۔ اس کا شیوہ ہے کہ ہم سے الجھنے میں ہمیشہ پہل کرتا ہے اور ہمیشہ منہ کی کھاتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مدیر " مدینہ " نے ادبی اعتراضات کے دوران میں ہم پر جو سوقیانہ فقرے کسے ہیں ' ان کا جواب ہم نہیں دے سکتے اور اس بارے میں اپنے عجز کے معترف ہیں۔

انقلاب۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۴۶۔ یک شنبہ ۔ ۲۸ اگست ۱۹۲۷ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۳)

محمد علی پٹواری (کوٹ بھائی فیروز پور) لکھتے ہیں کہ میں اخبار " مدینہ " کا بھی خریدار ہوں اور " انقلاب " بھی پڑھتا ہوں۔ ابھی پچھلے دنوں ان دونوں اخباروں کے درمیان جو مناقشہ ہوا ' وہ ناگوار ہے۔ اسلامی اخباروں کو آپس میں لڑنے سے اجتناب (کرنا) چاہئے۔[۲۱]

پٹواری صاحب کا یہ جذبہ اتحاد پرستی قابل داد ہے لیکن ہم ان سے یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ مناقشہ کی ابتدا کس کی طرف سے ہوئی اور تلخ الفاظ کس نے پہلے استعمال کئے ؟ یاد رکھئے کہ " انقلاب " کسی سے لڑنے میں پہل نہیں کرتا اور اسلامی تعلیم کے مطابق ہمیشہ مدافعت پر عمل کرتا ہے۔ اگر آپ کو اتحاد منظور ہے تو پہلے قاضی صاحب کو سمجھایئے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ قاضی صاحب تو جوان کے جی میں آئے فرماتے چلے جائیں اور دوسرے ان کو کوئی جواب نہ دیں۔ آخر قاضی صاحب اخبار نویس ہیں ' شیریں لب معشوق تو نہیں کہ ان کی گالیاں کھا کے عشاق بے مزہ نہ ہوں۔ آپ اطمینان رکھئے ! اگر آئندہ قاضی صاحب نے کچھ نہ لکھا تو " انقلاب " کبھی ان کی مخالفت میں سبقت نہ کرے گا لیکن ہمیں یقین نہیں کہ قاضی صاحب خاموش رہیں۔

Marfat.com

یہ ایک ادبی مناقشہ تھا ورنہ ظاہر ہے کہ خدمت اسلام میں "انقلاب" اور "مدینہ" بالکل ہم آہنگ ہیں اور کفر کے مقابلے میں جہاں ایک کا پسینہ گرے گا، وہاں دوسرا خون بہانے کو موجود ہے۔ اگر قاضی صاحب ادبی اعتراضات کرتے وقت علمی متانت کو ملحوظ رکھتے تو ہمیں ان کی ذات کے متعلق ایک لفظ بھی لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اگر قاضی صاحب آئندہ ہی کے لئے عہد کرلیں کہ ادبی بحث میں ذاتیات پر نہ اتر آئیں گے تو انہیں معلوم ہوجائے گا کہ "انقلاب" علمی متانت میں کسی سے کم نہیں---

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۵۰۔ جمعہ۔ ۲ ستمبر ۱۹۲۷ء

(۴)

قاضی بدرالحسن جلالی مدیر "مدینہ" نے سالک کے اشعار پر جو اعتراضات کئے تھے، ان کے جوابات قارئین کی نظر سے گزر چکے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی قاضی صاحب کا اطمینان نہیں ہوا چنانچہ اب کے وہ خود تو گھبرا کر یا شرما کر پس پردہ تشریف لے گئے ہیں اور جناب حمید حسن صاحب نائب مدیر "مدینہ" نے ان کی حمایت میں قلم اٹھایا ہے اور پورا کالم اس شکوہ شکایت میں صرف کر دیا ہے کہ مدیر "افکار" نے قاضی صاحب کے خلاف بعض سخت الفاظ لکھ دیئے۔ اگر حمید حسن صاحب انصاف سے کام لیتے اور پہلے وہ مضمون پڑھ لیتے جس کے جواب میں مدیر "افکار" نے کچھ لکھا تھا تو وہ اس طرح یکطرفہ فیصلہ نہ کرتے۔ اس کے علاوہ خود حمید حسن صاحب نے بھی کمی نہیں کی اور "پٹی ہوئی عورت" "مدیران پنجاب کی تہذیب و متانت" "تہذیب سوز طرے" "بازاری اور سوقیانہ" اور اسی قسم کے الفاظ لکھ کر اپنی سنجیدگی اور متانت کا ثبوت دیا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اساتذہ کی اسناد ملاحظہ فرمانے کے بعد حمید حسن صاحب، قاضی صاحب کے اعتراض کی غلطی کو تسلیم کر لیتے لیکن وہ کج بحثی پر آمادہ معلوم ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "فصاحت و بلاغت کے اصول میں تعقید ایک نقص ہے، عیب ہے، چاہے سالک صاحب ثبوت دیں یا اسناد پیش کریں"۔ یعنی کوئی چیز ارکان ادارہ "مدینہ" کو اس امر کا یقین نہیں دلا سکتی کہ تعقید لفظی شعر میں ناگزیر ہے۔ اب بتایئے، اس کا علاج ہمارے پاس کیا ہے؟ ہم حمید حسن صاحب کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ قاضی صاحب ہی کی کوئی مطبوعہ نظم پیش کر دیں اس کے

Marfat.com

زیادہ تر مصرعوں میں تعقید ثابت کر دیں گے۔

"محاورے میں تعقید" کا مسئلہ تو حمید حسن صاحب نہایت صفائی کے ساتھ پی گئے اور محض تعقید پر بحث شروع کر دی۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"تعقید کی کثرت زیادہ تر متقدمین میں ہے۔ اس کی وجہ اردوئے معلیٰ کی طفلی ہے ' جبکہ اس کی حالت زیر تعمیر اور محتاج اصلاح و تربیت تھی ۔ داغ مرحوم کی مثال کو چھوڑ کر تقریباً تمام امثلہ متقدمین کے دواوین سے منتخب کی گئی ہیں۔"

اس کے بعد داغ صاحب کے متعلق یہ لکھا ہے کہ وہ " تعقید لفظی استعمال کرتے تھے لیکن عجز کے ساتھ"۔

اس سے بھی صاف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ متقدمین و متاخرین میں سے کسی کی سند بھی ارکان ادارہ "مدینہ" کی تسکین کے لئے کافی نہیں۔ ہم حمید حسن صاحب سے یہ عرض کرتے ہیں کہ آپ اردو کے صدہا شعرا میں سے کسی ایک کو مستند مان لیجئے ' ہم اسی کے کلام سے تعقید کی بے شمار مثالیں آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ آخر کسی اصول پر تو آیئے ' ہٹ دھرمی اور کج بحثی کا کیا فائدہ ہے ؟ یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ آپ " اردو زبان کی طفلی" کو معقید کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں ' حالانکہ زبان جوانی اور پیری تک پہنچ کر بھی اس ناگزیر ضرورت شعری سے نجات حاصل نہیں کر سکتی۔ عربی ' فارسی اور انگریزی بہت پختہ اور کہنہ زبانیں ہیں ' ان کے جدید ترین شعرا بھی تعقید سے بری نہیں ہیں اور کس طرح ہو سکتے ہیں ؟ جب تک قافیہ ' ردیف اور بحر کی پابندیاں موجود ہیں ' یہ لازمی بات ہے کہ شاعر لفظوں کی تقدیم و تاخیر پر مجبور ہو۔ آپ بعض مشہور اساتذہ کے کلام سے چند ایسے اشعار تو پیش کر سکتے ہیں جن میں تعقید نہ ہو لیکن ایسے اشعار کی تعداد کو شاعر کے سارے کلام سے ایک فیصدی کی نسبت بھی نہ ہوگی۔

ہمیں افسوس ہے کہ ہم اس قدر طفلانہ اعتراض کا جواب دینے پر مجبور ہو رہے ہیں ---

انقلاب۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۵۳۔ سہ شنبہ۔ ۶ ستمبر ۱۹۲۷ء

(۵)

اخبار "مدینہ" کے اعتراضات کے جواب میں ہم نے جو محکم دلائل پیش کئے

Marfat.com

تھے ' ان کا رد نہ قاضی صاحب سے ہوسکا ' نہ ان کے حمید حسن صاحب سے۔ اب تو آخر الذکر صاحب جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ محض "جھان پلزم" ہے۔ ہم نے لکھا تھا کہ محاورہ میں تعقید ناگزیر ہے اور اس دعوے کے ثبوت میں اساتذہ کی اسناد پیش کی تھیں لیکن حمید حسن صاحب متقدمین و متاخرین میں سے کسی کے کلام کو قابل سند نہیں مانتے۔ اب اس "میں نہ مانوں" کا کیا علاج ہے؟ "نیا گل کھلانے" اور "لہو لگا کے شہیدوں میں نام کرنے" کے متعلق اعتراضات کا ہم جواب دے چکے ہیں لیکن حمید حسن صاحب بلا دلیل پھر انہی اعتراضات کا اعادہ فرما رہے ہیں۔ یہ جہالت اور کج بحثی نہیں تو اور کیا ہے؟

اضافتوں کے مسئلہ کے متعلق بھی حمید حسن صاحب نے "اپنے حضرت اور قاضی اور مدظلہ" صاحب کے اعتراض کو درست ثابت نہیں کیا بلکہ آئیں بائیں شائیں کررہے ہیں۔ ہم نے مولانا حسرت کے جو اشعار سند میں پیش کئے تھے ' ان کے متعلق یہ "نائب مدیر صاحب" لکھتے ہیں کہ "مولانا کا ابتدائی کلام ہے"۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس کج بحثی اور فرومائیگی کا کیا جواب دیں؟ خدا جانے لوگوں کو اپنی غلطی تسلیم کرنے میں اس قدر متعصبانہ تامل کیوں ہوتا ہے؟

حمید حسن صاحب لکھتے ہیں کہ "میاں سالک سلمہ ' خود منظر عام پر آئیں ' پردے میں رہ کر جواب نہ دیں" ہم متعجب ہیں کہ حمید حسن صاحب نے ہم پر پردے میں رہنے کا الزام کیونکر عاید کیا؟ ساری دنیا جانتی ہے کہ سالک ہی کے اشعار پر اعتراض کئے گئے اور "افکار و حوادث" کا مدیر بھی سالک ہی ہے ' اس پر پردہ ہی کونسا ہے۔ "پردہ داری" کا الزام تو بدر جلالی صاحب پر ہے جو پہلے ہی وار میں منہ کی کھانے کے بعد جھٹ حمید حسن صاحب کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانے لگے اور خود گھونگھٹ نکال کے الگ ہو گئے۔

حمید حسن صاحب نے ہمیں "میاں سالک سلمہ" لکھا ہے۔ گویا ہمیں چھوٹا سمجھ کر بزرگانہ شفقت فرمائی ہے ' حالانکہ ہماری عمر بدر الحسن اور حمید حسن دونوں سے زیادہ نہیں تو برابر یقیناً واقع ہوئی ہے۔ اگر ان صاحب کی عمر فہمی کا یہی حال رہا تو کچھ عجب نہیں کہ کل کو یہ اپنے بزرگوں کو بھی "برخوردار نور چشم سلمہ" لکھنے لگیں گے

Marfat.com

چونکہ اعتراضات کے جوابات دئے جاچکے ہیں اور ارباب فن کا اطمینان ہوچکا ہے، اس لئے آئندہ حمید حسن صاحب یا بدر الحسن صاحب کی "بال ہٹ" کا جواب نہیں دیا جائے گا۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۵۷۔ سہ شنبہ۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۲۷ء

(۶)

پچھلے دنوں مدیر "افکار" اور قاضی بدر الحسن جلالی مدیر "مدینہ" کے درمیان جو ادبی بحث ہوئی اس پر معزز معاصرین "الخلیل" (میرٹھ) اور "نئی دنیا" (کلکتہ) نے جس طرح قاضی صاحب کو آڑے ہاتھوں لیا ہے اور جس طریقے سے ان کی ادب شناسی کی قلعی کھولی ہے، اس کو قاضی صاحب کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔

"الخلیل" نے اس سلسلے میں قاضی صاحب کی توجہ اس لطیفے کی طرف مبذول کرائی ہے۔ ایک قاضی صاحب نے کسی کتاب میں پڑھا کہ چھوٹا سر اور لمبی داڑھی حماقت کی نشانیاں ہیں۔ غور کیا تو اپنے آپ میں یہ دونوں صفتیں نظر آئیں۔ چھوٹا سر تو بڑا نہ ہوسکتا تھا، البتہ داڑھی کی تخفیف و تقلیل اپنے بس کی بات تھی، چنانچہ آپ نے بقدر "یک مشت" داڑھی ہاتھ میں لے کر اس کا بقیہ شمع کی لو پر رکھ دیا۔ جب بقیہ جل گیا تو آگ کی گرمی سے بے تاب ہوکر قاضی صاحب نے داڑھی ہاتھ سے چھوڑ دی اور ساری کی ساری ہی جلالی۔

"الخلیل" نے قاضی بدر کو یہ مشورہ دیا ہے کہ آپ ایسے قاضی بننے کی کوشش نہ کیجئے۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۶۵۔ پنج شنبہ۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۷ء

(۷)

فکاہات

مدیر "مدینہ" کی ادبیت

معزز معاصر نئی دنیا (کلکتہ) میں جناب کولمبس کے قلم سے یہ پرلطف مقالہ شائع ہوا ہے۔ کچھ عرصے سے اخبار مدینہ، بجنور اور جریدہ انقلاب میں ایک ادبی بحث چھڑی ہوئی ہے۔ اس ادبی بحث کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ جناب سالک مدیر انقلاب

Marfat.com

کی ایک قومی نظم پر جناب بدر جلالی مدیر مدینہ نے اعتراض کیئے۔ سالک صاحب نے جواب دیا اور سند میں اساتذہ کے چند اشعار پیش کیئے۔ مدیر مدینہ نے جناب سالک کے اس مصرع "جس میں نبی کا بول ہو بالا وہ کام کر" کو علی الخصوص تیر اعتراض کا ہدف قرار دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اس مصرع میں تعقید ہے اور چونکہ "بول بالا ہونا" محاورہ ہے' اس لئے محاورہ میں تعقید خواہ کیسی ہی خفی ہو جائز نہیں۔

اگر یہ اعتراض محض سالک کی ذات تک محدود ہوتا تو اور بات تھی لیکن جناب قاضی صاحب نے تمام شعرائے پنجاب کو فن سخن سے ناآشنا قرار دیا بلکہ علامہ اقبال پر بھی دبی زبان سے اعتراض کردیا اور جب سالک صاحب نے مدیر مدینہ کے اعتراض کا جواب دیا تو قاضی صاحب کی بجائے حمید حسن صاحب کے نام سے جواب الجواب شائع ہوا۔ یہ جواب نہایت دلچسپ ہے۔ مثلاً سالک صاحب نے اساتذۂ ماسبق کے اشعار سے استناد کیا تھا' اسے حمید حسن صاحب نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "ہونہ اس زمانے میں اردو ابتدائی حالت میں تھی" حسرت موہانی کے کلام سے سند پیش کی گئی' اس پر حاضر جواب نقاد نے یہ کہہ دیا۔ "لیکن یہ ان کی صغر سنی کا کلام ہے"۔ اب رہ گئے فصیح الملک مرزا داغ ان کا ذکر ہی نہیں کیا' حالانکہ اگر حمید حسن صاحب جواب دینا چاہتے تو باسانی یہ کہہ سکتے تھے کہ یہ مرزا داغ کی ضعیف العمری کا کلام ہے جبکہ ان کے قویٰ میں انحطاط و زوال رونما ہوچکا تھا' اس کا کیا اعتبار۔

تعجب ہے کہ سالک صاحب بھی کن لوگوں سے الجھ پڑے جنہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ تعقید کس جانور کا نام ہے اور جو اساتذہ ماسبق کے کلام کو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ "اس زمانے میں اردو کی ابتدائی حالت تھی"۔ یہ کہنے سے غالباً یہ مقصود تھا کہ اب اردو ادب کی دنیا میں حضرت مولانا قاضی بدر جلالی کا سکہ چلتا ہے اور اساتذہ ماسبق کی زبان اور محاورات ٹکسال باہر ہوچکے ہیں۔

بت کریں آرزو خدائی کی　　　شان ہے تیری کبریائی کی

قاضی صاحب کے اعتراضات کے جواب میں جناب سالک محکم دلائل پیش کرچکے ہیں' اس لئے آج ہم قاضی صاحب کی "بدحواسی" کے ثبوت اخبار مدینہ سے "ادبی حماقت" کی چند دل چسپ مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

پہلے حصہ نظم ملاحظہ فرمایئے۔ پہلے صفحے پر جناب مقصود صاحب" کی ایک غزل

Marfat.com

نظر آتی ہے۔ جس کا ہر شعر ادبی فرومائیگی اور پستی میں اپنی نظیر آپ ہے۔ مطلع سنئے ۔

تجھے جب محتسب مطلب نہیں پینے پلانے سے
تو پھر کیا فائدہ ہے مے پرستوں کے ستانے سے

یہ پھس پھسا پن اخبار مدینہ کا طغرائے امتیاز ہے۔ آج تک مدینہ اپنے ادعائے سخن گستری کے باوجود سوقیانہ شاعری اور بیہودہ تغزل کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتا۔ دوسرا شعر ملاحظہ ہو جو اس سے کہیں زیادہ سوقیانہ ہے ۔

ادائیں ناز غمزے شوخیاں سب جان لیوا ہیں
تمہارے چاہنے والوں میں ہم بھی ہیں زمانے سے

اے سبحان اللہ ! کیا قاضی صاحب براہ کرم یہ بتانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے کہ ان دونوں مصرعوں میں کیا تعلق ہے اور کیا یہی وہ مفہوم سے بے نیاز اور مفہوم سے بیگانہ شاعری ہے جسے مدینہ نے اپنی کلاہ فخر کا آویزہ بنا رکھا ہے۔ دو شعر اور سنئے ۔

کہا ہم نے کہ مرتے ہیں تو فرمانے لگے ہنس کر
عمل جب تک نہ ہو کیا فائدہ باتیں بنانے سے

شب وصلت جو ہر ہر بات پر ایسے مچلتے ہیں
غرض یہ ہے کہ شب کٹ جائے حیلے سے بہانے سے

کیا خوب ! یہ زبان اور یہ محاورے شاہدان بازاری کی صحبت کے سوا اور کہاں حاصل ہو سکتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے ۔

بڑے ہی لطف سے بیدر میں اب اپنی گزرتی ہے
نہایت خوش ہیں ہم منظور احمد خاں کے آنے سے

کیوں نہ ہو ' بے چارے شاعر نے کسی سے سن لیا ہے کہ غزل جذبات نگاری کا دوسرا نام ہے ' اس لئے منظور احمد خان کی تشریف آوری پر جو جذبہ مسرت شاعر کے دل میں پیدا ہوا اس نے فوراً شعر کی صورت اختیار کرلی ' یا بہت ممکن ہے کہ شاعر صاحب اور منظور احمد خان میں وہی تعلقات ہوں جو مولانا سیماب اکبر آبادی اور

Marfat.com

جناب ساغر نظامی میں ہیں۔

یہ تو نظم کی کیفیت ہے' اب مقالہ افتتاحیہ کا پہلا جملہ ملاحظہ ہو:۔

" نائب السلطنت ہزاکسی لینسی وائس رائے کی بانگ سحر کے بعد گوش منتظر نغمہ امید سے لبریز ہوگیا۔ ظلمت شب کی چادر میں طبا شیری رخنہ پیدا اور عالم تابی وطن کے چاک گریباں میں آفتاب عالم تاب کی ہر امید کرنوں کا ذخیرہ نظر آنے لگا"۔

پہلے " نائب السلطنت " ملاحظہ ہو' پھر " وائس رائے " پر نظر ڈالئے۔ کیا یہ " شب لیلتہ القدر کی رات" اور " آب زم زم کا پانی" والی تراکیب کا تتبع نہیں ؟

خدا جانے یہ " بانگ سحر" کیا ہے ؟ پھر گوش منتظر میں نغمہ امید کا آشیاں ' مرزا جلال اسیر کے "گوش ہارا آشیان مرغ آتش خوارہ کرد" سے کہیں زیادہ پر لطف ہے "ظلمت شب کی چادر میں طبا شیری رخنہ لیجئے۔ "ایں گل دیگر شگفت"۔ معلوم ہوتا ہے کہ " ادبی کا بوس" کا نوجوان مریض ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہے۔ طباشیر صبح تو سنتے تھے لیکن طبا شیری رخنہ آج ہی سنا۔

یہ تو ژولیدہ بیانی اور تعقید معنوی کی ایک مثال تھی۔ اب ایک اور ادبی حماقت ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔ " اس لئے باجہ نوازی وغیرہ کے سوال کے ساتھ اس کا بھی فیصلہ ہو جائے"۔

بندہ نواز یہ باجہ نوازی کس سرکس کا جانور ہے۔ اگر یہ ترکیب درست ہے تو " گھنٹہ نوازی" " ڈھول نوازی" سنسنی خیزی" بلکہ " چھال پھیل" اور " جھنگہ انگشت" کیوں درست نہیں ؟

جب مولانا شاہ محمد علی مونگیری کے انتقال کے متعلق جناب مدیر نے ایک شذرہ لکھا ہے۔ اس شذرہ میں آپ فرماتے ہیں۔ " جب ان کی مسند کے دائمی الخلا پر ہر نظر جاتی ہے تو دل سینے میں ڈوب کر رہ جاتا ہے"۔

اجی قاضی صاحب ! یہ دائمی الخلا کی گنگا جمنی ترکیب حضور کا اجتہاد ہے یا اس کے لئے کتب " اینٹ الپرا وہ" اور " قلقلتہ البازغہ" میں آپ نے کوئی سند بھی دیکھ رکھی ہے۔

کیا یہی وہ انشا پردازی اور شاعری ہے جس کے بل بوتے پر علامہ اقبال جیسے بزرگ کے افادات عالیہ پر معترض ہوتے ہیں ؟ " ایاز قدر خود شناس"۔

Marfat.com

آپ اپنے مطلب کی الٹی سیدھی کہہ لیا کریں۔ ادب و شاعری سے آپ کو کیا واسطہ اور ذوق سخن سے کیا سروکار۔

دراں وادی کہ آں طاقت شکاراست ادب نا آشنا یاں راچہ کاراست

("نئی دنیا" ۔۔ مورخہ ۱۸ ستمبر)

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۶۵۔ پنج شنبہ۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۷ء

(۸)

یہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ تحریر کی سلاست' بیان کی روانی اور دلائل کی فراوانی کا دعویٰ تو اہل زبان کو ہے لیکن فی الحقیقت یہ محاسن زیادہ تر پنجابی اخبار نویسوں کی تحریروں میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اخبار "مدینہ" بجنور کے دو مدیر ہیں' قاضی بدر الحسن جلالی اور ملک نصر اللہ خان عزیز۔۔ اول الذکر مراد آباد کے رہنے والے ہیں اور عزیز صاحب پنجابی ہیں۔ آپ "مدینہ" کا کوئی پرچہ اٹھا کر دیکھئے' جس مقالہ میں آپ کو پیچیدگی' ژولیدگی' غرابت الفاظ اور افلاس دلائل نظر آئے' اس کے متعلق یقین کرلیجئے کہ مولانا قاضی بدر الحسن صاحب جلالی کا نتیجہ فکر ہے اور جس میں سلاست' صفائی' متانت اور رزانت پائی جائے وہ یقیناً ملک نصر اللہ خان کا لکھا ہوا ہوگا۔ یقین نہ ہو تو خط لکھ کر دریافت کر لیجئے۔

قاضی بدر الحسن صاحب کچھ مدت سے دورے پر گئے ہوئے تھے۔ "مدینہ" کی تازہ اشاعت سے معلوم ہوا کہ آپ واپس تشریف لے آئے ہیں اور آتے ہی اپنی معاودت کا ثبوت یوں دیا ہے کہ ہمارے ایک مصرع پر وہی پرانا فرسودہ اعتراض فرما دیا ہے کہ اس میں تعقید ہے۔ مصرع یہ ہے ع

ہمیں اس میں کبھی کرتے تھے شانہ

اس شعر کا دوسرا مصرع یہ تھا کہ "ہمیں سے اب ہے زلف یار برہم"۔ تعقید تو اس میں بھی تھی لیکن خدا جانے بدر صاحب نے اعتراض کے لئے پہلا ہی مصرع کیوں منتخب کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ ہم نے بدر صاحب کو سمجھانے اور اسناد پیش کرنے میں انتہائی کوشش کی تھی لیکن وہ نہ سمجھے کہ تعقید کس کو کہتے ہیں۔ اگر محض الفاظ کا مقدم' موخر ہونا ہی وہ تعقید ہے جسے اساتذہ عیب بتاتے ہیں تو دنیا میں ایک استاد بھی موجود نہیں جس کا اپنا کلام اس سے خالی ہو۔

Marfat.com

اگر آپ کے اعتراض کی بنا یہ ہے کہ "شانہ کرنا" محاورہ ہے اور آپ کے نزدیک محاورے میں تعقید ناجائز ہے۔ تو ہم بے شمار ایسی اسناد پیش کرچکے ہیں' جن سے محاورے میں تعقید ثابت ہوچکی ہے۔ پھر خدا معلوم آپ ہم سے اور کیا چاہتے ہیں ؟

اب ہم سختی سے کچھ لکھیں تو بعض لوگ اعتراض کریں گے کہ یہ کیسے اسلامی اخبار ہیں جو آپس میں لڑتے ہیں لیکن بدر صاحب کو کوئی نہ پوچھے گا کہ آپ کو یہ دوسرے تیسرے مہینے کیا تکلیف لاحق ہوجایا کرتی ہے کہ آپ ایک اعتراض کر کے بحث کی ابتدا کرنا چاہتے ہیں۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۷۱۔ پنج شنبہ۔ ۲۶' جنوری ۱۹۲۸ء

(۹)

سلطان ابن سعود کے والد محترم کے انتقال پر روہیل کھنڈی "مدینہ" کے مراد آبادی ایڈیٹر نے ایک نہایت سفیہانہ شذرہ لکھا' جس کا عنوان تھا "ابن سعود یتیم ہوگئے"۔ اس پر مولانا احمد حبیب ندوی پھلواروی نے "انقلاب" میں اظہار نفرت کیا اور ہر شخص جسے ذرا بھی شرافت اور نفاست ذوق حاصل ہے' کسی کی موت کا یوں مضحکہ اڑتے ہوئے دیکھ کر اظہار نفرت سے باز نہیں رہ سکتا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مدیر "مدینہ" اپنی اس کمینہ حرکت پر معذرت کرتے یا بدرجہ آخر خاموش ہی ہوجاتے لیکن وہ بدر جلالی ہی کیا جو غلطی پر نادم ہوجائے۔ آپ نے "مدینہ" کے تازہ پرچے میں مولانا احمد حبیب سے سوال کیا ہے کہ "اگر ابن سعود یتیم نہیں ہوگئے تو کیا صاحب امجاد ہوگئے ہیں؟"

یہ "صاحب امجاد" ہوجانے کی بھی ایک ہی کہی۔ خیر اس کو چھوڑیئے' مدیر "مدینہ" کو ان ادبی معاملات سے کیا سروکار۔ سب سے زیاہ پر لطف بات آپ نے یہ لکھی کہ "باقی رہا یہ خیال کہ یہ فقرہ طنزاً کسا گیا تھا تو پہلے اپنے ممدوحین مدیر ان "انقلاب" کا دامن دھو لیجئے' جنھوں نے ادارت "زمیندار" کے زمانے میں غالباً لارڈ ریڈنگ کی ماں کی وفات پر عنوان قائم کیا تھا۔ "لارڈ ریڈنگ کی ماں مرگئی"۔

ہمیں تو یاد نہیں کہ "زمیندار" میں کبھی کوئی ایسا عنوان لکھا گیا ہو اور مدیر "مدینہ" بھی "غالباً لارڈ ریڈنگ کی ماں" کے الفاظ سے ظاہر کررہے ہیں کہ خود انھیں بھی وہ عنوان صحیح طور پر یاد نہیں لیکن اگر "زمیندار" میں کوئی ایسا عنوان لکھا بھی گیا

Marfat.com

تھا تو ہم نہیں سمجھتے کہ "ماں مرگئی" کونسا طنز ہے ؟ یتیم کا لفظ ہمیشہ بچوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے' ایک پچاس سال کے بڈھے آدمی کے متعلق اس کا استعمال صریح طنز ہے اور اس کے بزرگ اور مجاہد باپ کے انتقال کا مضحکہ اڑانا ہے۔

اگر یتیم کا لفظ بلا قید عمر ہر اس شخص کے متعلق لکھا جاسکتا ہے جس کا باپ مر گیا ہو تو پھر جہاں قرآن مجید میں "ذوی القربی والیتامی والمساکین" کی امداد کا حکم آیا ہے' وہاں یتامی سے مرا بچے نہ ہوتے بلکہ جوان اور بوڑھے سبھی شامل ہوتے کیونکہ دنیا میں انسانوں کا بہت بڑا حصہ ایسا ہے جس کے باپ مرچکے ہیں اور شاید مدیر "مدینہ" بھی انہی یتامی میں شامل ہیں جن کی مدد انجمن حمایت اسلام نے اپنے ذمے نہیں لی۔

اللہ اللہ ! لارڈ ریڈنگ اور ان کی ماں سے قاضی بدر جلالی کو کس قدر وابستگی ہے کہ سال ہا سال تک "زمیندار" کا عنوان ان کے قلب فرنگی پرست میں کھٹکتا رہا اور اس صدمے کا انتقام آپ نے مدیران "انقلاب" سے اس طرح لیا کہ سلطان ابن سعود اور ان کے مرحوم باپ کا مضحکہ اڑایا اور یہ خیال نہ کیا کہ لارڈ ریڈنگ' لارڈ ریڈنگ ہے اور سلطان ابن سعود' سلطان ابن سعود ہیں۔ ھل یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنتہ۔اصحاب الجنتہ ھم الفائزون

انقلاب۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۱۸۔ پنج شنبہ۔ ۱۲ جولائی ۱۹۲۸ء

Marfat.com

تعلیقات و حواشی

۱۔ Moralize

۲۔ Centralize

۳۔ مراد لالہ نانک چند ناز ہیں جنھیں کسی مضمون کے پاداش میں عدالت میں حاضر ہونا پڑا تھا۔

۴۔ Patrol

۵۔ "افکار و حوادث" ۔ انقلاب۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۱۵۹۔ چہار شنبہ۔ ۱۱ جنوری ۱۹۲۸ء

۶۔ Municipal Prosecutor

۷۔ اخبار کے متن میں یہ الفاظ مٹ گئے تھے۔ قیاسی اضافہ از مرتب

۸۔ یہاں "سہ شنبہ" ہونا چاہئے تھا۔

۹۔ مراد خواجہ حسن نظامی اور مولانا ظفر علی خاں ہیں۔ اگلے مصرع میں مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر اور اورنگ زیب عالم گیر کی جانب اشارہ ہے۔ خواجہ حسن نظامی ان دنوں لاہور آئے تھے۔

۱۰۔ مراد سائمن کمیشن ہے جس کی ملک بھر میں مخالفت ہو رہی تھی۔

۱۱۔ لارڈ برکن ہیڈ برطانوی کابینہ میں وزیر ہند تھے۔

۱۲۔ جنرل نادر خاں افغانستان کی خانہ جنگی کے دور میں فرانس میں سفیر تھے۔ بچہ سقہ کے تخت افغانستان پر قبضے کے بعد اس فتنے سے نجات دلانے کے لئے آپ براستہ ہندوستان اپنے ملک گئے۔ فوج اکٹھی کی اور اپنے وطن کو بچہ سقہ اور اس کے غارت گر ساتھیوں سے نجات دلائی۔

۱۳۔ Accent

۱۴۔ Syllable

۱۵۔ سہو کتابت کی بنا پر یہ لفظ چھوٹ گیا تھا۔

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ سالک کی نظم کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ انقلاب۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۳۵۔ یک شنبہ۔ ۱۴ اگست ۱۹۲۷ء

Marfat.com

اعلائے کلمۃ الحق

اب تو بھی ذوالفقار علی بے نام کر

تبلیغ دین حق کا کوئی انتظام کر
جس میں نبیؐ کا بول ہو بالا وہ کام کر
پیدا ہوئے ہیں مرجب وعنتر نئے نئے
اب تو بھی ذوالفقار علی بے نیام کر
صوفی کی طرح راہب عزلت گزیں نہ بن
مردانہ وار فکر حصول مرام کر
پھر باغ مصطفیٰؐ میں نیا کوئی گل کھلا
پھر نکہت عمل سے معطرمشام کر
اب تک جو بادہ خلوت مینا میں تھا نہاں
آ' اس کو آج انجمن افروز جام کر
اسلام پر نثار برنگ حسین ہو
تقلید ہمت شہدائے کرام کر
جان و دل و زر و زن و فرزند و خان و مال
قربان خاک پائے رسولؐ انام کر
سالک کمر حمایت ملت پہ باندھ لے
تو بھی لہو لگا کے شہیدوں میں نام کر

۱۸۔ انقلاب میں سہو کتابت کی بنا پر "جدر بلالی" درج تھا۔

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ سہو کتابت کی بنا پر یہ لفظ چھوٹ گیا تھا۔ اضافہ از مرتب

۲۲۔ اس مضمون کے مصنف چراغ حسن حسرت تھے۔

Marfat.com

باب ششم

متفرق موضوعات

Marfat.com

Marfat.com

قادیانیت

(۱)

ہر سال ۱۱ نومبر کو دن کے گیارہ بجے جنگ عظیم کے متارکہ یادگار میں دو منٹ کی خاموشی پر عمل کیا جاتا ہے چنانچہ جہاں جہاں حکومت برطانیہ کے اقتدار کا جھنڈا لہراتا ہے' وہاں اس فرمان خاموشی پر بھی عمل کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے عام لوگوں کو تو معلوم بھی نہیں کہ متارکہ کا وقت کب آیا اور کب چلا گیا لیکن حضرات قادیان نے اس سال بھی حسب معمول یہ وفادارانہ رسم پوری فرمائی چنانچہ پچھلے سال کی طرح اس دفعہ بھی وقت مقررہ سے پیشتر قادیان کے عین درمیان ایک گھڑیال بجایا گیا تاکہ لوگ ادائے رسم کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ تمام احمدی مسجد میں جمع ہو گئے۔ جب وہ وقت آن پہنچا جو حضور جارج پنجم اور ان کے رفقا کے نزدیک قبول دعا کا بہترین وقت ہے تو قادیان کے سارے قصبے پر دو منٹ تک سکوت مزار طاری رہا اور حضرت امام نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا اٹھا کر ان "شہدائے" جنگ کی مغفرت کے لئے دل ہی دل میں دعا کی جو ترکوں کے سینوں میں گولیاں مارنے کے باوجود بھی "شہید" ہی کہلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے حکومت برطانیہ کی ترقی دولت و اقبال کے لئے بھی بڑے خشوع خضوع سے دعا مانگی۔

سچ یہ ہے کہ حکومت برطانیہ ایسے ہی "قدسی نفس" بزرگوں کی دعاؤں سے قائم ہے' ورنہ اب تک کبھی کا بتا پانچہ ہو چکا ہوتا۔

انقلاب۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۱۱۴۔ جمعہ۔ ۱۸ نومبر ۱۹۲۷ء

(۲)

قادیانی "مسیح موعود" کے خلیفہ ثانی کے خلاف آج کل بٹالہ میں زیر دفعہ ۱۰۷

Marfat.com

ضا بطہ فوج داری ایک مقدمہ چل رہا ہے۔ یعنی وجہ دریافت کی جارہی ہے کہ "کیوں تم سے ایک سال کے لئے حفظ امن اور نیک چلنی کی ضمانت نہ لی جائے ؟"

ہمیں اس مصیبت میں خلیفہ صاحب سے ہمدردی ہے۔ خدا انہیں اس سے نجات دلائے لیکن تعجب اس امر پر ہے کہ اس واقعہ ہائلہ کے متعلق قادیان کے اخباروں نے اب تک کوئی "پیشین گوئی" نکال کر شائع نہیں کی' حالانکہ وہ ہر ایسی "ابتلا" کے موقع پر کسی نہ کسی پیشین گوئی کا سراغ نکال ہی لیا کرتے ہیں۔ غالباً وہ اس مقدمے کے نتیجے کا انتظار کر رہے ہوں گے لیکن اگر کوئی ایسی پیشین گوئی موجود ہے تو انہیں چاہئے کہ آج ہی اسے شائع کردیں' بعد میں درج کرنے کی سند نہیں۔۔

انقلاب۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۱۲۷۔ شنبہ۔ ۳ دسمبر ۱۹۲۷ء

Marfat.com

متفرقات

(۱)

ہندوستان میں تمباکو کا استعمال جس حیرت انگیز سرعت سے پھیلا ہے' اس کی مثال غالباً موجود نہ ہوگی۔ آج سے تقریباً ڈھائی سو سال پیشتر سب سے پہلے شہنشاہ جہاں گیر کے دربار میں حقہ پیا گیا اور بعض مورخین کے نزدیک "حقے" کی ایجاد کا سہرا حکیم ابوالفتح کے سر ہے۔ حکیم صاحب نے تمباکو کی سمیت کو کم کرنے کی غرض سے یہ تجویز کی اس کا دھواں پانی میں سے گزر کر پینے والے کے منہ میں پہنچے تاکہ "نکوٹین" کا بہت بڑا حصہ پانی میں جذب ہو جائے اور صحت انسانی کو جلد اور زیادہ نقصان نہ پہنچا سکے۔ بہرحال حقہ اس قدر مقبول ہوا کہ دو ڈھائی سو سال ہی کی مدت میں ہندوستان کے دور دراز گوشوں تک جا پہنچا اور آج دیہات میں شہروں کی نسبت اس کا استعمال بہت زیادہ ہے۔

چونکہ حقہ شرفا کی سوسائٹی کا جزو لاینفک قرار پا چکا تھا' اس لئے شعرا نے بھی اپنے کلام میں اس کا ذکر کیا اور اس کے متعلق بہت سے مضمون باندھے مثلاً ۔

دم بدم لیتا ہے بوسے یہ لب جاناں کے — ہم سے دیکھا نہیں جاتا یہ ستم حقے کا

ایک اور صاحب نے اپنے ممدوح کے حقے کی شان میں فرمایا کہ ۔

حقہ جو ہے حضور معلیٰ کے ہاتھ میں — گویا کے کہکشاں ہے ثریا کے ہاتھ میں

ناسخ یہ سب بجا ہے و لیکن تو عرض کر — بے جان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ میں

ہر صوبے اور ہر قوم نے اپنے اپنے ذوق و میلان کے مطابق اس میں اختراعات کیں اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کی مختلف قسمیں کلی' گڑگڑی' پیچوان' فرشی' ناریل' چھوٹا کے ناموں سے موسوم ہو گئیں۔ صوبہ پنجاب چونکہ جسیم اور بلند قامت انسانوں کا وطن تھا لہٰذا پنجابیوں نے بڑے بڑے گراں ڈیل حقے تیار کئے۔ صوبجات متحدہ میں نفاست نمایاں تھی' اس لئے وہاں نازک نازک پیچوانوں' کلیوں اور فرشیوں کا رواج ہو گیا۔ ہندوؤں میں چونکہ "تنہا خوری" داخل مذہب ہے' لہٰذا انہوں نے اسے مختصر کر کے "ناریل" یا "نریلے" کی صورت دے دی۔ غرض حقے نے جیسا "دیس دیکھا ویسا بھیس" اختیار کیا۔

پچھلے دنوں ہمیں ایک عزیز دوست کی شادی کے سلسلے میں جالندھر جانے کا

Marfat.com

اتفاق ہوا۔ وہاں شادی کی محفل میں ایک نہایت غیر معمولی قدو قامت کا فرشی حقہ نظر پڑا' جس کے مختلف حصوں کی پیائش تخمیناً یوں تھی۔

حقے کی وہ نے جس پر چلم رکھی جاتی ہے' زمین سے پونے دو گز بلند تھی۔

حقے کی مہنال والی نے اوپر کی طرف اٹھا دی گئی تو اس کی بلندی قد آدم سے بھی ایک ہاتھ زیادہ تھی۔

فرش پر اس حقے کے رکھنے سے جو دائرہ سا بن گیا تھا' اس کا قطر ڈیڑھ فٹ کے قریب تھا۔ چلم اس قدر بڑی تھی کہ اگر مراد آباد کے بڑے سے بڑے فرشی حقے کا پیندا الگ کر کے اس حقے کو الٹا کر دیا جائے تو شاید اس چلم کی جسامت کا کسی قدر اندازہ ہو سکے۔

اس چلم میں بلا مبالغہ آدھ سیر تمباکو اور آدھ سیر کوئلوں کی آگ رکھی جا سکتی تھی اور اسے ایک شخص صبح سے لیکر شام تک متواتر پی سکتا تھا' دوبارہ چلم بھروانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

اس "توپ کی زد" کا حال سن لیجئے۔ اگر حقہ نوشوں کی ایک قطار اتنے بڑے دائرے میں بٹھا دی جائے' جس کا محیط پچیس گز کے قریب ہو اور محفل کے بیچوں بیچ وہ حقہ رکھ دیا جائے تو باری باری سے محفل کا ہر فرد باسانی اس کے ایک دو کش لگا سکتا ہے اور حقہ نوشوں کے اس مجمع عظیم کے باوجود بھی ایک دفعہ بھری ہوئی چلم دو گھنٹے کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

یہ حقہ جالندھر کے ایک بہت ہی بڑے راج پوت "حقہ نوش" نے انتہائی شوق سے بنوایا تھا چونکہ اس کی جسامت اور فوائد بہت غیر معمولی ہیں' لہذا شادی بیاہ کی محفلوں میں لوگ یہ حقہ عارتیاً لے آتے ہیں تاکہ محفل میں رونق بھی معلوم ہو اور بار بار چلم بھروانے کی زحمت بھی نہ اٹھانی پڑے۔

لیکن یہ "حقہ نوش" صاحب بہت نمود پرست معلوم ہوتے ہیں' کیونکہ آپ نے چلم کے سرپوش پر نہایت جلی حروف میں اپنا نام اور پتا کندہ کر رکھا ہے جو اس کے مستعار ہونے کے راز کو شرکائے محفل پر فوراً ہی فاش کر دیتا ہے۔ عین اسی طرح جیسے لاہور کے خیمہ دوزوں نے اپنے تمام کرائے کے خیموں' شامیانوں اور سائبانوں پر اپنے نام اور پتے جلی قلم لکھ دیئے ہیں تاکہ جب یہ چیزیں استعمال کی جائیں تو ان کا

Marfat.com

اشتہار اور پروپیگنڈا بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتا چلا جائے۔

ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آئندہ جب لوگ یہ حقہ عاریتاً اپنی تقریبات میں منگایا کریں تو اس کا سرپوش اتار کر حفاظت سے الگ رکھ دیا کریں تاکہ براتیوں میں سبکی نہ ہو اور لوگ یہ نہ کہتے پھریں کہ لیجئے صاحب ان کے ہاں اپنے گھر کے حقے تک موجود نہیں، مانگی تانگی چیزوں پر گزران کرتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارا یہ عاقبت اندیشانہ مشورہ گوش ہوش سے سنا جائے گا۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۰۶۔ چہا شنبہ۔ ۹ نومبر ۱۹۲۷ء

(۲)

۱۹۲۶ء کا "نوبل پرائز" اٹلی کی ایک افسانہ نگار خاتون کو دیا گیا ہے، جس کی تصانیف کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سارڈینیا کے کسانوں کی زندگی اور معاشرت کے حالات کی تصویر خوب کھینچتی ہے۔ لا حول ولا قوۃ۔ سخن فہمی عالم بالا معلوم شد۔ گویا اب ادبیات کا کمال اس میں ہے کہ گائے بیل، گوبر، کھیت، کوڑا کرکٹ، دھان مٹر، موٹھ، جوار کے قصے لکھے جائیں۔ وہ زمانے گزر گئے جب ادب بلند ترین خیالات اور عالی جذبات کے اظہار کا آلہ سمجھا جاتا تھا اور ادیب اس سے کام لے کر قوموں کی قسمتیں پلٹ دیا کرتے تھے۔

اگر علامہ اقبال علم، فلسفہ اور مذہب کی خدمت میں اپنا عزیز وقت صرف کرنے کے بجائے سیالکوٹ کے آس پاس دیہات میں پھر پھرا کر تین چار ناول لکھ مارتے تو آج یہی سوا لاکھ روپیہ ان کی جیب میں ہوتا۔ اللہ اللہ۔

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند | مدار روزگار سفلہ پرور راتماشا کن

زنہقار ہماور کام زاغاں طعمہ اندازد | مدار روزگار سفلہ پرور راتماشا کن

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۱۳۔ پنج شنبہ۔ ۱۷ نومبر ۱۹۲۷ء

(۳)

لطیفہ ...... ایک ہندوستانی نے جو انگلستان میں چند سال رہنے کے بعد اپنے وطن میں تازہ وارد تھے، ایک ملاقاتی سے اپنی بیوی کا تعارف کراتے ہوئے بہ محاورۂ انگریزی یہ فرمایا "میں اپنی بیوی کو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں"۔

ملاقاتی نے بے ساختہ جواب دیا۔ "آپ کا شکریہ لیکن میری تو شادی ہو چکی ہے"۔

Marfat.com

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۲۰۔ جمعہ۔ ۲۵ نومبر ۱۹۲۷ء

(۴)

یورپ کے ملکوں میں ایک نام Chavlotte مروج ہے، جس کا تلفظ شارلٹ ہے لیکن "ہم دم" کے اسی کالم میں قیصر جرمنی کی بہن کا نام "صوفیہ چارلوٹے" درج کیا گیا ہے[۱]۔

اگر کل کو خبر میں Douglas Chavlotte کا نام آگیا[۲] تو غالباً مدیر "ہم دم" اسے یوں لکھیں گے۔ "دوگلاس چارلوٹے"۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۳۶۔ چہار شنبہ۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۲۷ء

(۵)

بعض سیاحوں کا خیال ہے کہ عجائبات عالم سات ہیں لیکن انھیں آٹھویں کا حال ابھی معلوم نہیں ہوا جو حیدر آباد دکن میں میجر محمد شفیع صاحب (چیف آف دی اسٹاف) کے دولت کدہ معلی پر موجود ہے۔ یہ ایک کمانی والا پلنگ ہے۔ اس کی محیر العقول جسامت کا اندازہ اب تک نہیں کیا گیا تھا۔ بار ہا پیمائش کی کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس کی عظمت جسامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پچھلے دنوں جب مولانا شوکت علی بایں تن و توش حیدر آباد پہنچ کر میجر صاحب کے مکان پر فروکش ہوئے تو یہ پلنگ حضرت مولانا کی خدمت میں بغرض استراحت پیش کیا گیا۔ مولانا "خلافت" میں لکھتے ہیں۔ "میرے سونے کے لئے اتنا بڑا "اسپرنگ بیڈ" دیا گیا جس پر میرے جسم جیسے تین اور انسان آرام کر سکتے تھے۔ میں اس پر پڑا ہوا ایک ننھا بچہ معلوم ہوتا تھا۔"

بس زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں، خود ہی اندازہ کر لیجئے کہ وہ پلنگ کتنا بڑا ہوگا جس پر حاجی بابا جیسے چار آدمی آرام کر سکتے ہیں اور جس پر پڑے ہوئے مولانا شوکت علی بھی "ننھے بچے" معلوم ہوتے ہیں۔ اونٹ اپنے آپ کو بہت بالا بلند اور عظیم الجثہ جانور سمجھتا ہے لیکن جب کسی پہاڑ کے دامن میں پہنچتا ہے تو اپنی حقیقت کھل جاتی ہے اور عجز و انکسار سے گردن جھکا لیتا ہے۔ مولانا شوکت علی کو دعویٰ تھا کہ ان کے لیٹنے کے لئے ہندوستان بھر میں کوئی آرام وہ پلنگ موجود نہیں ہے لیکن دیکھ لیجئے یہ اللہ تعالیٰ نے ایسا پلنگ دیا جس کے سامنے مولانا بھی کل کے بچے اور "ڈینگ کے کچے"

Marfat.com

نظر آنے لگے۔

اگرچہ ازمنہ قدیم کی عمارتیں بہت مضبوط ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود بھی اللہ سے دعا ہے کہ الٰہی اس پلنگ کی خیر!۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۲۲۷۔ پنج شنبہ۔ ۵ اپریل ۱۹۲۸ء

(۶)

اسی دن کا واقعہ ہے کہ بھائی پرمانند کے انتقال کی خبر بھی مشہور ہوئی۔ "ہندو ہیرلڈ" "ٹریبیون" اور دوسرے اخباروں کے دفتروں میں دھڑا دھڑ دریافت حال کے پیغام موصول ہونے لگے۔ آخر لاہور سے کشمیر ایک برقی پیغام بھیجا گیا کیونکہ بھائی جی آج کل وہیں برا جمان ہیں۔ جواب ملا کہ لوگ عجب مسخرے ہیں کہ میری موت کی افواہیں اڑا رہے ہیں' حالانکہ میں کشمیر میں آکر پہلے سے بھی زیادہ زندہ ہوگیا ہوں۔

ظرافت اور طنزیات کا مشہور امریکن ماہر مارک ٹوین ادبی دنیا میں بے انتہا مشہور و مقبول ہے۔ ایک دفعہ کسی اخبار نے اس کی موت کی خبر شائع کردی۔ ایک دوسرے اخبار کا نامہ نگار استفسار حقیقت کے لئے مارک ٹوین کے مکان پر گیا تو خود مارک ٹوین ہی سے ملاقات ہوگئی۔ جب نامہ نگار نے اس افواہ کا تذکرہ کیا تو ظریف مصنف نے جواب دیا۔ "میری طرف سے اخبار میں یہ بیان شائع کردیجئے کہ میرے انتقال کی خبر میں کسی قدر مبالغے سے کام لیا گیا ہے" ۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۳۸۔ پنج شنبہ۔ ۱۸ اگست ۱۹۲۸ء

(۷)

سید میر بسمل صاحب مدیر "ریلوے پنچ" نے ایک نہایت دل چسپ واقعہ لکھ کر بھیجا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ریلوے کی طرف سے سفری ٹکٹ اگزامینروں کی ایک خاص جماعت مقرر ہے جو اسٹیشنوں اور ٹرینوں میں اچانک چھاپے مارتے ہیں اور ٹکٹ لئے بغیر سفر کرنے والوں یا پلیٹ فارم پر گھومنے والوں سے کرایہ وصول کرلیا کرتے ہیں۔ اس ٹولی کے ایک بابو صاحب نے پرسوں کراچی میل میں گوجرانوالہ کے قریب ایک پٹھان کا اسباب دیکھا تو وہ پندرہ سیر سے کسی قدر زیادہ معلوم ہوا۔ بابو صاحب نے خان صاحب سے کہا کہ پشاور سے لاہور تک زائد اسباب کے ڈھائی روپے تم سے وصول کئے جائیں گے۔ خان صاحب اس بات پر بہت برہم ہوئے لیکن

Marfat.com

بابو صاحب یہ حکم دے کر دوسرے کمرے میں چلے گئے کہ لاہور پہنچ کر تم سے کرایہ وصول کیا جائے گا۔

بابو صاحب کے جانے کے بعد خان صاحب نے اپنے اسباب کی گٹھڑی کھولی اور اس میں سے ایک بہت بڑا تربوز نکالا جو بلا مبالغہ دس بارہ سیر کا ہوگا۔ خان صاحب نے بڑا سا چاقو نکال کر تربوز کاٹا کچھ آپ کھایا اور کچھ مسافروں کو کھلایا۔ اس تربوز کے "حذف" ہوجانے کے بعد خان صاحب کا اسباب تقریباً آٹھ نو سیر باقی رہ گیا۔

جب ٹرین شاہدرہ پہنچی تو بابو صاحب اپنے ایک انگریز افسر کو ساتھ لے کر خان صاحب کے پاس آئے اور ان سے کرایہ مانگا۔ پٹھان نے اپنی گٹھڑی ان کے آگے رکھدی اور کہا "لیجئے وزن کیجئے اور جتنا کرایہ ہو' وصول کرلیجئے" جب سامان تولا گیا تو صرف آٹھ سیر نکلا۔

بابو نے حیران ہوکر پوچھا "خان' تمہارا باقی اسباب کہاں گیا ؟" خان صاحب نے اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا۔ "خو وہ تربوز تھا۔ ہم سب نے کھا لیا یہ تمہارا حصہ رکھا ہے"۔ یہ کہہ کر تربوز کی ایک قاش بابو صاحب کی خدمت اقدس میں بھی پیش کردی ۔ اس پر گاڑی میں بہت زور کا قہقہہ پڑا۔ بابو بے چارہ حیران پریشان کہ یہ کیا ہوگیا اور ساٹھ ستر مسافر مارے ہنسی کے لوٹ (پوٹ) ہوگئے' یہاں تک کہ صاحب بہادر بھی کھلکھلا کر ہنس دیے۔ بابو صاحب کھسیانے ہوکر رخصت ہوئے اور گاڑی لاہور تک ہنگامہ خیز قہقہوں سے گونجتی رہی۔

انقلاب۔ جلد ۴ ۔ نمبر ۱۳۱۔ چہار شنبہ۔ ۳۱ جولائی ۱۹۲۹ء

(۸)

آج کل "انقلاب" کا زمانہ ہے۔ دنیا کی ہر چیز میں الٹ پلٹ کا عمل جاری ہے۔ ایک زمانہ تھا جب کسی خاتون کا تعارف کراتے وقت یہ کہا جاتا تھا کہ آپ فلاں صاحب کی بیوی ہیں لیکن آج کل بعض بیویاں شوہروں سے زیادہ مشہور ہورہی ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص کو حیدر آباد دکن کے ڈاکٹر نائیڈو کا کسی سے تعارف کرانا ہو تو وہ یہی کہنے پر مجبور ہو گا کہ آپ مسز سروجنی نائیڈو کے شوہر ہیں۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۱۵۳۔ سہ شنبہ۔ ۹ دسمبر ۱۹۳۰ء

Marfat.com

(۹)

ہمیں اندیشہ ہے کہ اس قسم کی انجمن پٹیالہ میں بھی قائم ہونے والی ہے۔ گندم سستی ہونے کی وجہ سے اس مقام کے بعض حضرات کا ہاضمہ بری طرح سے تیز ہو رہا ہے۔ ہمارے ایک نامہ نگار نے لکھا ہے کہ انڈا مرغی' روٹی' پکوڑے' بنولے غرض جو کچھ بھی ان حضرات کو ملتا ہے چٹ کر جاتے ہیں لیکن ان کے پیٹ کی آگ نہیں بجھتی۔ اب ان لوگوں نے اپنی ایک انجمن "اخوان الاغذیہ" کے نام سے قائم کرلی ہے آئندہ ہفتے اس کا سرمائی اجلاس ہونے والا ہے۔ جس میں جناب صدر "کھڑے پلاؤ" اور شامی کبابوں کے فوائد پر تقریر فرمائیں گے۔ ہمارے نزدیک انجمن "اخوان الاغذیہ" کے پیٹو ارکان کو حضرت علامہ حسین میر مدیر "ضیافت پنچ" (حال دفتر زمیندار) سے خط و کتابت کرنی چاہیے' وہ اس فن میں اپنے وقت کے امام واقع ہوئے ہیں۔

اگر یہ انجمن اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگئی تو اس کے ارکان لازماً "القریہ خواہ مخواہ معتبر" ہو جائیں گے اور لندن کے موٹوں کی انجمن سے اس کا الحاق ضروری ہو جائے گا۔

ملک تو اتنا غریب ہے کہ ہر شخص کی روزانہ آمدنی کی اوسط تین پیسے کے برابر ہے لیکن ہمارے بے فکروں کو کھانے کا ہوکا ہو رہا ہے۔ مولانا اکبر مرحوم فرماتے ہیں

ہے ملک ادھر تو قحط زدہ اس طرف یہ وعظ ہے
کشتے وہ کھا کہ پیٹ بھرے پاؤ سیر میں

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۱۷۹ چہار شنبہ۔ ۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء

(۱۰)

فلم کی دنیا میں جس قدر شہرت و مقبولیت چارلی چپلن کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ اس عالی پایہ ظریف کے کمال فن نے اس مصائب و آلام کی دنیا میں فرحت و مسرت کے اتنے پرشور قہقہے بلند کرائے ہیں کہ تاریخ عالم کا کوئی شخص اس حیثیت میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ دنیا کے تمام ان بڑے آدمیوں کی (مانند) جو حقیقتہً بڑے آدمی تھے اور جن کی عظمت نسلی یا جغرافیائی علائق سے بالا تر تھی' چارلی

Marfat.com

چپلن بھی وطنیت کا سخت مخالف ہے۔ وہ پیدائشی اعتبار سے انگلستان کا رہنے والا ہے لیکن آج سے سترہ سال پہلے جب اسے یہ احساس ہوا کہ اس کے جوہر کی قدر وطن میں نہ ہو گی' وہ امریکہ کی ہمدرد سرزمین میں ہجرت کر گیا' جس نے اس کو آنکھوں پر بٹھایا اور اسے دنیا کے مایہ ناز انسانوں میں شامل ہونے کے قابل بنا دیا۔

پچھلے دنوں وہ انگلستان آیا تو انگریزوں نے اس کی بہت آؤ بھگت کی لیکن یہ آؤ بھگت اس ذکی الحس صاحب فن کو کچھ زیادہ متاثر نہ کر سکی کیونکہ اسے "بے مہری یاران وطن" یاد تھی۔ انہی دنوں لندن کے ایک میوزک ہال کے منیجر نے اس کو خط لکھا کہ ہم خیراتی مقاصد کے لئے ایک تماشہ دکھانے والے ہیں'

آپ بھی اس میں حصہ لیجئے کیونکہ انگلستان کا آپ پر بہت بڑا حق ہے۔ اس کے جواب میں چارلی چپلن نے لکھا کہ "میرا تعلق قلم کی دنیا سے ہے' میں سٹیج پر کام کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔" اس خط کے ساتھ ہی ایک ہزار ڈالر کا چیک ملفوف کر کے لکھ دیا کہ "میری طرف سے یہ رقم خیرات فنڈ میں دے دیجئے کیونکہ انگلستان میں میں نے اپنے قیام کے آخری دو سالوں میں اتنا ہی روپیہ کمایا تھا۔"

چارلی چپلن کا آخری فقرہ ہر انگریز کو تیر کی طرح لگا اور اس کا مقصد بھی طنز ہی تھا۔ اس پر طرح طرح کے خیالات ظاہر کیے گئے اور علی العموم یہ کہا گیا کہ چارلی جذبۂ حب وطن سے بالکل خالی ہے۔ اس سے متاثر ہو کر چارلی چپلن نے "لندن ایکسپرس" کے نمائندے سے دوران ملاقات میں بعض ایسے حقائق بیان کئے جو اس قابل ہیں کہ قارئین "انقلاب" کے سامنے پیش کر دیے جائیں۔

چارلی نے کہا کہ "انگریزوں کی قوم دنیا بھر میں سب سے زیادہ ریاکار اور منافق قوم ہے اور انگلستان نے میرے متعلق ہمیشہ غلط فہمی اور غلط بیانی سے کام لیا ہے" "لوگ کہتے ہیں کہ انگلستان کا مجھ پر حق ہے میں نہیں سمجھتا وہ کونسا حق ہے؟ آج سے سترہ سال پہلے یہی انگلستان تھا جس نے میری کوئی قدر نہ کی اور مجھے ٹھکرا دیا۔ آخر مجھے امریکہ جانا پڑا۔ جس نے میری قدر کی' خدا جانے اب انگلستان کس منہ سے حق جتا رہا ہے۔"

"جذبہ حب وطن" پر اظہار خیال کرتے ہوئے چارلی چپلن نے خوب کہا ہے :۔
وطن پرستی سب سے بڑا جنون ہے۔ دنیا بہت سی دیوانگیوں میں مبتلا رہی ہے۔

Marfat.com

لیکن اس سے بڑی دیوانگی کہیں دیکھی نہ سنی۔ میں نے گزشتہ چند ماہ کی مدت میں سارے یورپ کی سیاحت کی ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ وطن پرستی کا جنون ہر جگہ طاعون کی طرح پھیل رہا ہے' جس کا نتیجہ عنقریب یہ ہوگا کہ دنیا بھر کشت و خون کا میدان بن جائے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس دفعہ بوڑھے آدمی جنگ میں بھیجے جائیں کیونکہ آج یورپ میں سب سے بڑے مجرم اور سب سے بڑے "وطن پرست" بوڑھے ہی ہیں۔ یہ گراں قدر خیالات ہیں جو دنیا کے اس مقبول عام انسان نے ظاہر کئے ہیں۔ آپ اسے مسخرو کہئے' ظریف کہئے لیکن اس کے خیالات کی روح حقیقی دنیا کے ان بڑے بڑے فلسفیوں کے عقائد سے مطابقت رکھتی ہے۔ جو آج چلا چلا کر یورپ سے کہہ رہے ہیں کہ جغرافیائی وطن پرستی ایک لعنت ہے۔ جب تک یہ لعنت دور نہ ہوگی' یورپ امن و امان کا روشن چہرہ نہ دیکھ سکے گا۔

انقلاب۔ جلد ۶ ۔ نمبر ۴۷۔ پنج شنبہ۔ ۲ جولائی ۱۹۳۱ء

(۱)

بلجین کانگو (افریقہ) سے ایک خبر موصول ہوئی ہے کہ وہاں کے مردم خوار وحشی ایک ڈپٹی کمشنر کو پکا کر کھا گئے۔ خدا جانے ان مردم خواروں کی حس ذائقہ کو کیا ہوگیا؟ بھلا ڈپٹی کمشنر اس قدر کڑوا اور بد ذائقہ ہوتا ہے تو پکا ہوا بھی یقیناً خوش مزہ نہ ہوگا یا شاید "کریلوں کی ترکیب" کی طرح ان مردم خواروں کو ڈپٹی کمشنر پکانے کا بھی خاص نسخہ معلوم ہو۔

کانگو کی "بی ہمسائیاں" اس دن ایک دوسرے سے باتیں کر رہی ہوں گی۔ "کیوں بی پڑوسن' آج تمہارے ہاں کیا پکا؟" "بہن آج تو ایک ڈپٹی کمشنر پکا لیا تھا' کہو تو تھوڑا سا کٹورے میں ڈال کر بھیج دوں" ۔ "ہاں بہن ذرا سا بھیج دو۔ دیکھوں تم نے کیسا پکایا ہے۔ میں نے تو ایک دفعہ ایک پادری پکایا تھا۔ صبح سے شام تک ہنڈیا تیز آنچ پر دھری رہی۔ کم بخت بوٹیاں ہیں کہ چم چیچڑ" ۔

"وہ کہنے لگیں" ۔ واہ بہن' وہ پادری کوئی بڈھا پھونس ہوگا جو گلے نہ سڑے ننھے کے ابا خود جنگل میں جا کر ایک جوان جہان ڈپٹی کمشنر پکڑ کر لائے تھے۔ ایسا نرم کہ ہنڈیا میں ڈالتے ہی گل گیا اور "وہ" اور بچے کھا کر ایسے خوش ہوئے کہ انگلیاں چاٹتے ہی رہ گئے۔ بہن ایسی چیزیں کوئی روز روز پکتی ہیں۔ کب بلجیم سے نیا ڈپٹی کمشنر آئے

Marfat.com

اور کب پکے"۔

لیکن ڈپٹی کمشنر کے ہم قوم دوسرے ہی دن جمع ہوکر ان وحشی مردم خواروں پر ٹوٹ پڑے اور ان کا صفایا کردیا۔ افسوس نہ تو ان لوگوں کو آدم خوری سے ذوق تھا' نہ آدم خوروں کا گوشت ہی اچھا ہوتا ہے' ورنہ بڑے مزے کی ضیافت رہتی اور یہ گوشت ڈبوں میں بند ہوکر ولایت تک بھیجا جاتا۔

واقعہ نہایت ہولناک ہے لیکن یہ "ڈپٹی کمشنر کو پکا کر کھانا" نہایت دلچسپ رہا۔ آئندہ ڈپٹی کمشنروں کو کسی قدر احتیاط سے رہنا چاہیے۔ اگر کہیں لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ ان کا گوشت مزے دار ہوتا ہے تو پھر چند روز میں "نسل" ہی منقطع ہوجائے گی۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۶۔ نمبر ۶۴ پنج شنبہ۔ ۶ اگست ۱۹۳۱ء

Marfat.com

تعلیمات

(۱)

بعض کالجوں کے رسالوں میں پروفیسر اور طلبہ اپنی نظم و نثر کے جو ناقابل رشک نمونے پیش کرتے ہیں' ان پر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی۔ ہنسی اس لئے کہ ان کے نتائج افکار مضحکہ خیز ہوتے ہیں اور رونا اس خیال سے آتا ہے کہ جس قوم کے نونہالوں کے ذوق سخن کا یہ حال ہو' اس سے آئندہ کسی علمی و ادبی خدمت کی توقع کیونکر کی جاسکتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کالجوں کے طلبہ اگر شعر و ادب کا صحیح ذوق رکھتے ہوں تو ارباب فن اور زبان دانوں کے آگے زانوئے تلمذ تہ کریں تاکہ بے راہ رو نہ ہونے پائیں۔

کچھ مدت گزری ہم نے مرے کالج سیالکوٹ کے ایک پروفیسر جمشید علی خان راٹھور ایم۔ اے' ایم۔ او۔ ایل کا کلام "مرے کالج میگزین" سے لیکر "زمیندار" کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا تھا اور بتایا تھا کہ جس کالج میں اس قسم کے برخود غلط اور غلط نویس پروفیسر موجود ہوں' اس کے طلبہ کی حالت کس قدر ردی ہوگی۔ آج پرنس آف ویلز کالج جموں کا رسالہ "توی" بابت ماہ اپریل ہمارے پیش نظر ہے۔ اس رسالے کا اردو حصہ آٹھ حصوں پر مشتمل ہے' جن میں سے ایک صفحہ فہرست مضامین' دو صفحے نظموں اور پانچ صفحے لطیفوں سے بھر دیئے گئے ہیں۔ گویا ادب اردو کی کل کائنات نظموں اور لطیفوں تک ہی محدود ہے۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۶۱۔ یک شنبہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۷ء

(۲)

علامہ حسین میر کاشمیری کو مژدہ ہو کہ وہ "فلسفہ مادھولال حسین" جس کا تذکرہ وہ اپنے صحیفہ "ضیافت پنج" پر اللہ منجھا میں اکثر فرمایا کرتے تھے' اب کالجوں کے طلبہ کی عملی زندگی سے آگے بڑھ کر امتحان کے پرچوں تک جا پہنچا ہے چنانچہ اس دفعہ اسلامیہ کالج لاہور کی "فرسٹ ائیر" کو انگریزی کا جو پرچہ "بی" دیا گیا ہے' اس میں کسی ایرانی مذاق کے پروفیسر صاحب نے ترجمہ کے لئے اردو کا ایک پیراگراف تجویز کیا ہے جس میں اس کیش عجمی کے تمام متعلقات نہایت صفائی سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے قارئین "افکار" کی خدمت میں یہ عرض کر دینا

Marfat.com

ضروری ہے کہ لاہور میں ایک درگاہ "حضرت مادھو لال حسین" کے نام سے مشہور ہے، جس کی شان نزول یہ ہے کہ حضرت لال حسین کوئی صوفی بزرگ تھے جو اپنی زندہ دلی کی وجہ سے کسی برہمن بچہ مسمی مادھو پر فریفتہ ہوگئے تھے اور عقیدت مندوں نے آپ کی اس فریفتگی کو "المجاز قنطرۃ الحقیقتہ" تصور کر کے بطیب خاطر گوارا کرلیا تھا۔ حضرت کے جذبہ عشق کا یہ اثر ہوا کہ مادھو مطیع و منقاد ہوگیا اور یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ ۔

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

چونکہ حضرت مادھو لال حسین کی زندگی کے حالات پابندی شریعت اور زہد و تقویٰ سے بالکل خالی معلوم ہوتے ہیں، اس لئے شریعت سے تعلق رکھنے والے ارباب طریقت حضرت لال حسین کے کچھ بہت زیادہ معتقد نہیں پائے جاتے لیکن صوفی بہرحال صوفی ہے علی الخصوص جب اس کا مزار بھی بن چکا ہو اور اس پر رجوع عام بھی شروع ہوگیا ہو۔ قصہ کو تاہ یہ کہ حضرت لال حسین مع اپنے مادھو کے عوام میں ولی اللہ خیال کئے جاتے ہیں اور برہمن بچہ سے آپ کا تعلق لازمہ فقیری سمجھا جاتا ہے۔

حضرت اکبر مرحوم نے کسی زمانے میں ایک شعر کہا تھا ۔

پردہ اٹھتا ہے ترقی کے یہ سامان تو ہیں
حوریں کالج میں پہنچ جائیں گی غلمان تو ہیں

تو ان "غلمان بہشتی" کے طفیل سے ہر کالج میں مادھو لال حسین کے کیش و مشرب کو جو حسن قبول حاصل ہے، اس سے ہر واقف کار کماحقہ، باخبر ہے لیکن ہمارا خیال اب تک یہی تھا کہ کالجوں کے پروفیسر اور ممتحن یقیناً اس وبا سے محفوظ ہوں گے اور طلبہ بھی اس کیش کی حوصلہ افزائی نہ کرتے ہوں گے۔

لیکن پچھلے دنوں ایک دوست نے ہمیں اسلامیہ کالج لاہور کی جماعت فرسٹ ائر کے امتحان کا ایک پرچہ (انگلش بی) لاکر دکھایا تو یہ دیکھ کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس میں مندرجہ ذیل عبارت انگریزی ترجمہ کرنے کے لئے دی گئی ہے :۔

"حضرت مادھو لال حسین اپنی جھونپڑی میں یاران دل نواز کے ساتھ رنگ رلیوں میں مست ہیں۔ ایک خوب صورت لڑکا جس کی پیشانی سے فراست کے آثار ظاہر

Marfat.com

ہو رہے تھے، قیمتی لباس پہنے بصد آرائش جھونپڑی کے آگے گھوڑا دوڑاتا ہوا نکل گیا۔ آپ نے دوستوں سے اس کا نام و نشان پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ شاہدرے کے ایک امیر برہمن کا لڑکا ہے۔ نام اس کا مادھو ہے۔ لال حسین مادھو کی ہوش ربا صورت دیکھ کر جان و دل سے فریفتہ ہوگئے اور چند ہی دنوں میں یہ نوبت آگئی کہ جب تک اپنے مطلوب کی صورت نہ دیکھ لیتے چین نہ آتا۔ آخر کار اس کا فریچہ کے دل میں بھی آتش عشق نے چنگاری ماری۔ جس طرح لال حسین کو مادھو کے درشن کئے بغیر کھانا پینا اور سونا حرام ہوجاتا تھا، اب وہی حال بغیر لال حسین کے دیکھنے کے مادھو کو پیش آتا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ لال حسین کے دیدار ہی سے دل کو خوش کرتا بلکہ اس کے ساتھ شراب نوشی میں بھی مشغول ہوتا" اگر اس قسم کا فقرہ کسی درسی کتاب میں شائع ہوجاتا تو اخباروں کے ایڈیٹر اور کالجوں کے پروفیسر اور دیگر متعلقین شعبہ تعلیم ایک دم چراغ پا ہوجاتے اور شور مچ جاتا کہ ہندوستانیوں کے اخلاق کو خراب کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا جارہا ہے۔ اس کتاب کے خلاف جلسے منعقد کئے جاتے۔ ان بڑے بڑے "تقریر بے بیچے" پھرتے اور جب تک اس کو نصاب تعلیم سے خارج نہ کرالیتے، چین نہ لیتے لیکن جب اسلامیہ کالج کے ممتحن صاحب اس قسم کا فقرہ نو عمر طالب علموں کے سامنے پیش کر کے آتش محبت کو ہوا دیتے ہوئے نظر آئیں تو پھر کوئی نہیں بولتا لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ آیا ممتحن صاحب کو اردو کی تمام مطبوعات میں سے صرف یہی فقرہ ترجمے کے قابل نظر آیا؟

اگر اسلامیہ کالج کے کوئی پروفیسر صاحب یا طالب علم اس پرچے کے بنانے والے پروفیسر کا نام معلوم کر کے ہمیں لکھ بھیجیں تو بہت ہی اچھا ہوتا کہ ہمیں معلوم تو ہوجائے کہ کالجوں کے پروفیسوں میں اب تک ایسے ایسے "باذاق" حضرات موجود ہیں جو امتحان لیتے وقت بھی اپنے شاگردوں کے ذوق و میلان کا اس قدر لحاظ رکھتے ہیں۔ انا للہ ۔

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد　　وائے گر در پس امروز بود فردائے

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۲۱۴۔ یک شنبہ۔ ۱۸ مارچ ۱۹۲۸ء

(۴)

خان بہادر شیخ نور الٰہی صاحب ایم۔ اے زبان اردو کے نہایت سرگرم حامی ہیں۔ جن

Marfat.com

دنوں آپ ملتان ڈویژن کے انسپکٹر تھے' آپ ہر اسکول میں جاکر اردو کی صحیح تعلیم کے متعلق بہت مفید تقریریں کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب آپ اردو کی طرف سے مدرسین کی بے توجہی سے بہت ہی متاثر ہوئے تو آپ نے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ پنجاب کے اسکولوں میں اردو پڑھانے والے جتنے مدرسین ہیں' سب کو ایک کشتی میں بٹھا کر وہ کشتی دریائے گنگا میں غرق کردی جائے"۔

یہ فقرہ اردو مدرسین کے لئے ایک بم کے گولے سے کم نہ تھا چنانچہ ان میں سے اکثر بری طرح مجروح ہوئے اور اس گولے کی شدت کی شکایت کرنے لگے لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیخ صاحب کا یہ قول بالکل حقیقت پر مبنی تھا۔

اس گولے کے پھٹنے کے چند ہی روز بعد تحصیل چنیوٹ کے ایک ہائی اسکول میں سالانہ امتحانات شروع ہوگئے۔ آٹھویں جماعت کے پرچہ اردو کے ممتحن نے مرزا غالب کے اس شعر کا مطلب دریافت کیا۔

روندی ہوئی ہے کوکبہ شہریار کی　　اترائے کیوں نہ خاک سرِ رہ گزار کی

جماعت کے سب لڑکوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس شعر کے معانی لکھے لیکن سب سے زیادہ دلچسپ معانی جو ایک طالب علم نے بیان کئے وہ قارئین "افکار" کی ضیافت طبع کے لئے درج کئے جاتے ہیں۔ اس طالب علم نے یہ شعر نقل کر کے اس کے نیچے لکھ دیا۔

متلب :۔ رنڈی ہوئی ہے عورت شہری یار کی' اتار لئے چوروں نے سرراہ اس کے کپڑے (اور وہ چلی گئی)۔

سبحان اللہ و بحمدہ۔ کیا دل آویز "متلب" بیان ہوا ہے کہ مرزا غالب کی روح بھی پھڑک گئی ہوگی۔ آپ اس طالب علم کی مہارت ادبی کی داد دیجئے کہ تحت اللفظ ترجمہ کیا ہے جو سلیس و با محاورہ بھی ہے اور سب سے زیادہ لطیف وہ فقرہ ہے جو قوسین میں لکھا گیا ہے۔ یاد رہے کہ "رنڈی" پنجابی بیوہ کو کہتے ہیں۔ اب تو یہ "متلب" آپ کو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ "چوروں نے سرراہ اس عورت کے کپڑے کیوں اتار لئے"۔ وجہ یہ ہے کہ بے چاری بیوہ ہوچکی تھی اور کوئی اس کا سرپرست نہ تھا۔

"روندی" سے تو خیر رنڈی "نکل آئی اور "شہریار" صاحب "شہری یار" بن

Marfat.com

گئے۔ اسی طرح "اترا تے" بھی اپنی نالائقی کی وجہ سے "اتار لئے" ہوگیا لیکن سوال یہ ہے کہ "کوکبہ" پر کونسا آپریشن ہوا تھا کہ وہ ایک دم عورت بن گیا اور "چوروں نے سرراہ اس کے کپڑے" کیونکر اتار لئے اور پھر وہ کم بخت چلی کیوں گئی۔ یہ ایسے سوالات ہیں جنھوں نے مدت سے سائنس دانوں کو پریشان کررکھا ہے' یہاں تک کہ خود اس شعر کے شارح صاحب بھی اس کا "متلب" سمجھانے سے قاصر رہ گئے۔ کیا "افکار" کے سخن فہم قارئین میں سے کوئی صاحب ان نکات کو حل کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے؟

حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ اسی اسکول کے ایک ہمسایہ ہائی اسکول میں اس وقت نویں جماعت کے طلبہ بھی اردو ہی کا پرچہ حل کررہے تھے۔ اس پرچے میں طلبہ سے کہا گیا کہ "چاندنی رات میں دریائے چناب کا نظارہ" کے عنوان سے "جواب مضمون" لکھو۔ ایک طالب علم کا "جواب مضمون" بجنسہٖ ملاحظہ فرمایئے اور اس کی بے شمار ادبی خوبیوں کی داد دیجئے۔

چاندنی رات میں دریائے چناب کا نظارہ بہت خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔ دریائے چناب بڑا لمبا چوڑا دریا ہے اور ہر سال کروڑوں انسانات اس کی توغیانی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ اس میں مچھلیاں بہت ہوتی ہیں اور جب وہ ر ‌ و سرود کی اٹکھیلیاں پانی کے اندر کرتی ہیں تو واہ سبحان بے اختیار نکلنے لگتا ہے۔

چاندنی رات کے نظارے کے متعلق مضمون نگار کو ایک واقعہ بھی یاد آجاتا ہے' چنانچہ فرماتے ہیں:

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص اس کے کنارے بیٹھا چاندنی میں دریائے چناب کا نظارہ دیکھ رہا تھا کہ یکایک پچھلے پائے سے (یعنی پیچھے کی طرف سے مدیر) ایک چیتے نے اس پر حملہ آور ہوا اور وہ شخص بے ہوش ہوگیا اور اس دنیائے فانی سے انتقال کرگیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) مدیر) چاندنی رات میں دریا سے عجب ٹھنڈی ہوا آتی ہے اور گورنمنٹ نے اس پر ایک پل بنایا ہوا ہے جس پر چل کر دل میں نور آتا ہے۔ غرضے (غرض یہ کہ) چاندنی رات میں دریائے چناب کا نظارہ بہت خوب صورت ہوتا ہے۔۔۔۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اس کو کہتے ہیں "جواب مضمون"۔ اب سوال یہ ہے

Marfat.com

کہ اس جہالت اور مسخرگی کا ذمہ دار کون ہے؟ صرف زبان اردو کے مدرسین جن کو ادب اور زبان کے مبادی بھی معلوم نہیں ہوتے۔ ہمارا دعوئی یہ ہے کہ اگر پنجاب کے تمام مدرسین اردو کو جمع کر کے ان سے صرف مڈل تک کی اردو کا امتحان بھی لیا جائے تو ان میں اکثر دس فیصدی نمبر بھی نہ پاسکیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مدرسین میں زبان اردو کا ذوق صحیح پیدا کیا جائے' ورنہ اگر یہی مدرسین ہیں تو ان کے شاگردوں کی حالت کا اندازہ خود ہی کر لیجئے۔

گر ہمیں مکتب است وایں ملا　　کار طفلاں تمام خواہد شد

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۲۴۔ پنج شنبہ۔ ۱۹ جولائی ۱۹۲۸ء

(۴)

پروفیسر جمشید علی راٹھور ایم۔ اے' ایم۔ او۔ ایل پروفیسر مرے کالج سیالکوٹ کے نام نامی سے قارئین "افکار" ناواقف نہیں ہیں' کیونکہ آپ کی اردو اور فارسی شاعری مدیر "افکار" کی طرف سے دو تین دفعہ "خراج عقیدت" وصول کر چکی ہے۔ چنانچہ آپ نے محض تنقید "افکار" کے حوادث سے بچنے کی خاطر اردو اور فارسی کو خیر باد کہہ کر انگریزی میں طبع آزمائی شروع کردی اور ہمارے معاصر محترم "مسلم آؤٹ لک" نے ایک زمانے میں جب اس پر گردش ایام کی بلامسلط تھی' خدا جھوٹ نہ بلوائے تو شاید کوئی تین مہینے تک پروفیسر صاحب کی ایک نظم روزانہ بالاقساط شائع کرنے کے ناقابل عفو گناہ کا ارتکاب کیا تھا۔ افسوس ہے کہ انگریزی زبان کے متشاعروں کے کلام پر تنقید کرنا "افکار" کے لائحہ عمل سے باہر ہے' ورنہ ہم قارئین کو پروفیسر صاحب کے انگریزی کلام کی بوالعجبیوں سے بھی روشناس کراتے۔ آج کل پروفیسر صاحب پر انگریزی اس قدر مسلط ہے کہ خدا کی پناہ۔ چند روز ہوئے مرے کالج میں اردو کے پروفیسر صاحب کا انتقال ہوگیا تو پرنسپل صاحب نے ان کی جگہ پروفیسر جمشید علی صاحب کو مامور فرما دیا' حالانکہ پروفیسر صاحب نے مدت سے عروس اردو کو طلاق دے کر انگریزی میم صاحب کو گھر میں ڈال رکھا تھا۔ پرنسپل صاحب کی اس مردم ناشناسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ پروفیسر صاحب نے دیوان غالب کا درس بھی انگریزی ہی میں دینا شروع کردیا۔

طلبہ نے ہرچند گزارش کی کہ حضرت! دیوان غالب کو نصاب میں داخل کرنے

Marfat.com

سے یونی ورسٹی کا مقصد یہ ہے کہ زبان اردو کو ترقی دی جائے اور امتحان میں سوالات و جوابات بھی اردو ہی میں ہوں گے۔ اس لئے آپ انگریزی کی ٹانگ نہ توڑیئے اور جو کچھ ارشاد فرمانا ہو' اردو میں فرمایئے۔ اس کے جواب میں پروفیسر صاحب نے بزبان انگریزی ارشاد فرمایا کہ "انگریزی زبان میں درس دینا میری فطرت ثانیہ بن چکا ہے۔ نیز بر سبیل استدلال یہ دلیل قاطع بھی فرما دی کہ سر عبدالقادر نے اقبال کی فارسی شاعری پر فارسی میں نہیں بلکہ انگریزی میں لیکچر دیا تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں انگریزی کی جس قدر ضرورت ہے' اس قدر اردو کی نہیں۔"

یہ ہیں ہمارے پروفیسر جمشید علی خاں صاحب اور یہ ہے ان کا استدلال! ۔

گر ہمیں مکتب است و ایں ملا   کار طفلاں تمام خواہد شد

کاش کوئی شخص پروفیسر صاحب کو یہ بتا دیتا کہ نہ سر عبدالقادر کسی کالج کے پروفیسر ہیں' نہ انہوں نے اپنا لیکچر اردو کے "پریڈ" میں دیا تھا' نہ ان کے سامعین کو یونی ورسٹی کے کسی امتحان میں اقبال کے کلام کا بزبان اردو امتحان دینا تھا' اس لئے حضور کا یہ استدلال "پائے چوبیں" کی طرح "سخت بے تمکیں" واقع ہوا ہے۔

رہا یہ امر کہ ہندوستان میں کس زبان کی ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایران میں فارسی ترکی میں ترکی' جرمنی میں جرمن' عرب میں عربی اور انگلستان میں انگریزی کی ضرورت ہے تو ہندوستان میں لازماً اردو کی ضرورت ہوگی۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ کچھ مدت سے پروفیسر صاحب نے اس ملک کو انگلستان اور اپنے آپ کو انگریز فرض کر رکھا ہے لیکن وہ انگلستان' آپ کے نہاں خانہ دماغ ہی میں واقع ہو تو ہو خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں۔

پرنسپل صاحب کو چاہئے کہ اردو کے طلبہ کو کسی اردو داں پروفیسر سے تعلیم دلوائیں ورنہ پروفیسر راٹھور کی مہربانی سے سب لڑکے فیل ہو جائیں گے اور تاج مفت میں بدنام ہو جائے گا۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۲۱۰۔ سہ شنبہ۔ ۲۵ فروری ۱۹۳۰ء

Marfat.com

تعلیقات و حواشی

۱۔ "ہم دم" ۔ مورخہ ۱۱ دسمبر ۱۹۲۷ء۔ صفحہ ۲ کالم ۴

۲ ۔ یورپ میں "شارلٹ" عورتوں کا نام ہوتا ہے اور "ڈگلس" مردانہ نام ہے۔ ان دونوں کا اجتماع ممکن نہیں۔

۳۔ سہو کتابت کی بنا پر یہ لفظ چھوٹ گیا تھا۔ اضافہ از مرتب

۴۔ لندن میں انہی دنوں موٹوں کی ایک انجمن قائم ہوئی تھی۔

۵۔ اخباری متن میں یہ لفظ چھوٹ گیا تھا۔ اضافہ از مرتب۔

۶۔ درحقیقت اس روز "شنبہ" تھا۔

Marfat.com

باب ہفتم

کچھ تاریخ کے حوالے سے

Marfat.com

Marfat.com

کچھ تاریخ کے حوالے سے

(۱)

ــــ فرانس کا ایک فوجی افسر جوکم ریمنڈ ۱۷۵۵ء میں پیدا ہوا اور نواب نظام
ی خاں کے زمانے میں قسمت اسے حیدر آباد دکن لے آئی ۔ موسیو ریمنڈ نے نظام
کے دربار میں اس قدر رسوخ حاصل کیا کہ پندرہ ہزار قواعد داں سپاہیوں کی افسری کی
مدمت اس کے سپرد ہو گئی ۔ ۲۵ مارچ ۱۷۹۸ء میں یہ بہادر فرانسیسی جنرل رہ گرائے
الم جاودانی ہوا ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لاہور پر مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنا قبضہ جما رہے
تھے ۔

سرور نگر کے ضلع عثمان گڑھ کے قریب جوکم ریمنڈ کا بنایا ہوا ایک باغ ہے جسے
فرانسیسی باغ کہتے ہیں ۔ یہیں ریمنڈ اور اس کے ماتحت فوجی افسر رہا کرتے تھے اور
سی باغ کے قریب فوج کی بارکیں بنائی گئی تھیں ۔

موسیو ریمنڈ مرنے کے بعد وہیں ایک ٹیلے پر دفن ہوئے اور ان کی قبر پختہ بنائی
ئی ۔ اب لطیفہ سنئے کہ رفتہ رفتہ یہ موسیو ریمنڈ عوام کی زبانوں پر "موسیٰ رحمو" ہو
گئے کیونکہ فرانسیسی زبان میں اس نام کا تلفظ "ریموں" ہے ۔ کچھ مدت گزرنے کے
بعد یہ قبر "حضرت موسیٰ رحمو رحمتہ اللہ علیہ" کی قبر قرار پائی اور باقاعدہ عرس شروع ہو
گیا ۔ اب مدت سے یہ حالت ہے کہ ہر سال دور دور سے ملت محمدیہ کے فرزند
نہایت دھوم دھام اور ڈھول ڈھمکے کے ساتھ اس نصرانی کی قبر پر جمع ہوتے ہیں اور
بہت شان و شوکت سے اس کا عرس کرتے ہیں ۔ قبر کے پاس ہی ایک عمارت ہے
جس کا طرز تعمیر یونانی ہے ۔ اس عمارت کے اندر "حضرت موسیٰ رحمتہ علیہ الرحمتہ"
کے عرس شریف کا سامان محفوظ رہتا ہے ــــــ

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۸ ۔ پنج شنبہ ۔ ۱۴ جولائی ۱۹۲۷ء

(۲)

پچھلے دنوں ایک لکھنوی دوست نے اپنے شہر کے ایک وضع دار شہزادے کی

Marfat.com

سرگزشت سنائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے بادشاہوں کی اولاد میں سے انقلاب زمانہ کے باعث جہاں بہت سے بد وضع و بد قماش ہوگئے ہیں ' وہاں بعض نے اپنی شاہانہ وضع کو افلاس و ناداری کے باوجود بھی کچھ اس شان سے نباہا ہے کہ بے اختیار ان کی پابندی وضع کی داد دینی پڑتی ہے ۔ ہمارے دوست کا بیان ہے کہ سلاطین اودھ کے خاندان سے ایک شہزادہ صاحب آج سے کچھ مدت پیشتر بقید حیات تھے ۔ انہیں سرکار انگریزی سے کچھ تھوڑا سا وثیقہ ملتا تھا اور اسی میں وہ گزر اوقات کرتے تھے ۔

شاہی محلوں سے بے دخل ہونے کے بعد صاحب عالم نے اپنے رہنے کے لئے ایک چھوٹا سا مکان بنوا لیا تھا جس کا رقبہ پچاس ہاتھ سے زیادہ نہ ہوگا لیکن پابندی وضع کا یہ حال تھا کہ آپ نے اسی مکان میں تمام لوازم شاہی پورے کر رکھے تھے۔ ایک کونے میں چھوٹا سا باورچی خانہ تھا جس کے ساتھ ننھا سا آب دار خانہ ' توشہ خانہ ' مہمان خانہ ' استراحت خانہ ' غرض بیسیوں " خانے " بنا رکھے تھے اور لطف یہ ہے کہ اسی میں ایک " دربار ہال " بھی تھا جس کی کوتاہی کی یہ حالت تھی کہ صاحب عالم اس میں بیٹھ کر داخل ہوا کرتے تھے ۔

صاحب عالم کی بیگم صاحبہ بہت خوش سلیقہ اور جزرس خاتون تھیں ' چنانچہ تھوڑی سی آمدنی کے باوجود صاحب عالم کا خاصہ متعدد کھانوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ جس وقت حضور خاصے پر تشریف لاتے تو ایک شاہی جوڑا جو بزرگوں کی یادگار کے طور پر ان کے پاس موجود تھا ' زیب تن فرما لیتے ۔ جس وقت حضور وہ جوڑا پہنے رہتے ' گھر بھر میں کسی کی مجال نہ ہوتی تھی کہ " حضور ' پیر و مرشد ' جہاں پناہ " کے سوا کسی اور لفظ سے حضور کو مخاطب کرے ۔ اگر کسی سے ان آداب و اطوار میں ذرا بھی کوتاہی ہوتی تو صاحب غیظ و غضب سے آگ بگولہ ہو جاتے اور وہ گستاخ لرز کر رہ جاتا لیکن جس وقت آپ افلاس کی وجہ سے پھٹے پرانے یا میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوتے ' اس وقت اگر کوئی شخص آپ کو " حضور " کہہ کر مخاطب ہوتا تو آپ بے انتہا منغض ہوتے اور فرماتے کہ ان کپڑوں کے پہننے والے کو حضور کہہ کر القاب شاہی کی توہین کیوں کرتے ہو ؟۔

کوئی اور شخص اس قسم کی حرکتیں کرتا تو لوگ اس کو ہنسی دل لگی کا نشانہ بنا لیتے

Marfat.com

لیکن صاحب عالم کی پابندی وضع چونکہ انتہائی خلوص کی وجہ سے تھی اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ ناداری کے باوجود بھی وضع شاہی نہ چھوٹنے پائے ' اس لئے شہر کے تمام چھوٹے بڑے آپ کی عزت و توقیر کرتے تھے اور آپ جس مجلس میں جاتے لوگ انتہائی احترام سے آپ کو بہترین جگہ پر بٹھاتے تھے۔

آپ کا ایک عجیب و غریب معمول یہ تھا کہ سال بھر میں ایک دفعہ اپنا شاہی جوڑا پہن کر کمشنر صاحب سے ملاقات کرتے اور ان سے پوچھتے کہ "ہماری سلطنت ہمیں کب ملے گی؟" کمشنر صاحب ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ "حضور والا مطمئن رہیں ' میں نے سلطنت کی بحالی کے لئے لکھ دیا ہے اور غالباً اسی سال کے اندر حضور کو سلطنت مل جائے گی"۔

جو کمشنر تبدیل ہو کر کسی دوسری جگہ چلا جاتا وہ اپنے جانشین کو یہ سمجھا کر جاتا کہ فلاں شہزادہ صاحب تشریف لائیں تو انہیں یہی جواب دینا اور انتہائی احترام سے پیش آنا کہیں وہ سرکار انگریزی سے ناراض ہو کر نہ جائیں۔

صاحب عالم تو اپنی سلطنت کی بحالی کے انتظار ہی میں عالم جاودانی کو تشریف لے گئے لیکن آپ کی پابندی وضع کی یاد اب تک اہل دل کو تڑپا رہی ہے۔ اگر یہ سرگزشت درست ہے تو کیا احباب لکھنؤ میں سے کوئی صاحب ان شہزادے صاحب کے متعلق مزید حالات ہمیں مہیا کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے؟ ------

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۲۱۷ پنج شنبہ ۔ ۲۲ ۔ مارچ ۱۹۲۸ء

(۳)

---- اس پر ہمیں ایک لطیفہ یاد آگیا جو "آئینہ" میرٹھ کے تازہ پرچے میں شائع ہوا ہے۔ واجد علی شاہ حکمران اودھ جو رنگیلے عالم پیا ' جان عالم کے لقب سے مشہور تھے ' عیش و عشرت اور غفلت کی وجہ سے بے تخت و تاج ہوے۔ آپ کے متعلق جہاں اور بہت سی داستانیں مشہور ہیں ' وہاں ایک روایت یہ بھی سنی جاتی ہے کہ جس وقت تک حکومت کا تختہ بالکل ہی الٹ نہ گیا ' آپ ٹس سے مس نہ ہوئے ۔ انگریزی فوج لکھنؤ کا محاصرہ کئے ہوئے تھی لیکن حضور کی محفل رقص و سرود بدستور گرم تھی۔ جب گورا فوج ایوان شاہی کے پاس پہنچ گئی تو چوبدار نے اطلاع دی کہ "حضور گورے آگئے"۔ ایک دم رقص و سرود کی روح پرور آوازیں بند ہو گئیں

Marfat.com

لیکن استاد جی جو سارنگی بجا رہے تھے ' ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگے ۔ خداوند ! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ۔ یہ غلام سارنگی کے گز ہی سے وہ خبر لے گا کہ انگریزی فوج کو خدا یاد آ جائے گا ۔ ادھر طبلچی میاں تشریف رکھتے تھے ' فرمانے لگے ۔ جہاں پناہ ! طبلے کی ایک ہی تھاپ سے تمام لشکر کو نوک دم نہ بھگا دیا تو جو چور کی سزا سو میری ۔ ارباب نشاط نے ایک ادائے مستانہ کے ساتھ گزارش کی کہ جان عالم ! ہمارے عشوے اور غمزے بھلا اور کس دن کام آئیں گے ۔ ذرا نگوڑوں کو سامنے تو آنے دیجئے ' نگاہوں کے وہ تیر پھینکے جائیں گے اور اداؤں کی وہ چھریاں چلائی جائیں گی کہ مزا ہی تو آ جائے گا ۔

ایک طرف ہیجڑوں کا طائفہ بھی رونق افروز تھا ۔ گورا فوج کے آنے کی خبر سن کر یہ فرقہ سب سے زیادہ دم بخود ہو رہا تھا لیکن جب دیکھا کہ سب لوگ جہاں پناہ کی حضور میں عرض وفا کر رہے ہیں تو ایک دم تمام طائفہ اٹھ کھڑا ہوا اور سارے ہیجڑے کولہے مٹکا مٹکا کر اور تالیاں بجا کر تھرکنے لگے اور یہ گیت گانے لگے ۔

تالیاں بجاؤ موئے بھاگ جائیں گے
تالیاں بجاؤ موئے بھاگ جائیں گے

غرض ہیجڑوں کی اس ہنگامہ خیزی سے محفل عیش از سر نو گرم ہو گئی لیکن عین گرمی محفل کے درمیان گورے محل شاہی میں داخل ہو گئے اور انقلاب روزگار نے ایک لمحہ کے اندر واجد علی شاہ کی تقدیر کا پانسہ پلٹ کے رکھ دیا ------

انقلاب ۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۱۵۳ ۔ پنج شنبہ ۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۲۸ء

(۴)

قارئین " افکار " کو یاد ہوگا ' ایک دفعہ ہم نے انہیں " کرشنا مورتی " سے روشناس کرایا تھا ۔ یہ ایک خوب صورت ہندو نوجوان ہے جسے مشہور خاتون مسزاینی بسنٹ نے بچپن ہی سے تھیوسوفیکل مذہب کی فضا میں پالا اور پروان چڑھایا ہے ۔ آج سے چند سال پیشتر اسی مذہب کے ایک پادری لیڈ بیٹر اور کرشنا مورتی کے بعض ناگفتہ بہ تعلقات کی بنا پر ایک مقدمہ بھی چلایا گیا تھا ' جس کا بعض اخباروں میں کئی روز تک چرچا ہوتا رہا ۔ پادری لیڈ بیٹر ہندوستان سے باہر نکال دیئے گئے اور کرشنا مورتی کو مسزاینی بیسنٹ نے اپنی نگرانی میں لے لیا ۔

Marfat.com

چند سال کی نگرانی کے بعد مسز اینی بیسنٹ نے اعلان کیا کہ کرشنا مورتی پیغمبر ہے مسیح موعود ہے ' آنے والے " ہادی عالم " کی روح اس کے اندر حلول کر گئی ہے ' اس لئے تمام تھیاسوفسٹوں کا فرض ہے کہ اس کو اپنا پیشوا اور پیغمبر مانیں ۔ چنانچہ انگلستان اور سکاٹ لینڈ کے کسی درمیانی مقام پر اس پیغمبر کی گدی کے لئے ایک عظیم الشان معبد بھی تعمیر کیا گیا اور اس کے فرقے کا نام " اسٹار آف دی ایسٹ " (مشرقی ستارہ) تجویز کیا گیا ۔ کرشنا مورتی نے اپنی مربیہ کے زیر نگرانی مختلف ملکوں کے دورے کئے اور اپنا پیغام تھیاسوفسٹ جماعت کے آدمیوں کو پہنچایا ۔

اس کے بعد مسز بیسنٹ نے ان کو امریکہ بھیج دیا کیونکہ امریکن ہر نئی تحریک کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں ۔ وہاں پہنچ کر کرشنا مورتی کی آنکھیں کھلیں ۔ شباب کی امنگیں جو پیغمبری کے بوجھ سے دبی ہوئی تھیں ' ایک دم بیدار ہو گئیں ۔ ہالی وڈ (سینما کا مرکز) کی پریوں نے اس پیغمبر کی متاع نبوت پر ایسی بری طرح ڈاکہ ڈالا کہ کرشنا مورتی جی کلیجہ مسوس کر رہ گئے اور سامان تقویٰ کو آگ لگا کر سینما کے ایکٹروں کی صف میں شامل ہو گئے ۔

ایران سے ایک جریدہ " عصر حدید " (جدید نہیں) شائع ہوتا ہے ۔ اس کے شمارہ ۴۷ (مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۳۰ء مطابق خرداد ۱۳۰۹) کے صفحہ ۷ پر " پیغمبر بازی گر " کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں کرشنا مورتی کے اس " صعود و ہبوط " کا خوب خاکہ اڑایا ہے ۔

یورپ میں جدید " پیغمبروں " کی مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

(یکے از پیغمبر جوانے ہندی موسوم) بہ کرشنا مورتی است کہ مدعی بودہ کہ او مسیح موعود و خداوند است کہ بہ صورت بشر ظاہر شدہ و بزمیں فرود آمدہ است ۔

اس کے بعد یورپ میں ان کی شہرت و اہمیت کا ذکر کر کے لکھا ہے :۔

ایں پیغمبر ہندی بزور خودش را تکذیب نمودہ از شغل پیغمبری دست کشیدہ ۔ در " ہولی وڈ " (امریکا) داخل صف بازی گران سینما شدہ است ۔

"شغل پیغمبری" کی بھی ایک ہی کہی اور کرشنا مورتی کی اس قلابازی کے لئے لفظ "بازی گر" کس قدر موزوں واقع ہوا ہے۔ (فارسی میں ایکٹر کو بازی گر کہتے ہیں) ۔

کرشنا مورتی نے " ورود عالم سینما و تکذیب پیغمبری " سے پہلے فرانس میں ایک

Marfat.com

اخبار کے نمائندے سے ملاقات کے دوران میں جو کچھ بیان کیا' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میری عمر تیس سال ہے۔ ٹینس اور گولف کے کھیل اچھی طرح جانتا ہوں' خصوصاً گولف میں بہت ماہر ہوں۔ میرا باپ ایک ہندوستانی برہمن تھا اور مسز اینی بیسنٹ کا مرید تھا۔ میں ہندوستان سے صرف فرانسیسی زبان سیکھنے کے لئے اس ملک میں آیا ہوں۔ نو دس سال کی عمر سے میرے دماغ میں مذہبی خیالات ٹھونسے جانے لگے لیکن میں نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ میں سب مذاہب حتیٰ کہ تھیاسوفی کا بھی منکر ہوں۔ میں نے تھیاسوفی کا بہت مطالعہ کیا ہے اور اب اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس میں بہت سی بے معنی باتیں ہیں۔

اخبار کے نمائندے نے سوال کیا کہ اب آپ کا کیا مذہب ہے؟ جواب ملا کہ اب میرا مذہب یہ ہے کہ انسان کو آزادانہ اور غیر مقید زندگی بسر کرنی چاہئے۔ حال ہی میں مجھے سینما کی ایک کمپنی نے ایکٹری کی دعوت دی ہے اور میں بھی اس شغل میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں' چنانچہ اس مطلب کے لئے ایک کمپنی سے گفت و شنید کر رہا ہوں۔

سابق پیغمبر حال ایکٹر صاحب نے یہ بھی فرمایا۔ میرا عقیدہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا برا ہے مثلاً تم نے کسی بھوکے کو کھانا کھلا دیا' چند گھنٹے کے بعد اسے پھر بھوک محسوس ہوگی اور وہ پھر کوئی ایسا ہی آدمی تلاش کرے گا جو اسے کھانا کھلا دے۔ گویا تمہارے احسان نے اسے اپنے آپ پر اعتماد کرنے کی خوبی سے محروم کر دیا۔

اس کے بعد جریدۂ مذکور لکھتا ہے کہ کرشنا مورتی کے مریدوں نے اپنے پیغمبر کے اس فعل پر سخت احتجاج کیا اور کہا کہ "از خر شیطان پیادہ شدہ و آرٹسٹی (ایکٹری) راترک گفتہ بباید درست و حسابی بہ پیغمبری خود مشغول باشد و نان راحتی بخورد"۔

لیکن کرشنا مورتی صاحب "پیغمبری" کے رکھ رکھاؤ سے تنگ آچکے تھے۔ انہوں نے کہا' جاؤ میاں' اپنی پیغمبری کو گھر رکھو۔ پیغمبروں کا کال نہیں پڑ گیا' کوئی اور دیکھو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ جریدۂ مذکور نے یہ قول نقل کیا ہے "پیغمبر قحط نیست۔ شما یہ دیگرے بگروید و بگزارید۔ من زندگی متنوعہ نمایم"۔

مغرب کا طوفان حسن و جمال اپنی بے پناہ موجوں کے سامنے تقویٰ تو درکنار "پیغمبری" تک کو بہا لے گیا۔ سبحان اللہ! جس مذہب کے پیغمبر کا یہ حال ہو' اس کے

Marfat.com

پیرووں کی از خود رفتگی کا اندازہ کون کر سکتا ہے ۔ ہم بہت بے تابی سے اس دن کا انتظار کر رہے ہیں کہ کرشنا مورتی جی کی کوئی متحرک تصویر ہندوستان میں آئے اور تھیاسوفی کے حامی اپنے "پیغمبر" کو اپنی آنکھوں سے ناچتے تھرکتے دیکھ لیں

انقلاب ۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۱۲۹ ۔ سہ شنبہ ۔ ۱۱ نومبر ۱۹۳۰ء

Marfat.com

تاریخی واقعات

(۱)

---- رپوٹر نے پچھلے دنوں اطلاع دی ہے کہ لندن میں " انڈیا ہاؤس " تعمیر ہو رہا ہے ۔ اس سے کہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ اس " ہندی خانے " میں کسی ہندوستانی کو بھی گھسنے کی اجازت ہوگی ۔ ہرگز نہیں ' بلکہ یہ " ہاؤس " جناب وزیر ہند اور ان کے لگے بندھوں ہی کے لئے " بورڈنگ ہاؤس " کا کام دے گا ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس عمارت کے اندر ہندوستانی فضا پیدا کرنے کے لئے دیواروں پر جو چوبی تختے نصب کئے جائیں گے ان پر ہندوستانی فیشن کے بیل بوٹے تراشے جائیں گے اور سامان میں بھی ہندوستانی رنگ ہی غالب رہے گا ۔ اس سے ہندوستانیوں کے جذبات کا احترام مقصود ہے ۔

اجی اس بیان کی کیا حاجت تھی ۔ ہندوستانیوں کے جذبات کا احترام تو آپ کی اس نوازش خسروانہ ہی سے ظاہر ہے کہ آپ اس عمارت پر جو تین لاکھ پاؤنڈ کی رقم صرف کر رہے ہیں ' وہ ساری کی ساری ہندوستانی خزانے سے وصول کی جائے گی ۔ گویا اس عمارت پر ایک بھی بدیشی پیسہ خرچ نہ کیا جائے گا ۔ " سودیشی " کی خدمت اس سے زیادہ کیا ہوگی ۔ ہمارے نزدیک کانگرس کو اس پر شکریے کی قرارداد منظور کرنی چاہیے ----

انقلاب ۔ جلد ۱ ۔ نمبر ۷ ۔ پنج شنبہ ۔ ۱۴ اپریل ۱۹۲۷ء

(۲)

---- دو تین سال ہوئے ایک صاحب نے منصوری سے ہمیں شراب کی ایک بوتل کا لیبل اتار کر بھیجا جس پر غازی انور پاشا شہید کی تصویر چھپی ہوئی تھی اور اس کے نیچے لکھا تھا ۔ " انور پاشا وسکی " ۔ ہم نے " زمیندار " میں اس کے خلاف احتجاجی مقالہ لکھا اور حکومت کو توجہ دلائی کہ مسلمان اس توہین پر مشتعل ہو جائیں گے ۔

تاجر شراب نے دیکھا کہ ایشیا میں انور پاشا کا نام بچے بچے کو محبوب ہے اور اس محبوبیت عامہ سے فائدہ اٹھانے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ شراب کو پاشا کے نام سے

Marfat.com

منسوب کر دیا جائے ۔ اس کم بخت کو یہ معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں میں شراب مطلق حرام ہے اور علی الخصوص غازی انور پاشا کو اس ام الخبائث سے اس قدر نفرت تھی کہ شرابی کے پاس بیٹھنا بھی باعث عار سمجھتے تھے ۔ حضرت شیخ الہند کے جانشین مولانا حسین احمد صاحب اور آپ کے رفقاء اس کے گواہ ہیں ۔

کل کی ڈاک میں ہمیں ایک اشتہار موصول ہوا ہے جس پر ٹیپو سلطان رحمتہ اللہ علیہ کی تصویر چھپی ہوئی ہے اور نیچے " ٹیپو سلطان بیڑی " کا اشتہار درج ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطان ممدوح کا نام ہر مسلمان کے لئے نہایت محترم ہے لیکن بیڑی اور سگریٹ جیسی چیزوں کو ایک مجاہد اعظم کے مقدس نام سے منسوب کرنا تو ہرگز تقاضائے احترام نہیں ہے ۔ سب سے زیادہ افسوس اس امر پر ہے کہ اشتہار دینے والے تاجر مسلمان ہیں ۔۔۔۔

انقلاب ۔ جلد ا ۔ نمبر ۵۴ ۔ چہار شنبہ ۔ ۸ جون ۱۹۲۷ء

(۳)

ملکہ وکٹوریہ کے عہد کا واقعہ ہے کہ افریقہ کے حبشی بادشاہ نے جس کا نام جاجا تھا ' ایک انگریز پادری کو قتل کر دیا ۔ ملکہ نے طیش میں آکر حکم دیا کہ اس بادشاہ کو گرفتار کر کے جزائر غرب الہند میں نظربند کر دیا جائے اور اس کو پانچ سے زیادہ بیویاں اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت نہ دی جائے ۔

اس حکم کے جواب میں جاجا نے ملکہ کے نام جو عریضہ لکھا وہ پڑھنے کے قابل ہے

پیاری بہن ملکہ وکٹوریہ ! تم نے میری جلا وطنی کا حکم دے دیا ' میں اس پر تمہیں کچھ نہیں کہتا ۔ جو کچھ تم نے کیا ' اچھا کیا لیکن تمہاری یہ بے انصافی ناقابل برداشت ہے کہ مجھے صرف پانچ بیویاں ساتھ لے جانے کی اجازت دی گئی ہے ۔ وقار شاہی کو برقرار رکھنے کے لئے مجھے کم از کم بارہ بیویوں کی ضرورت ہے ۔ تمہیں انصاف سے کہو ' اگر تمہیں صرف پانچ شوہروں پر اکتفا کرنے کا حکم دیا جائے تو تمہیں کتنی تکلیف ہو ۔ (راقم جاجا)

حبشی بادشاہ نے یہ سمجھ لیا کہ جس طرح اس کی قوم میں ہر مرد بے شمار بیویاں اور ہر عورت بے شمار شوہر رکھ سکتی ہے ' اسی طرح انگریزوں میں بھی یہ دستور ہوگا

Marfat.com

انقلاب ۔ جلد ۱ ۔ نمبر ۶۰ ۔ جمعہ ۔ ۱۷ جون ۱۹۲۷ء

(۴)

بعض ہندو جرائد کی جہالت ناقابل برداشت ہوتی ہے اور ان سب میں "ملاپ" کا درجہ جہالت بلند ترین ہے ۔ "انقلاب" کی کسی گزشتہ اشاعت کے بہرہ "افکار" میں افریقہ کے ایک حبشی بادشاہ جاجا کا وہ خط شائع ہوا تھا جو اس نے اپنی نظربندی کا حکم پانے کے بعد ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کی خدمت میں بھیجا۔ ملکہ نے اس کو صرف پانچ بیویاں ساتھ لے جانے کی اجازت دی تھی جس پر وہ ناراض ہو کر لکھتا ہے کہ "تمہیں انصاف سے کہو ' اگر تمہیں صرف پانچ شوہروں پر اکتفا کرنا پڑے تو تمہیں کتنی تکلیف ہو"۔

اس پر ہم نے لکھا تھا ۔ افریقی بادشاہ کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ جس طرح حبشیوں میں ہر مرد متعدد عورتیں اور ہر عورت متعدد شوہر رکھ سکتی ہے ' اسی طرح انگریزوں میں بھی (یہ)لے دستور ہوگا۔

اس پر ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کے "فرزند ارجمند" مسٹر خوش حال چند خورسند کو بے انتہا تکلیف ہوئی ہے ' چنانچہ آپ نے اپنے ایک ذیلی مقالے میں لکھا ہے کہ "انقلاب" نے ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کی توہین کی ہے ۔ اول تو کوئی یہ پوچھے کہ تم ملکہ وکٹوریہ کے کیا ہوتے ہو کہ خواہ مخواہ خدائی فوج دار بن کر کود پڑے ۔ اس کے علاوہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی جاہل اور بے وقوف وحشی کے احمقانہ کلمات کو نقل کرنے سے ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کی توہین کا پہلو کیونکر نکل آیا ۔ ہمارے نزدیک تو یہ امر ملکہ آنجہانی کی عظمت کا مظہر ہے کہ اس قسم کا فقرہ پڑھ کر بھی انہیں غصہ نہ آیا بلکہ انہوں نے ہنس کر ٹال دیا ۔

"ملاپ" نے بلا تحقیق اس واقعہ کو "بے بنیاد فسانہ" قرار دے کر اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے ' حالانکہ ایک مغربی امیر البحر Admiral Mark Kerr "ایڈمرل مارک کر" نے اپنی تصنیف کردہ تاریخ میں یہ واقعہ من و عن نقل کیا ہے اور "انقلاب" نے حبشی بادشاہ کے واقعہ کا لفظی ترجمہ شائع کیا ہے ۔

ایک انگریز تو اس واقعہ کو مستند سمجھ کر درج کرے اور "ملاپ" صاحب اس کو

Marfat.com

"بے بنیاد فسانہ" قرار دیں "مدعی ست اور گواہ چست" ایسے ہی موقع پر بولتے ہیں

اول تو اس رقعہ کا ترجمہ شائع کرنے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ پانچ شوہروں کو حقیقت میں ملکہ وکٹوریہ کی ذات سے منسوب کیا گیا ہے لیکن اگر بفرض محال ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو تسلیم کر لیا جائے تو کم از کم کسی ہندو اخبار کو تو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس امر کو توہین قرار دے۔ ہندوؤں کی دس ہزار مذہبی کتابوں سے یہ واقعہ نکال کر دکھایا جا سکتا ہے کہ مہارانی دروپدی کے پانچ شوہر تھے لیکن کیا ان کتابوں کے لکھنے والے مہارانی جی کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں اور آیا اس بیان سے ہندوؤں کے نزدیک مہارانی جی کے تقدس میں ذرہ بھر بھی فرق آ سکتا ہے ـــــ

انقلاب۔ جلد ۱۔ نمبر ۶۴۔ چہار شنبہ۔ ۲۲ جون ۱۹۲۷ء

(۵)

ــــــ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ انگلستان کے بادشاہ ایڈورڈ ہفتم اپنی ملکہ الیگزنڈرا کے ساتھ ایک مینا بازار میں گئے جو کسی خیراتی مقصد سے لگایا گیا تھا۔ ادھر ادھر پھرتے پھراتے وہ ایک لڑکی کے پاس سے گزرے جو پھول بیچ رہی تھی۔ بادشاہ نے اس لڑکی سے گجرا لے لیا لیکن قیمت دینے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہاں پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ چپکے سے ملکہ الیگزنڈرا کے کان میں کہنے لگے۔ "دیکھنا، ایک پاؤنڈ تمہارے پاس ہو تو دے دو"۔ ملکہ نے اپنا بٹوا کھولا تو اس میں بھی برکت ہی تھی۔ وہ کہنے لگیں "میرے پاس پاؤنڈ کہاں سے آیا؟"

مسٹر اسمتھ وقائع نگار خاندان شاہی پاس کھڑے تھے۔ جونہی انہوں نے بادشاہ اور ملکہ کے چہروں پر شرمندگی اور پریشانی کے آثار دیکھے، انہوں نے آگے بڑھ عرض کی۔ "حضور، خادم کو حکم دیجئے کیا ارشاد ہے؟"

بادشاہ نے آہستہ (سے) کہا۔ "میاں، حکم کیا ہوتا۔ ہم اس گل فروش لڑکی سے ایک گجرا خرید بیٹھے ہیں اور میاں بیوی دونوں کے پاس ایک دمڑی بھی نہیں۔ ایک پاؤنڈ کی ضرورت تھی۔ اگر ہوتا تو یہ ندامت کاہے کو اٹھانی پڑتی"۔

مسٹر اسمتھ کوئی بادشاہ تو تھے نہیں کہ ان کی جیب میں پیسہ نہ ہوتا۔ آپ نے جھٹ پاؤنڈ نکال کر حاضر کر دیا، جب کہیں جا کے بادشاہ اور ملکہ کی جان چھوٹی۔

Marfat.com

سنا ہے کہ محل واپس جا کر بادشاہ نے وہ پاؤنڈ مسٹر اسمتھ کو شکریئے کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ سبحان اللہ! کیسے دیانت دار لوگ تھے۔ اگر پاؤنڈ واپس نہ کرتے تو مسٹر اسمتھ ان کا کیا کر لیتے۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۸۵۔ شنبہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۷ء

(۶)

ابن سعود کے مخالفین کی ذہنیت آج تک ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ جب تک حجاز میں سواری کا اچھا انتظام نہ تھا' یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ سفرحج میں آسائش نہیں ہے۔ اب موٹریں چل رہی ہیں تو کہتے ہیں کہ افسوس حجاز بھی مغربیت کا شکار ہو رہا ہے۔ کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی میں روشنی کا انتظام اچھا نہ تھا' پرانے فیشن کی موم بتیاں اور شمع دان استعمال کئے جاتے تھے تو وہی لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر یہاں گیس کے ہنڈے یا بجلی کے لیمپ لگا دیئے جائیں تو سبحان اللہ' خدا اور رسول کے گھر بقعہ نور بن جائیں۔ اب بجلی کا انتظام زیر غور ہے تو یہ کہہ رہے ہیں کہ صد حیف' بجلی حرمین میں بھی پہنچ گئی' کوئی دن میں وہاں تہذیب مغربی کے اور لوازم بھی نظر آنے لگیں گے۔

جب بدو حاجیوں کو لوٹ لیا کرتے تھے تو یہی لوگ شکایت کیا کرتے تھے کہ سفرحج کیا ہے سفر آخرت ہے۔ آج ابن سعود نے بدوؤں کو مطیع کر کے امن و امان قائم کر دیا تو یہ شکایت کر رہے ہیں کہ دیکھئے صاحب یہ نالائق بدوؤں کو تنگ کرتا ہے حالانکہ وہ جیران خدا و رسول ہیں۔

جب تک حجاز میں ٹھنڈا پانی نہ ملتا تھا' یہ شکایت عام تھی کہ گرمی تو اس قدر شدید پڑتی ہے لیکن پیاس بجھانے کا کوئی انتظام نہیں۔ اب مکہ معظمہ میں برف کا کارخانہ قائم ہونے والا ہے تو کہہ رہے ہیں کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ حجاز اور برف' اب حجازی آرام طلب اور عیش پسند ہو جائیں گے اور اس کی ذمہ داری ابن سعود پر عائد ہو گی۔

پہلے یہ شکوہ ہوتا تھا کہ دوپہر کے وقت طواف کعبہ کرتے ہوئے بھیجا پلپلا ہو جاتا ہے اور پتھر کے بنے ہوئے فرش پر پاؤں نہیں رکھا جاتا۔ اب ابن سعود مطاف پر چھت ڈالنے کی تجویز کر رہا ہے تو وہی لوگ کہہ رہے ہیں کہ اگر مطاف مسقف کر دیا

Marfat.com

گیا تو خانہ کعبہ کا منظر بدنما ہو جائے گا۔

اس قسم کی بے شمار باتیں ہیں جن کو یہ لوگ حجاز میں دیکھنا چاہتے بھی ہیں اور نہیں بھی چاہتے۔ اصلی بات یہ ہے کہ عناد انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ اگر آج ترک حجاز پر قابض ہوتے اور وہاں موٹر، بجلی، برف وغیرہ کا اہتمام کر دیتے تو وہی لوگ ان کے شکریے کی قرار دادیں منظور کر کے بھیجتے کہ انہوں نے حجاز میں سہولتیں پیدا کر دیں۔ ابن سعود کوئی اچھا کام بھی کرے گا تو یہ حضرات اسے برا ہی بتائیں گے۔

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے

اب آپ ہی فرمایئے کہ ابن سعود کیا کرے؟ کیا موٹروں کو بند کر کے پھر اونٹ چلانا شروع کر دے؟ کیا بجلی کی تجویز کو ترک کر کے پھر موم بتیاں اور چراغ لے آئے تاکہ "مجاوروں" کو موم اور تیل میں غبن کا موقعہ ملے؟ برف خانہ قائم کرے یا نہ کرے؟

غرض دوگونہ عذا بست جان مجنوں را　　بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

انقلاب۔ جلد ۲ نمبر ۸۸۔ چہار شنبہ۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۷ء

(۷)

مسلمانوں کے لیڈر اخوت اسلامی کو اپنے شاعرانہ رنگ میں یوں بیان کیا کرتے ہیں کہ اگر کسی مراکشی مسلمان کے تلوے میں کانٹا بھی چبھ جائے تو اس کی تکلیف کو چین و ہند تک مسلمان محسوس کرتے ہیں۔ خدا جانے اس میں کچھ صداقت بھی ہے یا محض تخیل ہی کی جولانی ہے لیکن ایک تازہ واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اب "پین اسلام ازم" کا جذبہ روز بروز درجہ عاشقی تک پہنچ رہا ہے۔ جس دن اعلیٰ حضرت شہر یار افغانستان کو بروسلز میں حجامت بناتے ہوئے گلے پر زخم آیا، اسی دن غازی مصطفےٰ کمال پاشا انگورہ کے بازار میں غش کھا کر گر پڑے۔

خوں رگ مجنوں سے ٹپکا فصد لیلیٰ نے جو لی
عشق میں تاثیر ہے پر جذب کامل چاہئے

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۸۷۔ جمعہ۔ ۱۷، فروری ۱۹۲۸ء

(۸)

۔۔۔۔ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے ایک نامہ نگار نے یہ راز فاش کیا ہے۔

Marfat.com

برطانیہ اور نیپال کے موجودہ دوستانہ تعلقات کا آغاز عشق و عاشقی سے ہوا تھا۔ ۱۸۵۰ء کا ذکر ہے کہ موجودہ وزیر اعظم نیپال کے دادا جنگ بہادر رانا جوانی کے عالم میں انگلستان تشریف لے گئے اور وہاں ایک لعبت افرنگ کی سنہری زلفوں کے جال میں پھنس کر دل نادان نذر کر بیٹھے۔ جتنی مدت وہاں آپ کا قیام رہا' آپ کیف وصل سے مخمور اور دنیا و مافیہا سے بے خبر رہے اور جب ملکی ضروریات سے مجبور ہو کر واپس آنے لگے تو آپ نے اپنے دل و جان کی مالکہ کو اپنے ساتھ نیپال آنے کی دعوت دی۔ تنوع پسند اور خوش باش پری جمال نے دعوت کو ٹال دیا اور پیرس میں یہ دونوں الگ الگ ہو گئے۔ محبوبہ انگلستان چلی گئی اور عاشق فرقت زدہ نے ہندوستان کا رستہ لیا۔

لیکن رخصت ہوتے وقت جنگ بہادر رانا نے خالص مشرقی و "رومانی" انداز سے اپنی ایک انگوٹھی اس کافر ماجرا کی نذر کی اور کہا کہ جب کبھی مجھ سے کوئی خدمت لینی ہو تو یہ انگوٹھی فرمائش کے ساتھ بھیج دینا' میں حکم کی تعمیل میں جان سے بھی دریغ نہ کروں گا۔

چھ' سات سال گزر گئے۔ ۱۸۵۷ء کا "غدر" ہوا' اس وقت نیپال کی طرف سے حکومت ہند کو بے حد خطرہ تھا۔ چونکہ جنگ بہادر رانا اور انگریز عورت کے عشق کا قصہ انگلستان میں بہت سے لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا' اس لئے مدبرین برطانیہ نے اس محبوبہ شیریں ادا سے کہا کہ تم اس وقت حکومت کی مدد کرو اور وزیر اعظم نیپال کو جو تمہارا پرانا عاشق زار ہے' برطانیہ کا حلیف بن جانے یا کم از کم غیر جانب دار ہی رہنے پر آمادہ کرو۔

اس حسینہ کو بھی احساس ہوا کہ میں بھی کوئی چیز ہوں اور اب تو سلطنتیں بھی مجھ سے امداد چاہتی ہیں۔ چنانچہ اس نے نہایت تمکنت سے جواب دیا کہ "ملکہ وکٹوریہ خود مجھ سے استدعا کریں تو شاید میں کوشش کرنے پر آمادہ ہو جاؤں' ورنہ ایرے' غیرے' نتھو خیرے کے کہنے سے تو بندی ماننے کی نہیں۔" اس پر مدبرین اس کو ملکہ معظمہ کے حضور میں لے گئے۔ ملکہ نے باقاعدہ استدعا کی' جس پر حسینہ نے انگوٹھی نکال کر سامنے رکھ دی۔ ایک شقہ محبت اپنے دست خاص سے لکھا کہ "جان من' دیکھنا کہیں میری قوم کے خلاف تلوار اٹھا کر وفائے عشق کے دامن کو داغ دار نہ کرنا۔

Marfat.com

خاص ایلچی کے ہاتھ یہ رقعہ اور انگوٹھی بھیج دی گئی ' جس کا اثر یہ ہوا کہ جنگ بہادر رانا نے انگریزوں کا ساتھ دیا اور جب شرکائے غدر نے ترائی میں پناہ لینے کا ارادہ کیا تو جنگ بہادر رانا اور ان کے گورکھوں نے انہیں اپنے ملک کی سرحد میں داخل نہ ہونے دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب کے سب وہیں مرکھپ گئے۔

خدا جانے وہ عشق کس بلا کا عمیق اور "مخلصانہ" تھا کہ اس کے بعد آج تک انگریزوں اور نیپالیوں کے تعلقات ایک دن کے لئے بھی کشیدہ نہیں ہونے پائے۔ جنگ بہادر رانا کی اولاد جب تک نیپال کی وزارت عظمیٰ پر فائز رہے گی ' اس نوازش بے پایاں کو فراموش نہ کرے گی جو برطانوی قوم کی ایک حسینہ ناز آفریں نے ان کے مورث اعلیٰ پر ارزانی فرمائی۔ یہ کوئی بہت بڑا واقعہ نہیں ' جذبہ عشق اس سے بھی زیادہ اہم تاریخی حوادث و واقعات کا باعث ہوا ہے۔

عشق ازیں بسیار کردست و کند

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۹۸۔ شنبہ۔ ۴ ' اکتوبر ۱۹۳۰ء

(۹)

آج کل "بائیکاٹ" کا لفظ بہت عام ہو رہا ہے۔ ممکن ہے بعض حضرات کو اس طریق احتجاج کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہو ' اس لئے ہم مختصراً عرض کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی پچاس سال کا عرصہ گزرا ' برطانیہ کے ایک ضلع میں لارڈ ارون کی اراضی کا مختار کار ایک فوجی پنشنر کپتان تھا ' جسے "کیپٹن بائیکاٹ" کہتے تھے۔ ۱۸۸۰ء میں اراضی مذکورہ کے مزارعین جمع ہو کر کپتان بائیکاٹ کے پاس آئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ لگان کم کر دو۔ کپتان بائیکاٹ نے صاف انکار کر دیا۔

اس انکار کا اثر یہ ہوا کہ ساری آئرش آبادی نے کپتان بائیکاٹ سے مقاطع کر لیا۔ نہ کوئی شخص ان سے ملتا جلتا تھا نہ لین دین کرتا تھا۔ کوئی دکان دار ان کے ہاتھ کوئی چیز نہ بیچتا تھا اور کوئی کسان ان کو روٹی کا ایک ٹکڑا تک نہ دیتا تھا۔

بہت دیر تک کپتان بائیکاٹ صاحب اسی مصیبت میں مبتلا رہے۔ یہاں تک کہ ان کو بعض اوقات اپنی جان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو جاتا تھا کیونکہ لوگ انہیں جہاں دیکھ پاتے تھے ان کا تعاقب کرتے تھے۔

کپتان بائیکاٹ نے غیظ و غضب میں بھرے ہوئے لوگوں سے محفوظ رہنے

Marfat.com

لئے بعض اوقات نہایت عجیب و غریب تدبیریں کیں ' جن میں سب سے زیادہ مشہور وہ چال ہے جو کپتان صاحب نے اراضی سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتے وقت چلی۔ اگرچہ آپ نے اپنی روانگی کی خبر بالکل خفیہ رکھی تھی لیکن اس کے باوجود اندیشہ تھا کہ کسانوں کو ضرور معلوم ہو جائے گا اور وہ ان پر پل پڑیں گے۔

ایک دن کا ذکر ہے ' بازار مین لوگ کیا دیکھتے ہیں کہ بعض آدمی کسی مردے کا تابوت اٹھائے چلے جا رہے تھے۔ رقیق القلب اور پارسا آئرش لوگ تابوت کو دیکھ کر احتراماً کھڑے ہو جاتے تھے اور نہایت متقیانہ انداز سے اپنے سینوں پر صلیب کھینچتے جاتے تھے۔ تابوت ریلوے اسٹیشن پر پہنچا اور پلیٹ فارم پر رکھ دیا گیا کیونکہ نعش کے وارث اسے کسی دوسرے مقام پر لے جا کر دفن کرنا چاہتے تھے لیکن جونہی ٹرین آ کر ٹھہری ' تابوت کے پہلو کا تختہ کھلا ' کپتان بائیکاٹ صاحب چپکے سے نکل کر فرسٹ کلاس کے ایک ڈبے میں گھس گئے۔ ٹرین نے وسل دی اور کپتان صاحب بچ کر نکل گئے۔

اس کے بعد آئرلینڈ میں جب کبھی "مقاطعہ" کا ذکر آتا تھا کپتان بائیکاٹ ضرور یاد آتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۸۱ء میں آئرلینڈ کے مشہور مجاہد حریت پارنل نے سب سے پہلے اپنی ایک تقریر میں بائیکاٹ کے لفظ کو فعل کے طور پر استعمال کیا۔ مثلاً فلاں شخص کا بائیکاٹ کر دیا جائے گا یا ہم حکومت کو بائیکاٹ کر دیں گے۔ بس وہ دن اور یہ دن ' یہ لفظ انگریزی زبان میں شامل ہو کر ساری دنیا میں مقاطعہ کے معنی میں استعمال کیا جا رہا ہے اور بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ بائیکاٹ آج سے پچاس سال پہلے محض ایک آدمی کا نام تھا۔۔۔۔

انقلاب جلد ۵۔ نمبر ۱۴۴۔ سہ شنبہ۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۰ء

(۱۰)

شریف حسین (سابق شاہ حجاز) جزیرہ قبرص میں اپنی زندگی کے آخری دن پورے کر رہے تھے ' دفعتہً آپ بیمار ہو گئے۔ یار لوگوں نے بے پر کی اڑا دی کہ لڑھک گئے ' یہاں تک کہ ہم نے بھی انا للہ پڑھ دی لیکن دوسرے ہی دن ریوٹر صاحب نے فرمایا کہ "اجی توبہ ' وہ کہیں ایسی آسانی سے مرنے والے ہیں؟ وہ تو اچھے خاصے جیتے جاگتے موجود ہیں اور عنقریب قبر(ص) سے نکل کر دنیا کو اپنی زندگی کا

Marfat.com

ثبوت دینے والے ہیں"۔

اتنے میں شرق اردن سے خبر آئی کہ "صاحب الجلالتہ الهاشمیہ" اپنے فرزند جگر پیوند کے ہاں پہنچ گئے ہیں اور ہر طرف سے "ٹوڈیوں" کے وفود آپ کی خدمت میں حاضر ہور رہے ہیں۔ یہ کیوں؟ خلافت کی بیعت لینے کے لئے نہیں، صرف غسل صحت پر مبارک باد دینے کی خاطر کہ شکر ہے خدا کا، اس نے آپ کو بیماری سے بچالیا ورنہ اگر آپ خدانخواستہ مرجاتے تو دنیا یہ صدمہ کیونکر برداشت کرتی۔

اس کے بعد خبر آئی کہ عمان (شرق اردن) میں ایک کانفرنس منعقد ہونے والی ہے جس میں "صاحب الجلالتہ الهاشمیہ" رونق افروز ہوں گے اور عرب کے مختلف حصوں سے وفود آکر اس کانفرنس میں شریک ہوں گے۔ خدا جانے بڑے میاں کو اس عمر میں کانفرنس کی کیا سوجھی ہے اور بیٹھے بٹھائے کیانیا منصوبہ ذہن میں آیا ہے۔ خدا ہی خیر کرے۔ کہیں آپ پھر وہی خلافت کا ڈھونگ کھڑا کر کے دنیائے اسلام میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش نہ کریں۔ مسلمان تو ابھی آپ کے پرانے کارناموں کی یاد ہی سے فارغ نہیں ہوئے۔ یہ نئی حرکت خدا جانے کس نتیجے پر پہنچے۔

ایک اور لطیفہ سنیے۔ اسلامی ملکوں میں بعض ایسے اوقاف موجود ہیں جن کو "اوقاف حجازی" کہتے ہیں۔ قدیم سلاطین نے وہ اوقاف اس لئے قائم کئے تھے کہ ان کی آمدنی حجاز میں صرف کی جائے تاکہ ہر ملک کو خدمت حرمین شریفین میں شرکت کا فخر حاصل رہے، چنانچہ ان اوقاف کی آمدنی اب تک حجاز ہی میں صرف کی جاتی ہے۔

عراق میں بھی ایسے اوقاف موجود ہیں لیکن چونکہ آج کل حجاز پر سلطان ابن سعود کا تسلط ہے جن کی قوم کو شریف حسین اور اس کے بیٹوں نے نو سال تک حج کے لئے بھی حجاز میں گھسنے نہ دیا تھا، اس لئے امیر فیصل صاحب کیونکر یہ گوارا کرتے کہ ان اوقاف کی آمدنی جس طرح وہ خود کھا جایا کرتے تھے، اس طرح ابن سعود بھی اسے اپنے ہی مصرف میں لے آئیں گے، حالانکہ ابن سعود بادشاہ ہیں ان کو اوقاف کی آمدنی کھانے کا خیال نہیں آسکتا۔

اب عراق کی پارلیمنٹ کے بعض "ٹوڈی" ممبروں نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ عراق کے حجازی اوقاف کی آمدنی بادشاہ سلامت کے ابا جان کے سپرد کر دی جائے۔ کیوں؟ اس لئے کہ عراقی ٹوڈیوں کے نزدیک "بڑے میاں" اب تک محافظ حرمین

Marfat.com

شریفین ہیں - یہ اور بات ہے کہ آپ حفاظت سے محروم ہو چکے ہیں لیکن حجاز سے شکست کھا کر جزیرہ قبرص میں پہنچ جانے سے ان کا آبائی حق تو زائل نہیں ہو گیا جو انہیں حجاز پر حاصل ہے' لہٰذا عراقی تکیوں کی آمدنی کے لئے وہی موزوں ہیں - گو وہ آمدنی اللہ کے نزدیک صرف حجاز ہی پر صرف ہو سکتی ہو لیکن بڑے میاں نے پہلے ہی کونسا اللہ کا حکم مانا ہے جو اب مانیں گے -

حجاز پر اور حرمین (پر) تو آپ کا بس نہیں چلا' حجاز کی جائداد ہی پر ہاتھ صاف کرنے لگے اور عراق کا کوئی مسلمان فیصل اور اس کے باپ اور ان کے "کعبہ فروش" پٹھوؤں سے یہ نہیں پوچھتا کہ کیا شریف حسین کا پیٹ بھی مقامات مقدسہ میں شامل ہے کہ اس پر حجازی اوقاف کا روپیہ صرف کرنا شرعاً جائز ہو؟ وقف کرنے والے نے یہ کہا تھا کہ وہ روپیہ خدمت و حفاظت حرمین پر صرف ہو' اس لئے یہ روپیہ اس حکومت کے پاس پہنچنا چاہئے جو آج کل حرمین کی حفاظت و خدمت کر رہی ہے اور جس کے سائے میں عراق کے لوگ بھی حج سے مشرف ہو رہے ہیں - شریف حسین نہ مکہ ہے نہ مدینہ' نہ ان کا بادشاہ ہے نہ شریف ہے' نہ حاکم ہے - پھر اسے یہ حق کہاں سے حاصل ہو گیا کہ اوقاف حجاز کی آمدنی کھائے؟

حکومت ترکیہ کی جو جائداد بیرونی ممالک میں ہے' کیا اس کا کرایہ آج کل خلیفہ عبدالمجید خان وصول رہے ہیں یا وہ مصطفےٰ کمال پاشا کی حکومت کے پاس پہنچتا ہے؟ اگر حکومت افغانستان کا کچھ روپیہ کسی ہندوستانی کی طرف نکلتا ہو تو کیا اسے یہ چاہئے کہ حکومت افغانستان کے خزانے میں داخل کرے یا یہ چاہیئے کہ بمقام روما امان اللہ خاں کے نام منی آرڈر کر دے؟

اگر فیصل اور حسین میں ذرا بھی دیانت کا شمہ باقی ہے تو انہیں چاہئے کہ "اوقاف حجازی" کی آمدنی قبول کرنے سے صاف انکار کر دیں اور کہہ دیں کہ یہ آمدنی حجازیوں کا اور ان کی حکومت حاضرہ کا حق ہے لیکن ہمیں ان سے کوئی امید نہیں کیونکہ وہ دیانت دار ہوتے تو خلیفۃ المسلمین کے خلاف ہی کیوں علم بغاوت بلند کرتے

انقلاب - جلد ۵ - نمبر ۱۸۲ - شنبہ - ۱۷ جنوری ۱۹۳۱ء

Marfat.com

(۱۱)

جنگ عظیم سے پہلے جب انگلستان میں آئر لینڈ کو ہوم رول دینے کا سوال درپیش تھا، ایک دفعہ السٹر کے لیڈر سر ایڈورڈ کارسن نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر تم نے آئر لینڈ کو ہوم رول دے دیا اور السٹر کے حقوق کو پس پشت ڈال دیا تو میں قومی رضاکاروں کو حکم دوں گا کہ مسلح ہو کر میدان پیکار میں کود پڑیں۔ اس پر انگلستانی آئین و قانون کے کبوتر خانوں میں بے حد پھڑپھڑاہٹ پیدا ہوئی اور مشیران قانونی سے استفسار کیا گیا کہ آیا اس دھمکی کی بنا پر سر ایڈورڈ کارسن کے خلاف مقدمہ چلایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ جواب ملا کہ سر ایڈورڈ نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ان کی دھمکی مشروط تھی۔ جب تک آئر لینڈ کو ہوم رول نہ مل جائے اور جب تک سر ایڈورڈ اپنے رضاکاروں کو واقعی طور سے میدان پیکار میں نہ لے آئیں، ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی نہیں کی جا سکتی۔ انقلاب۔ جلد ۶۔ نمبر ۲۶۔ جمعہ۔ ۱۹ جون ۱۹۳۱ء

Marfat.com

Marfat.com

باب ہشتم

تہذیب و ثقافت

Marfat.com

Marfat.com

ہندو تہذیب اور مذہب

(۱)

بعض تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہندو جن میں پنڈت مدن موہن مالویہ بھی شامل ہیں ' یہ کہا کرتے ہیں کہ اچھوتوں کو کنوؤں سے پانی بھرنے کا حق حاصل ہونا چاہئے ۔ ان کو اونچی ذات کے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر حصول تعلیم کی اجازت ہونی چاہئے اور انہیں ہندوؤں کے مندروں میں جا کر پوجا پاٹ کرنے سے بھی کوئی شخص منع نہ کرے بس رعایتوں کی یہ آخری حد ہے ' اس سے زیادہ اچھوتوں کو ابھارا نہیں جا سکتا کیونکہ پھر " جات پات " کے آشرم کو نقصان پہنچتا ہے جو ہندو دھرم کا ضروری اصول ہے ۔

آریہ سماجی اس معاملے میں بہت آزاد خیال واقع ہوئے ہیں ' وہ اوپر کی تین رعایتوں کے علاوہ اچھوتوں کے ساتھ " روٹی بیٹی " اور " کھان پان " کے لئے بھی تیار ہیں لیکن پرانے خیال کے " کٹر " سناتنی آریہ سماجیوں کی آزاد خیالی تو درکنار پنڈت مالوی جیسے لوگوں کی " رعایتوں " کے بھی قائل نہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ اچھوتوں کی ہمدردی کا دعویٰ بھی کرتے ہیں ۔

جنوری میں بمقام بمبئی " سناتن دھرم اگر وال مارواڑی " حضرات کے جلسے میں جس کے صدر سری جگت گرو آننت اچاریہ مہاراج تھے ' کلکتہ یونی ورسٹی کے ایک پروفیسر مہا مہو پادھیائے پنڈت اننت کرشن شاستری نے ایک تقریر کی ' جس کا موضوع " اصلاح معاشرت " تھا ۔ آپ نے " جات پات " کی حمایت کی اور کہا کہ تیت جاتیوں کو کسی اونچی " جات " میں شامل نہیں کیا جا سکتا ۔ ان کی حالت وہی رہے گی جو ہزار ہا سال سے چلی آ رہی ہے ـــــ

اس کے بعد پنڈت جی مہاراج نے اچھوتوں کی امداد کا جو طریقہ تجویز فرمایا ہے ' وہ نہایت پر لطف ہے ۔ آپ نے کہا کہ بیسویں صدی میں لوگوں نے اپنے بزرگوں کے طور طریقے چھوڑ کر مغربی ڈھنگ اختیار کر لئے ہیں ۔ صبح ہی صبح پوجا پاٹ اور سیندھیا کے بجائے وہ اپنے قیمتی بوٹوں کو پالش کرنے لگتے ہیں ' پھر اپنی حجامت بھی خود ہی بناتے ہیں ۔ پھر ببول اور " سکھ چین " کی داتن کرنے کے بجائے دانتوں پر برش سے پوڈر ملتے ہیں ۔ اس طرح موچیوں ' نائیوں اور داتن بیچنے والوں کی حق تلفی ہوتی ہے ۔ اچھوتوں کی مدد کرنے کا سب سے بڑا طریقہ یہی ہے کہ دھرم کے مطابق زندگی

Marfat.com

بسر کرو تا کہ اچھوتوں کو ان کی روزی برابر ملتی چلی جائے۔

پنڈت جی یوں تو بڑی دور کی کوڑی لائے ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ نائی تو اپنے آپ کو اچھوت یا تیت ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ پچھلے دنوں ہندو نائیوں نے اپنے ایک جلسے میں قرار دیا تھا کہ ہم لوگ برہمن ہیں اور یہ دعویٰ قرین قیاس بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اچھوت تو وہ لوگ ہیں جن کے چھو جانے سے اونچی جاتیوں کا دھرم بھرشٹ ہو جایا کرتا ہے بلکہ جنوبی ہند میں تو ان کا سایہ پڑ جانے سے بھی غسل واجب ہو جاتا ہے لیکن نائی ہزارہا سال سے برہمنوں اور چھتریوں اور ویشوں کو مونڈتے چلے آرہے ہیں۔ آج تک کسی بڑے سے بڑے گیانی اور شاستری' پنڈت نے بھی نائی کے چھو جانے پر اعتراض نہیں کیا اور نائیوں نے مقدس رشیوں' منیوں تک کی "حجامتیں" بنائی ہیں' پھر وہ کیونکر اچھوت کہلا سکتے ہیں۔

یہ بھی عجب طریقہ ہے کہ زمانے کی ترقی سے فائدہ نہ اٹھایا جائے اور محض بعض لوگوں کو ان کے پرانے وسیلہ معاش پر قائم رکھنے کی غرض سے صدہا سال کی الٹی زقند بھری جائے۔ مثلاً تمام ہندوستانی موٹروں' ٹرینوں اور دخانی جہازوں میں سفر کرنا چھوڑ دیں کیونکہ ان چیزوں کے رواج کی وجہ سے اکے اور بہلیاں اور ڈونگے چلانے والے بے کار ہو گئے ہیں۔ سب لوگ مٹی کے دیئے جلائیں کیونکہ کیروسین آئل اور گیس اور بجلی کے لیمپوں کی وجہ سے کمہاروں اور تیلیوں کی روزی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ کاغذ کا استعمال ترک کر دیا جائے تاکہ درختوں کی چھال اور بھوج پتر جمع کرنے والوں کو روٹی مل سکے۔ تمام اسکول اور کالج بند کر دیئے جائیں کیونکہ جب سے یہ رائج ہوئے ہیں پاندھوں اور پنڈتوں کو کوئی نہیں پوچھتا اور وہ غریب بھوکوں مر رہے ہیں۔ دیا سلائی کا استعمال ترک کر دیا جائے کیونکہ چقماق بیچنے والے بے روز گار ہو رہے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۸۹۔ شنبہ۔ ۱۸ فروری ۱۹۲۸ء

(۲)

کسی زمانے میں ایک بزرگ نے ہندو مذہب کی "ہمہ گیری" پر اظہار خیالات فرماتے ہوئے لکھا تھا کہ ہندو کی کوئی خاص پہچان نہیں۔ مسلمانوں میں ہزار اختلاف ہوں لیکن اللہ' رسولؐ' قرآن' کعبہ' قیامت اور اس قسم کے اور متعدد عقائد میں

Marfat.com

سب کے سب متفق ہیں۔ اس کے برعکس ہندوؤں کا کچھ پتا نہیں چلتا، جو "ایکو برہم دو تیوناستی" کے قائل ہیں وہ بھی ہندو اور جو تیس کروڑ دیوتاؤں کو مانے وہ بھی ہندو، جو بتوں کی پرستش کرے وہ بھی ہندو اور جو مورتی پوجا کا کھنڈن کرے وہ بھی ہندو، جو رام اور کرشن کو اوتار مانے وہ بھی ہندو اور جو نہ مانے وہ بھی ہندو، جو ویدوں کو الہامی تسلیم کرے وہ بھی ہندو اور جو نہ تسلیم کرے وہ بھی ہندو، جو تیرتھ یاترا کا قائل ہو وہ بھی ہندو، جو نہ ہو وہ بھی ہندو، جو آواگون اور نیوگ کو مانے وہ بھی ہندو اور جو نہ مانے وہ بھی ہندو، جو گوشت نہ کھائے وہ بھی ہندو، اور جو بلا تکلف مانس چٹ کر جائے وہ بھی ہندو۔ غرض دنیا کے جتنے عقیدے ہیں، ان پر قائم رہنا یا نہ رہنا، ہندو کو "غیر ہندو" نہیں بناتا جب تک وہ کلمہ پڑھ کر کھلم کھلا مسلمان ہی نہ ہو جائے ---

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۱۲۲۔ سہ شنبہ۔ ۱۳ نومبر ۱۹۲۸ء

(۳)

ہندوؤں کو فن تاریخ سے کبھی لگاؤ نہیں پیدا ہوا۔ مسلمانوں کے آنے سے پیشتر تو ان میں تاریخ نویسی کا رواج ہی نہ تھا یہی وجہ ہے کہ گویہ قوم ہزار ہا سال کی قدامت کا دعوی رکھتی ہے لیکن اس عہد طویل کے متعلق اس کے پاس کوئی تاریخ نہیں۔ مسلمانوں کی صحبت اور ان کے فیض تعلیم سے ہندوؤں میں بھی بعض مورخین پیدا ہو گئے لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے -----

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۱۵۹۔ پنج شنبہ۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۲۸ء

(۴)

----- یہ ہندوؤں کے ایک فرقے کی پراچین تہذیب ہے۔ ذرا غور تو کیجئے کہ ہندوستان کے مذہبی مسائل کیسے عجیب و غریب ہیں۔ مہذب دنیا کے لوگ جب یہ سنتے ہوں گے کہ ہندوستانیوں کی ایک قوم ننگ دھڑنگ پھرنے کو اپنا مذہبی حق سمجھتی ہے اور اس کو محفوظ رکھنے کے لئے کمیٹیاں قائم کرتی پھرتی ہے تو وہ کیا کہتے ہوں گے۔ یہ شوق عریانی صرف جینی منیوں تک محدود نہیں خود "مہاتما" کا لباس بھی "تہمت لباس" یا "عذر لباس" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور پھر لطف یہ ہے کہ اس قوم کو اپنی تہذیب قدیم پر بہت ناز بھی ہے۔

Marfat.com

اگر " مذہبی حقوق " کی یہی کیفیت ہے تو پھر ایک دن ہم یہ بھی سنیں گے کہ مندروں میں جو دیوداسیاں یا مرلیاں عمر بھر پیشہ کراتی رہتی ہیں، وہ بھی چونکہ زمانہ قدیم سے اپنے اس مذہبی حق کو استعمال کر رہی ہیں، لہٰذا سوراج کی حکومت کو ان کا یہ حق بھی تسلیم کرنا چاہئے۔ اگر دیوداسیوں کا پیشہ فحش کاری ہے تو مردوں کا مادرزاد برہنہ ہو کر مردوں، عورتوں اور بچوں میں بے تکلف پھرنا کونسی حیاداری ہے ----

----- تہذیب کا منشا یہ ہے کہ انسان کھانے میں، پہننے میں، اٹھنے میں، بیٹھنے میں، میل ملاپ میں اور عام معاملات میں خوش اطوار، بااخلاق اور دیانت پیشہ بن جائے لیکن بعض ہندوؤں کے ہاں تہذیب کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ننگا پھرے اور اپنے اعضائے مخصوصہ و مستورہ کو مردوں عورتوں اور بچوں کے سامنے بے تکلف دکھاتا پھرے۔ گاندھی جی نے بھی خدا جانے لنگوٹی کس مجبوری سے باندھ رکھی ہے، ورنہ جس شخص کے نزدیک "عریانی انسانیت کا اعلیٰ ترین تخیل" ہو اور جو دل سے اس کا شائق ہو، اس سے کچھ بعید نہیں کہ کسی وقت وہ لنگوٹی بھی اتار پھینکے اور "انسانیت کے اعلیٰ ترین تخیل" کو حاصل کرے۔ سبحان اللہ! کیا تخیل ہے اور کیا انسانیت ہے۔

انقلاب۔ جلد ۶۔ نمبر ۴۸۔ جمعہ۔ ۱۷ جولائی ۱۹۳۱ء

Marfat.com

مختلف تہذیبوں کا میل جول

(۱)

بعض احباب دریافت کر رہے ہیں کہ مسٹر آصف علی اور مس گنگولی کی شادی کے متعلق مدیر "افکار" کی کیا رائے ہے؟ گذارش یہ ہے کہ اسلام میں اہل کتاب کے سوا اور کسی غیرمذہب کی عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں اور مشرکات سے شادی کرنے کی تو صاف صاف ممانعت قرآن مجید میں موجود ہے لیکن اس کے تمام احکام "الذین آمنوا" کے لئے ہیں، جن لوگوں کا ایمان ہی درست نہ ہو، ان کے نزدیک سبھی کچھ جائز ہے۔ بدقسمتی سے مغربی تعلیم نے مسلمانوں میں بھی بعض ایسے اشخاص پیدا کر دیئے ہیں جو نکاح کے معاملے میں صرف "عشق و محبت" کو معتبر سمجھتے ہیں، کیش و مذہب کو اہمیت نہیں دیتے۔

ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اگر کسی مسلمان بادشاہ نے بھی کسی ہندو عورت کو اسلام میں داخل کئے بغیر اس سے نکاح کیا ہے تو شرعاً اس کا نکاح درست نہیں -----

----- مس کیتھرائن میونے تو "مدر انڈیا" اس لئے لکھی تھی کہ امریکہ اور انگلستان مین ہندوستانیوں کے خلاف نفرت پھیل جائے اور وہاں کی عورتیں ہندوستانیوں کو امراض مخصوصہ میں مبتلا سمجھ کر ان سے اجتناب کریں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس پروپیگنڈے کا اثر الٹا پڑا۔ آج کل امریکہ کی ایک نہایت حسین و ذہین اور ذی علم خاتون مس ملر سابق مہاراجہ صاحب اندور سے شادی کرنے کے لئے بے قرار ہو رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ خواہ کچھ بھی ہو وائس رائے ناراض ہو جائیں، مہاراجہ کا وظیفہ بند ہو جائے، جلا وطنی اختیار کرنی پڑے لیکن میں اپنے عاشق سے وفا کروں گی۔

اب ہم یہ سن رہے ہیں کہ مس ملر کی چھوٹی بہن بھی کچھ ایسا ہی ارادہ رکھتی ہیں۔ آپ آج کل امریکہ میں مقیم ہیں لیکن اپنی بہن کے نام خط میں لکھتی ہیں کہ "بڑی آپا تم یہ نہ سمجھو کہ اکیلی اکیلی ہندوستانی آدمی کے معاشقہ کا لطف اٹھا جاؤ گی، میں خود بھی ہندوستان آ رہی ہوں۔ میرا بھی وہاں ایک چاہنے والا رہتا ہے جو ہندوستان میں لیڈر سمجھا جاتا ہے۔ میرے (اور) اس کے درمیان مدت سے نامہ و پیام کا

Marfat.com

سلسلہ جاری ہے اور اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے، اڑ کے ہندوستان پہنچ جاؤں اور اس پیارے لیڈر کی آغوش کو آباد کروں۔"

معلوم نہیں یہ کونسے لیڈر ہیں جو اندر ہی اندر مہاراجہ اندور کے ہم زلف بنے جا رہے ہیں۔ بہرحال آریہ سماج کو ایک اور شدھی کے لئے تیار رہنا چاہئے، بشرطیکہ وہ لیڈر مسلمان نہ ہو۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۷۰۔ چہار شنبہ۔ ۲۵ جنوری ۱۹۲۸ء

(۲)

سابق مہاراجہ صاحب اندور اور مس ملر کے سنجوگ کے رشتے میں کچھ ایسی گرہ پڑی ہے کہ کھلنے میں نہیں آتی۔ قدم قدم پر مشکلات حائل ہو رہی ہیں لیکن اب بمبئی کے چند آریہ سماجیوں نے مس ملر کو شدھ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ آریہ سماجی قوم کے مرہٹے ہیں۔ "ملاپ" نے اس خبر پر دو عنوان لکھے ہیں:۔

۱۔ مہاراجہ اندور کے مس ملر سے بواہ کا انتظام ہو گیا۔

۲۔ مرہٹہ بہادروں نے لنگر لنگوٹے کس لئے۔

ہم حیران ہیں کہ مہاراجہ صاحب اور مس صاحبہ کی شادی پر مرہٹہ بہادروں کو "لنگوٹے کسنے" کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔

اس دنگل میں جوڑ تو مہاراجہ صاحب اور مس صاحبہ کا ہے، مرہٹے یونہی لنگوٹے کس رہے ہیں۔ لڑے کوئی اور زور کسی کا خرچ ہو۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۸۱۔ جمعہ۔ ۱۰ فروری ۱۹۲۸ء

(۳)

حضرت مولانا جامی نے ایک مقطع فرمایا تھا کہ

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

آج کل بعض ہندو عورتوں اور مسلمان مردوں نے اس شعر کو اپنا دستور العمل بنا رکھا ہے۔ چند ماہ گزرے پونا کی ایک پڑھی لکھی خاتون مس مالتی پاتید کرنے مسٹر گلاب خاں سے شادی کر لی اور آریہ سماجیوں کے شور و شغب کو گوز شتر سے زیادہ

Marfat.com

وقعت نہ دی

اس کے بعد نینی تال کی مس گنگولی نے دہلی کے بیرسٹر مسٹر آصف علی سے معاشقہ کر کے عقد کی حامی بھرلی اور علی الرغم " مخالفین " شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں ۔

اب ایک تازہ خبر موصول ہوئی ہے ۔ پونا کے اخبار " دھیان پرکاش " نے لکھا ہے کہ ایک تعلیم یافتہ مرہٹہ لڑکی تپلی بائی نے ایک مسلمان نوجوان مسٹر ہاشمی سے شادی کرنے کا ارادہ کرلیا ہے ----

---- یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ " روشن خیالی " صرف ہندو عورتوں ہی کے حصے میں آئی ہے ۔ بعض اوقات مسلمان لڑکیوں کی آنکھیں بھی اس " روشن خیالی " کی تیز کرنوں سے چندھیا جایا کرتی ہیں ۔ مثلاً لاہور کے ایک مسلمان بیرسٹر عزیز احمد کی صاحب زادی حسن آرا بیگم نے لالہ ہرکشن لعل کے صاحب زادے کنہیا لال گابا سے شادی کر رکھی ہے ۔

ایک مثل مشہور ہے کہ " جب میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی " ۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جب کوئی ہندو مرد یا عورت کسی مسلمان مرد یا عورت کے ساتھ شادی کرنے پر رضا مند ہو جائے تو پھر شریعت بے بس ہو جاتی ہے ۔ قاضی کی ضرورت نہیں رہتی ' نکاح رجسٹرار ہی کافی ہوتا ہے ۔

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۱۸۵ ۔ چہار شنبہ ۔ ۱۵ فروری ۱۹۲۸ء

(۴)

----- مہاراجہ صاحب اندور (جو سابق مہاراجہ کہنے سے چڑتے ہیں) مس میوکو مرہٹنی بنانے سے فارغ ہو کر فرماتے ہیں کہ کچھ مدت کے بعد میں اپنی تمام طاقتیں ' قوتیں اور قابلیتیں ملک کی خدمت کے لئے وقف کردوں گا ۔

خدا جانے اب کیا قیامت آنے والی ہے اور مہاراجہ صاحب قومی خدمت کا کونسا شعبہ پسند فرمانے والے ہیں ۔ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ آپ شدھی سبھا میں کام کریں گے کیونکہ پچھلے ایک دو ماہ کے دوران میں آپ پر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ شدھی کرنے والے بڑا اختیار رکھتے ہیں ۔

لیکن ہمارے نزدیک بہتر یہ ہو گا کہ آپ مس طرکو ساتھ لے کر امریکہ چ

Marfat.com

جائیں اور اگر خدمت قومی کا بہت ہی زیادہ ولولہ اٹھے تو مس میو کے پروپیگنڈے کا مقابلہ کریں ، اس سے قومی خدمت بھی ہو جائے گی اور رنگ رلیوں کا موقع بھی ملتا رہے گا۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۹۷۔ سہ شنبہ۔ ۲۸ فروری ۱۹۲۸ء

(۵)

۔۔۔۔۔ مغرب کی عورتوں میں آج کل ایک نیا شوق روبہ ترقی ہے جسے "مہاراجہ بازی" کہنا چاہئے۔ ممتاز بیگم مہاراجہ اندور کی محبوبہ تھی ، اس کے بعد مس نینسی ملر انہی کی منظور نظر ہو کر مہارانی شرستھا دیوی بن گئیں۔ اسی طرح بعض دوسرے مہاراجہ بھی سفید رنگ کی لعبتوں کے عشق میں دیوانے ہو رہے ہیں۔ مہاراجوں کے اس انہماک کو دیکھ کر امریکہ کے بعض پری جمالوں کو "مہاراجہ بازی" کا شوق چرایا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں خبر آئی ہے کہ ایک امریکن رقاصہ مس ایڈاجن کو قدرت نے رقص کے کمالات کے علاوہ حسن و جمال سے بھی بہرۂ وافر عطا فرمایا ہے ، کسی "دل پھینک" مہاراجہ کی تلاش میں ہندوستان وارد ہوئی ہیں۔ ایک اخباری نمائندے نے آپ سے ملاقات کی تو آپ نے نہایت نخرے سے کہا۔ "مس ملر تو حسن صورت میں میرے پاؤں کی ایڑی کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی۔ جب وہ ایک مہاراجہ سے شادی کرنے میں کامیاب ہو گئی تو میں کسی مہاراجہ کو اپنے جال میں کیوں نہ پھنسا سکوں گی۔"

اب دیکھنا یہ ہے کہ مغرب کی یہ بجلی مشرق کے کس خرمن پر گرتی ہے اور کونسے مہاراجہ کا تمنا پرور دل اس پر جان دیتا ہے لیکن ہمیں اندیشہ ہے کہ امریکن لڑکیوں کا یہ شوق بہت دنوں تک پورا نہ ہو سکے گا کیونکہ امریکہ کا دامن اس قسم کے لاکھوں پھولوں سے بھرا پڑا ہے اور ہندوستان میں مہاراجہ چند سو سے زیادہ نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ مغربی لڑکیاں تعدد ازواج کو بھی روا نہیں رکھتیں ، ورنہ چند سو لڑکیوں کے لئے تو گنجائش نکل ہی آتی۔ ان لعبتان فرنگ کی خدمت میں عرض ہے کہ ہندوستان کو اپنی توجہات معشوقانہ سے معاف رکھیں اور امریکہ ہی میں قسمت آزمائی کیا کریں ، جہاں ایک ایک تاجر مہاراجہ ہے۔ جب عقد نکاح کا مقصد محض روپیہ ہے تو اس میں مشرق و مغرب کی تخصیص کیوں ہو۔

Marfat.com

وفا کیسی ، کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

اگر مقصد روپیہ نہیں اور صرف ایشیائی آغوش کی آرزو انگیز گرمی ہی باعث کشش ہے تو پھر "مہاراجہ" کی قید اڑا دیجئے ، ہندوستان میں لاکھوں ایسے بھوکے ننگے نوجوان موجود ہیں جو بطیب خاطر اپنی خدمات پیش کرنے کو تیار ہوں گے۔ روپے پیسے کے سر پر خاک ڈالو ، محبت عجب چیز ہے۔

امریکن لڑکیوں کے شوق کا یہ حال ہے اور مس میو برابر چلائے جا رہی ہیں کہ ہندوستان میں اخلاق کا نام و نشان نہیں اور اہل ہند کی اکثریت "ازکار رفتہ" ہو چکی ہے۔ مس صاحبہ کو چاہئے کہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو سمجھائیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہندوستان کو بھاگی ہوئی تو وہ آئیں اور بدنام ہمارے نوجوانوں کو کیا جائے۔

انقلاب ۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۲۲۱ ۔ سہ شنبہ ۔ ۱۷ مارچ ۱۹۲۹ء

Marfat.com

Marfat.com

باب نہم

مغربی تہذیب

Marfat.com

Marfat.com

تہذیب مغرب

(۱)

۔۔۔۔ یورپ والوں کو جو بات سوجھتی ہے ' نئی سوجھتی ہے ۔ ولایتی اخباروں سے معلوم ہوا ہے کہ انگلستان کی بعض تندرست عورتوں نے اپنا دودھ بیچنا شروع کر دیا ہے اور وہ سربمہر بوتلوں میں بند کر کے فروخت کیا جاتا ہے ۔ یہ جدت اس لئے اختیار کی گئی ہے کہ جو شوقین اور خوش باش یورپین خواتین اپنے بچوں کو دودھ پلانے سے نفرت کرتی ہیں ' ان کے بچے گائے کے دودھ کے محتاج نہ رہیں بلکہ انہیں عورت کی چھاتیوں کا دودھ مل سکے ۔

اگر اس طریق عمل میں کامیابی ہوئی تو کچھ عجب نہیں کہ جس طرح ہندوستان میں خالص دودھ مہیا کرنے کے لئے گئو شالے قائم کئے جاتے ہیں ' اسی طرح یورپ کے شہروں میں " عورت شالے " کھول دیئے جائیں ' جن کا دودھ دونوں وقت دوہ کر باقاعدہ بوتلوں میں بھرا جا سکے اور وہ بوتلیں انگلستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھیجی جا سکیں ۔ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ عورت شالوں میں دودھ دوہنے کے فرائض خود عورتوں ہی کے سپرد کئے جائیں ۔ اگر یہ کام مردوں سے لیا گیا تو بعض ناگفتہ بہ فتنے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے ۔

اگر انسانی دودھ کی تجارت اعلیٰ پیمانے پر جاری ہو گئی تو ہندوستان میں بے شمار ایسے متفرنج حضرات پیدا ہو جائیں گے جو اپنے بچوں کو پیدائش کے وقت ہی سے یورپین ماں کے دودھ سے پرورش کرنا مناسب سمجھیں گے کیونکہ ایک تو وہ دودھ تپ دق کے جراثیم سے پاک ہو گا ' جس کی شکایت اکثر ہندوستانی ماؤں کو رہتی ہے ۔ دوسرے وہ ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق نہایت احتیاط سے بوتلوں میں بند کیا جائے گا ' اس لئے صحت بخش ہو گا ۔ تیسرے وہ انگریزی بولنے والی عورتوں کا دودھ ہو گا جس کے پینے سے بچے کے رگ و ریشہ میں انگریزی رچ بس جائے گی ۔

اس دودھ کے مروج ہونے کے بعد کچھ عجب نہیں کہ بعض جوان اور بوڑھے بھی " شیر خوار " بننے کی کوشش کرنے لگیں اور عورت کا دودھ چائے اور پڈنگ[له] اور پورج[له] میں بھی استعمال ہونے لگے ۔

انقلاب ۔ جلد ۱ ۔ نمبر ۴۹ ۔ پنج شنبہ ۔ ۲ جون ۱۹۲۷ء

Marfat.com

(۲)

----- سچ یہ ہے کہ ہم دور افتادگان ایشیاء تہذیب مغرب کے نکات کو سمجھنے سے قطعاً عاجز ہیں - آئے دن کوئی نہ کوئی ایسی بات سننے میں آتی ہے کہ ایشیا والے بھونچکا رہ جاتے ہیں - آپ کو معلوم ہو گا کہ سلطان فواد شاہ مصر آج کل انگلستان کی سیر فرما رہے ہیں - ریوٹر نے اطلاع دی ہے کہ جب شاہ فواد پرسٹن کے کارخانہ ہائے پارچہ بافی کے معائنہ کے لئے گئے تو کارخانے کی عورتوں نے جھنڈیاں ہلا ہلا کر آپ کا خیر مقدم کیا اور اپنے رخسار لالہ گوں بڑھا بڑھا کے بوسے نذر کئے -

اسے مہمان نوازی کی انتہا کہتے ہیں اور اس کا دل گردہ مغرب کی عورتوں ہی نے پایا ہے - دنیا کی اور کوئی قوم اس کی تقلید نہیں کر سکتی - پھر مہمان بھی شاہ فواد ہی جیسا ہونا چاہئے جو مسلمان ہونے کے باوجود حسین و جمیل میزبانوں کے رخساروں کو چومنے میں تامل نہیں کرتا -

کیا جلالتہ الملک کی مراجعت پر جامعہ ازہر کے علمائے کرام آپ کی اس حرکت کے متعلق جواب طلب کریں گے ؟

انقلاب - جلد ۲ - نمبر ۱۷ - یک شنبہ - ۲۴ جولائی ۱۹۲۷ء سنڈے ایڈیشن

(۳)

----- "سیاسیات" کا نامہ نگار اس خبر کا ذمہ دار ہے کہ ڈلہوزی میں ایک میم صاحبہ رہتی ہیں ' ان کے ہاں ایک بھنگی ملازم تھا - پچھلے دنوں عدالت نے اس بھنگی کو آٹھ ماہ کی قید با مشقت کی سزا دی ہے کیونکہ اس نے میم صاحبہ کی عصمت دری کی کوشش کی تھی -

اس جرات رندانہ رکھنے والے بھنگی نے عدالت میں بیان کیا کہ میم صاحبہ ہر روز میرے سامنے بالکل مادر زاد برہنہ ہو کر نہایا کرتی تھیں مجھے روز یہی خیال ہوتا تھا کہ شاید اس حرکت سے مجھے دعوت سیہ کاری دے رہی ہے - آخر ایک دن میرا پیمانہ صبر بالکل لبریز ہو گیا اور میں میم صاحبہ سے لپٹ گیا - سرکار انصاف کرے ' آخر اس میں میرا کیا قصور ہے -

بھنگی نے زبان حال سے یہ بھی کہا ہو گا کہ جب شباب کا خون رگوں میں دوڑتا ہو اور ایک پرکالہ آتش اور شعلہ عریاں روز مرہ نظر کے سامنے آکر خرمن صبر و قرار

Marfat.com

پر بجلیاں گرائے تو ظاہر ہے کہ شرم و احتیاط کا دامن کب تک ہاتھ میں رہ سکے گا۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۴۲ ۔ سہ شنبہ ۔ ۲۳ اگست ۱۹۲۷ء

(۴)

۔۔۔۔۔ امریکہ کے مشہور شہر نیویارک کا ایک اخبار " ایوننگ گریفک "[۴۳] لکھتا ہے کہ ایک عورت پر شراب کی ناجائز فروخت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا ۔ جب ملزمہ نے یہ دیکھا کہ اس پر الزام ثابت ہو چکا ہے تو اس نے کہا کہ میری گود میں بچہ ہے جسے میں دودھ پلاتی ہوں اس لئے مجھ پر اور اس بچے پر رحم کیا جائے ۔ ابھی جج اور جیوری کے ارکان اس مطالبہ پر غور کرنے نہ پائے تھے کہ اس قتالہ عالم نے بھری عدالت میں اپنا سینہ کھول دیا اور اپنی چھاتیاں دکھا کر کہنے لگی ۔ " یقین نہ ہو تو دیکھ لو ' میری چھاتیوں میں دودھ بھرا ہے ۔ "

عدالت میں سناٹا چھا گیا ۔ من چلے تماشائی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس منظر عریانی کو دیکھنے لگے ۔ جج نے عورت کو سینہ ڈھک لینے کا حکم دیا اور بیس ڈالر اور دو گھنٹے حراست کی سزا دے دی ۔

اگرچہ یہ افسوں پوری طرح کارگر نہ ہوا اور عورت بالکل بری نہ کر دی گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ سزا کی نرمی جج صاحب کے تاثر کی صاف غمازی کر رہی ہے ۔

کیا یہی وہ امریکہ ہے جہاں کی ایک کنواری نے ہندوستان کے خلاف کتاب لکھ کر یہاں کی حیادار اور شرمیلی عورتوں پر ناپاک حملے کئے ہیں ؟[۴۴]

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۶۵ ۔ پنج شنبہ ۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۷ء

(۵)

۔۔۔۔۔ انگلستان میں جنگ عظیم سے پہلے حقوق طلب عورتوں کی ایک نہایت ہنگامہ خیز جماعت پیدا ہو گئی تھی جس کی لیڈر مس سلویا پنکرسٹ تھیں ۔ اس عورت کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ ایک اس نے مسٹر ایس کو ۔ تم وزیر اعظم کو " لان " گھاس پر پٹک کر خوب گھسیٹا اور اس کی ساتھنوں نے وزیر اعظم کی ٹوپی کو فٹ بال بنا لیا ۔

جنگ چھڑتے ہی حب وطن کے تقاضے سے ان " فراٹا بیگموں " نے اپنی تمام

Marfat.com

سرگرمیاں طاق نسیاں پر رکھ دیں اور خدمت قوم میں مصروف ہو گئیں ۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا سال ہا سال سے مس پنکہرسٹ اور ان کی سہیلیوں کے حالات سے بے خبر ہے ۔

لیکن پچھلے دنوں مس سلویا پنکہرسٹ کا نام ایک دفعہ پھر اخباروں میں شائع ہوا کیونکہ مس صاحبہ کے ہاں شادی بیاہ کے بغیر ہی دفعۃً ایک ہنستا کھیلتا موٹا تازہ گلگوتھنا سا بچہ پیدا ہو گیا تھا ۔ مس پنکہرسٹ سے سوال کیا گیا کہ "کہو نیک بخت ' تم نے اب تک شادی نہیں کی ' پھر یہ بچہ کہاں سے آ گیا ؟ " اس کے جواب میں "مس" صاحبہ نے فرمایا کہ دس سال سے میں نے اپنے ایک دوست کو اپنا "منہ بولا شوہر" بنا رکھا ہے ۔ اس کی عمر ۵۴ سال کی ہے اور وہ مجھ سے سات سال بڑا ہے ۔ میرے اور اس کے درمیان انتہائی محبت ہے ۔ مجھے مدت سے شوق تھا کہ شادی بیاہ کے بکھیڑوں سے آزاد رہ کر ایک بچہ پیدا کر لوں تا کہ وہ میرے بعد میرے کام کو جاری رکھے لیکن قومی کاموں سے فرصت نہ ملتی تھی ۔ اب جو عورتوں کو رائے دینے کا حق مل گیا تو میں فارغ ہو کر بچہ پیدا کرنے کی فکر میں مصروف ہو گئی ۔

سوال کیا گیا کہ آپ نے اپنے بچے کا نام کیا رکھا ؟ "مس" پنکہرسٹ نے جواب دیا ۔ میرے بچے کا نام رچرڈ کیئر پیتھک پنکہرسٹ ہے ۔ رچرڈ اس کے باپ کے نام کا جزو اول ہے "کیئر" مسٹر کیئر ہارڈی (مشہور ممبر پارلیمنٹ) اور "پیتھک" مسٹر پیتھک لارنس کی محبت میں رکھا گیا ہے ۔ گویا معلوم ہوا کہ یہ بچہ کسی ایک باپ کا نہیں بلکہ متعدد احباب کی کرم فرمائی کا نتیجہ ہے ۔

"مس" سلویا پنکہرسٹ فرماتی ہیں کہ شادی کی اصل محبت ہے ۔ جہاں مرد اور عورت میں محبت ہو ' وہاں "جائز اور ناجائز" کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ نکاح ' طلاق ' نان نفقہ ' گھر بار یہ سب بکھیڑے ہیں ' جو ہم لوگوں نے اپنی گردنوں میں باندھ رکھے ہیں ۔ میرے عزیز اور رشتہ دار میرے بچے کی پیدائش کے وقت سے سخت ناراض ہیں لیکن میں ایسے احمقوں کی کچھ پروا نہیں کرتی ۔ میں نے چائے کی ایک چھوٹی سی دکان کھول لی ہے جس کی آمدنی سے اپنے پیارے بچے کو پال رہی ہوں ۔

انقلاب ۔ جلد ۲ نمبر ۲۶۰ ۔ یک شنبہ ۔ ۱۳ مئی ۱۹۲۷ء ۔ سنڈے ایڈیشن

Marfat.com

(۶)

----- "ڈیلی ہیرلڈ" (لندن) میں ایک خبر شائع ہوئی ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت عجیب اور دل چسپ ہے۔ ایک شخص اپنی محبوبہ کو ساتھ لے کر سینما کی تصاویر دیکھنے گیا۔ وہاں جا کر جو بیٹھا تو دائیں جانب اس کی محبوبہ تھی اور بائیں جانب کوئی اور لڑکی بیٹھی تھی۔ جب اندھیرا ہوا اور حسب معمول عشاق مضطر مصروف بوس و کنار ہوئے تو وہ شخص بالکل فراموشی کے عالم میں بائیں جانب مائل ہوا اور اس نے چٹاخ سے اس لڑکی کا منہ چوم لیا۔ وہ لڑکی بے انتہا بھنائی اور اس نے ایک سانس میں بیسیوں صلواتیں سنا دیں۔ اس وقت جناب کو معلوم ہوا کہ کس قدر فاش غلطی ہو گئی۔ شور و شغب سن کر پولیس آ گئی لیکن جب طرفین کو اس غلطی کا حال معلوم ہوا تو معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

یہ غلطی تو فراموشی کا نتیجہ تھی لیکن ایک دفعہ ایک میم صاحبہ نے عجلت کے عالم میں ایک بہت پر لطف غلطی کا ارتکاب کیا تھا آپ میکے جانے لگیں' آپ کے صاحب بہادر آپ کو ساتھ لے کر ریلوے اسٹیشن پر آئے مزدور نے سامان اٹھایا' وقت تنگ تھا' جلدی جلدی چل کر پلیٹ فارم پر پہنچے۔ گاڑی نے سیٹی بجائی۔ میم صاحبہ نے بدحواسی کے عالم میں آؤ دیکھا نہ تاؤ مزدور کو پکڑ کر اس کا تو بوسہ لے لیا اور چار پیسے جیب سے نکال کر میاں کے ہاتھ پر رکھ دیئے' اس کے بعد جھٹ ریل میں سوار ہو گئیں۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۲۷۸۔ چہار شنبہ۔ ۶ جون ۱۹۲۸ء

(۷)

جاپان اس اعتبار سے دنیا بھر میں بے نظیر ملک ہے کہ اس میں بوسہ بازی کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ بر سر عام کسی مرد کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا تو بڑی بات ہے' جاپانی خلوت میں بھی اس قسم کی حرکت کا ارتکاب نہیں کر سکتے بلکہ بچوں تک کا منہ چومنے کا رواج نہیں ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ بوسہ انسان کے زمانہ وحشت کی یادگار ہے اس لئے مہذب انسانوں کو لازم نہیں کہ ایک دوسرے کے منہ سے منہ لگاتے پھریں۔ ان کے نزدیک یورپ کی وحشت و بربریت کا سب سے بڑا مظہر یہی بوسہ ہے۔

اس حقیقت کے انکشاف سے قارئین کرام غالباً یہی سمجھے ہوں گے کہ جاپانی قوم

Marfat.com

حسن اخلاق اور حیاداری میں نظیر نہیں رکھتی لیکن ایک اور حقیقت بھی سن لیجئے۔ جاپان میں یہ عام رواج ہے کہ 'گھر بھر کے سب لوگ بلا امتیاز مرد و زن' میاں بیوی' جوان بیٹے اور جوان بہوئیں' جوان بیٹیاں اور جوان داماد' غرض سب کے سب بالکل مادرزاد برہنہ ہو کر روزانہ ایک ہی حوض میں غسل کرتے ہیں اور اس بے حیائی اور عریانی کے عیب کو محسوس بھی نہیں کرتے۔ ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ دنیا کے دوسرے باشندے ایک دوسرے کے سامنے برہنہ نہانے سے کیوں پرہیز کرتے ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چند یورپین عورتیں جاپان کے ایک ہوٹل میں ٹھہریں۔ جب غسل کا وقت آیا تو انہوں نے ہوٹل کے ملازم کو جو ان کی خدمت پر مامور تھا' بلا کر تاکید کر دی کہ "دیکھو کسی کو غسل خانے کی طرف نہ آنے دینا' ہم نہا رہی ہیں۔" ملازم نے سر تسلیم خم کیا اور کسی کو اس طرف نہ آنے دیا لیکن دوران غسل میں ایک دفعہ کوئی بات دریافت کرنے کے لئے خود درانہ غسل خانہ میں آن گھسا' جس پر عورتیں گھبرا کر چیخنے چلانے لگیں اور بدحواس ہو کر بھاگ گیا۔

ان عورتوں نے ہوٹل کے مینجر سے شکایت کی تو اس نے بتایا کہ یہاں برہنگی و عریانی کے متعلق نقطہ خیال بالکل دوسرا ہے۔ آپ مطمئن رہئے ملازم کی نیت ہرگز خراب نہ تھی ـــــ

انقلاب جلد ۳۔ نمبر ۲۲۸۔ چہار شنبہ۔ ۲۷ مارچ ۱۹۲۹ء

(۸)

یورپ کے اخباروں میں جہاں کہیں عورتوں کے جذبات' ان کے اوصاف اور ان کے مذاق کا ذکر ہوتا ہے' عورتیں باعتبار صورت دو قسموں میں منقسم کی جاتی ہیں۔ بلانڈ یعنی بہت گوری' نیلی آنکھوں اور سنہری بالوں والی' برونٹ یعنی کم گوری' سیاہ آنکھوں اور کالے بالوں والی۔ ان دونوں کا لفظی ترجمہ ہمارے نزدیک صبیحہ اور ملیحہ موزوں ہو گا۔ جمالیات اور نفسیات کے ماہرین کی رائے یہ ہے کہ صبیحہ اور ملیحہ عورتیں اپنے جذبات اور میلانات کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صبیحہ میں ملیحہ کی نسبت تاثر کا مادہ کم ہوتا ہے اور ملیحہ مردوں کے لئے اپنے اندر زیادہ دل کشی رکھتی ہے۔ بعض ایسے بھی ہیں جو اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔

۷ مارچ کو نیویارک کے میجسٹک تھیٹر میں دن کے ڈھائی بجے ایک سائنٹیفک

Marfat.com

تجربہ کیا گیا۔ یہ تجربہ اس قدر حسین و جمیل اور جذبہ انگیز تھا کہ غالباً سائنس کی دنیا میں اس کی کوئی مثال نہ ہو گی۔ اس تجربہ کے ملاحظہ کے لئے ملک کے بڑے بڑے سائنس دانوں، ڈاکٹروں اور نفسیات و جمالیات کے ماہروں کو جو دعوت نامہ بھیجا گیا، اس میں یہ لکھا تھا کہ آپ اس تجربہ کا معائنہ کرنے کے لئے ضرور تشریف لایئے۔ اس تجربہ کا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا مرد کے بوسے کا جذباتی اثر ملیحہ پر زیادہ ہوتا ہے یا صبیحہ پر اور آیا مرد کے نزدیک ملیحہ کا بوسہ زیادہ لذیذ ہوتا ہے یا صبیحہ کا۔

اس تجربہ کا طریق کار یہ تجویز کیا گیا ہے کہ چار نہایت اچھوتی دوشیزہ لڑکیاں منتخب کی گئیں، جن میں سے دو ملیحہ اور دو صبیحہ تھیں۔ بیس نوجوان منتخب کئے گئے۔ ان سب کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تاکہ ذاتی پسند اور شخصی ذوق جمال اس تجربہ کی علمی و طبیعی حیثیت پر غالب آکر اسے بے اثر و بے سود نہ بنا دے اور تاثر کی صحیح پیمائش میں فرق نہ آنے پائے۔

لڑکیوں پر ان بیس آدمیوں کے بوسوں کے اثرات کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ایک نئی قسم کا بے حد حساس برقی آلہ استعمال کیا گیا، جس کی ساخت اس آلے سے ملتی جلتی تھی جس سے ڈاکٹر مریضوں کی حرکت قلب کو سنا کرتے ہیں۔ (یعنی اسٹیتھس کوپ) اس آلے کے ساتھ ایک آلہ مکبرالصوت بھی لگا دیا گیا تاکہ دل کی دھڑکن کو ہر شخص نہایت واضح طور پر سن لے۔

یہ تجربہ صدہا سائنس دانوں، ڈاکٹروں اور ماہرین نفسیات کے روبرو کیا گیا۔ ابھی اس کی تفصیلات ہماری نظر سے نہیں گزریں لیکن اتنا معلوم ہے کہ ایک ملیحہ رقاصہ کے قلب نے بوسے کے اثر سے دوسری لڑکیوں کے مقابلے میں پندرہ مرتبہ فی منٹ زیادہ حرکت کی اور یہ وصف سائنس دانوں کے نزدیک بالکل عدیم المثال تھا۔

لیکن اگر سائنس دان حضرات بے ادبی معاف فرمائیں تو ہم ان سے یہ گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ اس تجربہ سے علمی و طبیعی منشا پورا نہیں ہوا کیونکہ عورت کے جذبات، آنکھوں اور بالوں کے رنگ پر موقوف نہیں ہیں بلکہ کچھ خلقی اثر، کچھ تربیت اور کچھ ماحول کے ماتحت نشوونما حاصل کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بوسوں سے متاثر ہونے میں عورت کا کوئی بھی دخل نہ ہو اور محض مردوں کی گرم جوشی اور جذبات کی کمی بیشی ہی عورت پر اثر انداز ہوئی ہو کیونکہ یہ تو مسلم ہے کہ بعض خاص

Marfat.com

قسم کے مرد عورتوں کے قلوب میں دوسروں کی نسبت زیادہ تیز و تند جذبات برانگیختہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ تجربہ اس قدر آسان نہ تھا جس قدر امریکہ کے سائنس دانوں نے سمجھ لیا ہے۔ اس کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ چند یکساں جذبات و میلانات کی عورتیں اور مرد کہیں سے فراہم کئے جائیں اور ماہرین نفسیات ان کو اچھی طرح ٹھوک بجا کر دیکھ لیں کہ آیا وہ تاثر جذبہ یا جذبہ انگیزی میں بہت بڑی حد تک یکساں ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد ان کو ایک دوسرے کا بوسہ لینے کے لئے کہا جائے اور پھر برقی آلات سے تاثرات کی پیائش کی جائے۔ جذبات کے مختلف درجوں اور تاثرات کی مختلف صلاحیتوں کو جمع کرنے کا نتیجہ علمی حیثیت سے چنداں واضح اور مفید نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ ہر عورت کے بیس بوسے لینا بھی درست نہیں۔ ایک بوسہ جذبہ انگیز بھی ہو سکتا ہے۔ تاثر بھی پیدا کر سکتا ہے لیکن ایک نہ دو اکٹھے بیس تو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ ممکن ہے کہ ایک لڑکی پر دو تین بوسوں تک تو صحیح انفعال کی کیفیت طاری رہے اور اس کے بعد رفوچکر ہو جائے۔ ہمارے نزدیک علمی مقصد کے لئے ایک دو بوسوں سے زیادہ نہ ہونے چاہئیں۔

یہ ان ملکوں کے "علمی" مشاغل ہیں جنہوں نے سائنس اور نفسیات کی دریافتوں کو عین الکمال تک پہنچا دیا ہے۔ اگر یہ بے حیائی بڑھ کر مرد اور عورت کے مزید اختلاط کے تاثرات تک پہنچ گئی اور مغربی سائنس دانوں نے باقاعدہ چھتیس آسنوں والی "کشمیری کوک شاستر" کا جواب لکھنا شروع کر دیا تو خدا جانے مس میو کی کتنی ہم وطن بہنیں محض "علمی مقاصد" کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنے پر آمادہ ہو جائیں گی اور کتنے مرد محض سائنس کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔

اللہ اللہ! اخلاق انسانی کی پستی اور ذلت کس حد تک پہنچ گئی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اس کو "تہذیب" اور شائستگی کہا جاتا ہے۔

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۲۸۰۔ یک شنبہ۔ ۲۶، مئی ۱۹۲۹ء۔ سنڈے ایڈیشن

Marfat.com

(۹)

کیا کبھی آپ نے سنا ہے کہ کسی ایشیائی عورت نے اپنی زندگی بلکہ صرف شباب کے دوران میں پچاس شوہروں سے ازدواجی تعلق پیدا کیا ہو؟ ہمارے نزدیک اس قسم کی مثال اس سارے براعظم میں ناپید ہے لیکن یورپ اس قسم کی متعدد مثالیں پیش کر سکتا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کے باوجود بھی بعض یورپین مصنفین اہل ایشیا کو خواہشات نفسانی کا اسیر بتاتے ہیں اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتے۔

تازہ ولایتی ڈاک میں ایک یورپین قتالہ عالم کا تذکرہ موصول ہوا ہے۔ یہ محبوبہ شیریں ادا موزز میں پیدا ہوئی۔ ماں باپ غریب تھے لیکن خدا نے اس کو حسن و جمال سے بہرۂ وافر عطا فرمایا تھا۔ جب اس نے خیابان شباب میں قدم رکھا تو اس کے آئینے نے اس میں غرور حسن کی عاشقی آمیز ادائیں پیدا کر دیں اور گھٹیا قسم کے ناول پڑھ پڑھ کر جن میں بعض اوقات غریب لیکن حسین پنہاریاں بھی بڑے بڑے نوابوں کی بیگمات بن جایا کرتی ہیں اس لڑکی کے دماغ میں طالع آزمائی کی شوریدگی پیدا کر دی۔

سب سے پہلے پیرس کا ایک دولت مند شخص اس عشوہ کار کی سنہری زلفوں کے پیچ میں ایسا گرفتار ہوا کہ یہ اسے انگلیوں پر نچاتی تھی اور وہ اس کا ہر مطالبہ دل و جان سے پورا کرتا تھا۔ یہ دونوں ازدواج کی زنجیر طلائی میں جکڑے گئے لیکن روز بروز اس حسینہ کے دل میں یہ خیال پختہ ہوتا چلا گیا کہ اس کی آنکھوں میں ایک قیامت خیز مقناطیسیت ہے، جس کے سامنے کسی مرد کا ایمان سلامت نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اس نے شوہر پر اکتفا نہ کر کے اپنی فتوحات کا دامن پھیلانا شروع کر دیا۔

اس شیریں کار اور شہر آشوب پری جمال کی عشق انگیز ادائیں ایسی تھیں کہ ہر عاشق کو اس پر پیکر وفا ہونے کا دھوکہ ہوتا تھا اور وہ یہی سمجھتا تھا کہ اسے دنیا بھر میں مجھ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں لیکن اس کا معمول یہ تھا کہ وہ ہر مرد سے شادی کر کے اس کے روپے کو کسی اور بڑے شکار کے پھانسنے میں صرف کرتی اور جب کوئی نیا پھنس جاتا تو کسی دوسرے شہر میں جا کر اس سے شادی کر لیتی۔ اس میں سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ ایک مقام پر چند ماہ سے زیادہ نہ ٹھہرتی تھی تاکہ پہلا شوہر دوسرے عقد ازدواج میں مزاحم نہ ہو سکے۔

وہ پیرس سے روما، روما سے میڈرڈ، میڈرڈ سے نیس اور اس طرح یورپ کے بہت سے پر فضا مقامات میں پہنچی اور غالباً کوئی ایسا بڑا شہر نہ ہو گا، جہاں اس کا ایک

Marfat.com

آدھ شوہر موجود نہ ہو۔ وہ ہمیشہ اعلیٰ درجے کی سوسائٹی سے میل جول رکھتی۔ بے شمار روپیہ اپنے لباس اور سنگھار پر صرف کرتی اور صرف دولت مندوں ہی کو اپنے ناز ستم کا تختہ مشق بناتی۔ وہ ان کا روپیہ اندھا دھند لٹاتی لیکن کسی کو جرات نہ ہوتی تھی کہ اس کی خواہش کی تکمیل سے انکار کرے۔

اس قتالہ عالم کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے ایک امریکن کروڑ پتی کو اپنے گیسوئے زریں کا اسیر کر لیا تھوڑی ہی مدت کے بعد وہ اس سے بھی سیر ہو گئی اور ایک دن اسے چھوڑ کر چل دی لیکن رخصت کے وقت تک وہ اس دولت مند شوہر سے اتنا روپیہ بٹور چکی تھی کہ انتہائی اسراف کے باوجود چار سال تک وہ اندوختہ ختم نہ ہو سکا۔

آخر ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ اس کے دل میں بے اختیار اپنے وطن دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ وہ سیدھی بروسلز پہنچی اور پھر نئے شکار کی تلاش میں مصروف ہو گئی۔ بالوں کا سنہرا پن، آنکھوں کی مقناطیسیت، رخساروں کی تمتماہٹ اور عشوہ و غمزہ کی سحرپاشی، دولت و آسائش کی وجہ سے بدستور تھی۔ ایک دولت مند شخص پر وہ بے پناہ نظریں پڑیں اور بیک اشارہ اس کو برباد کر گئیں۔ اس نے اپنا سب کچھ اس کافر کے قدموں میں ڈال دیا۔ اس نے نئے عاشق کو قبول کیا اور شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

عین اس حالت میں ایڈرین (حسینہ کا نام) کا ایک پرانا شوہر وہاں آ نکلا اور جب اسے دریافت حال پر معلوم ہوا کہ نیا دولت مند اس عورت کا "اکاونواں" شوہر ہونے والا ہے تو اس نے پولیس کو اطلاع دے دی۔ چند منٹ کے اندر دنیا کو گرفتار کرنے والی پولیس کے برقندازوں کے چنگل میں گرفتار ہو گئی۔ افسوس کہ بروسلز کی پولیس کے سپاہی جذبات رقیقہ سے بالکل بے بہرہ واقع ہوئے تھے اور ان کے دلوں میں عشق انگیز نگاہوں اور بوسہ طلب ہونٹوں کا نظارہ کوئی ولولہ پیدا نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ فتوحات حسن کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ آج وہ محبوبہ عالم آشوب جیل خانے کی سنگین دیواروں میں محبوس ہے اور اس کے پچاس شوہر پولیس کی طرف سے بطور گواہان استغاثہ طلب کئے جا رہے ہیں۔

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۷۵۔ پنج شنبہ۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۲۹ء

Marfat.com

(۱۰)

ـــــ یورپ اور امریکہ کے لوگوں نے مرد اور عورت کے تعلقات ازدواجی میں جو بے شمار جدتیں پیدا کی ہیں ' وہ ہم مشرقیوں کے لئے نہایت عجیب و غریب ہیں۔ آئے دن عورتوں کی طرف سے طلاق کے جو مقدمات دائر ہوتے رہتے ہیں ' ان میں وجوہ طلاق کی تجویز میں بھی جدت ہوتی ہے ۔ مثلاً "میرا شوہر بہت فربہ ہے اور میں دھان پان سی نازنین ہوں ' لہٰذا طلاق دلائی جائے"۔ "میرا شوہر میرے لب و رخسار کے بوسے حد سے زیادہ لیتا ہے جس سے مجھے بہت پریشانی ہوتی ہے ' اس لئے طلاق دلائی جائے یا عدالت روزانہ بوسوں کی تعداد مقرر کردے"۔ "میرا شوہر بہت بڑا پیٹو ہے اور میں روئی کا پھولا اور "چڑیا کی زبان" کھا کر بھی درد شکم میں مبتلا رہتی ہوں ' لہٰذا طلاق دلائی جائے۔" غرض اس قسم کی بے شمار وجوہ پیش کی جاتی ہیں جن کو سن سن کر دنیا محو حیرت رہ جاتی ہے۔

چونکہ مغرب میں شادی کا مدار عشق و محبت ہے ' اس لئے اکثر نوجوان عورتیں اور مرد جب عین عالم شباب میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو بتقاضائے فطرت ان میں باہم کشش پیدا ہو جاتی ہے ۔ اس زمانے میں جذبات کا سمندر پورے تلاطم پر ہوتا ہے اور فطرت کے نفسانی تقاضے کو غلطی سے عشق سمجھ لیتے ہیں لیکن شادی کے چند ہی ماہ بعد جب خروش جذبات کا چڑھا ہوا دریا اترنے لگتا ہے تو طرفین کو دفعتہً محسوس ہوتا ہے کہ ان کے درمیان عشق نہ تھا ' محض جوش شباب تھا جو اکثر و بیشتر وفا سے ناآشنا اور تنوع کا خواہاں ہوتا ہے ۔ چنانچہ طلاقیں شروع ہو جاتی ہیں ۔

ہندوستان میں ازدواج عاشقانہ تعلقات پر مبنی نہیں بلکہ ایک معاشرتی فریضہ تسلیم کیا گیا ہے جسے مرد و زن طوعاً و کرہاً پورا کرنے پر مجبور ہیں یہی وجہ ہے کہ یہاں زن و شو کے تعلقات علی العموم خوش گوار رہتے ہیں ' طرفین اپنی طبیعت کو ایک دوسرے کے موافق و مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور طلاق کی بہت کم نوبت آتی ہے ۔

مغرب میں اکثر ازدواجی تعلقات کے قیام کی یہ صورت ہے کہ جب میاں بیوی ایک دوسرے سے سیر ہو جاتے ہیں تو مرد کسی اور پری جمال سے دل لگا لیتا ہے ۔ عورت اپنی دلچسپی کی راہیں الگ نکال لیتی ہے اور دونوں ایک دوسرے سے تعرض نہیں کرتے ۔ وہ سوسائٹی کی نگاہوں میں میاں بیوی بنے رہتے ہیں ۔ ایک مکان میں

Marfat.com

سکونت رکھتے ہیں ۔ میاں کماتا ہے ' بیوی اڑاتی ہے لیکن عشرت اندوزی کے وقت الگ الگ ہو جاتے ہیں ۔

نیویارک سے ایک تازہ ترین جدت کی اطلاع موصول ہوئی ہے ۔ ایک حسین و جمیل ایکٹریس نے ایک کروڑ پتی سے صرف رات کے وقت کے لئے ازدواج کا تعلق پیدا کیا ہے ۔ امریکہ والوں نے اس شادی کا نام ہاف ٹائم ڈیوٹی رکھا ہے ' یعنی " نصف ٹائم کی شادی " ۔ معاہدۂ نکاح یہ ہے کہ بیوی روزانہ چھ بجے شام سے صبح کے آٹھ بجے تک اپنے شوہر کی آغوش میں ڈیوٹی دیا کریں گی ۔ جسے ریاستوں کی اصطلاح میں " پلنگ کی نوکری " کہتے ہیں اور سورج نکلتے ہی مانجیرو شابہ سلامت ۔ تو کون اور میں کون ۔

دن بھر میاں دوسری عورتوں سے دل بہلایا کریں اور بیوی دوسرے مردوں کی آرائش محفل بنی رہا کریں گی اور کیا عجب ہے کہ دونوں نے دن کے وقت کے لئے علیحدہ شادیاں کر رکھی ہوں ۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ طریقہ مغرب میں بہت مقبول ہو گا کیونکہ وہاں تعدد ازواج جرم ہے اور یہ طریقہ تعدد ازواج کی ضرورت کو بوجہ احسن پورا کر دیتا ہے ۔ کپلنگ کا قول نہایت صحیح ہے کہ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب ہے ' دونوں ' میں کبھی میل نہیں ہو سکتا ۔

انقلاب ۔ جلد ۴ ۔ نمبر ۹۰ ۔ یک شنبہ ۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۹ء ۔ سنڈے ایڈیشن

(۱۱)

مشرق اور مغرب کی ذہنیتوں میں جو تفاوت ہے وہ اکثر مواقع پر نہایت نمایاں نظر آتا ہے ۔ مغرب کے میلانات جسمانی و نفسانی اور مشرق کے رجحانات اخلاقی و روحانی ہیں ۔ لسان العصر مولانا اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا تھا ۔

مشرق کو ہے ذوق روحانی مغرب کو ہے میل جسمانی
کہا منصور نے خدا ہوں میں ڈارون بولا بوزنہ ہوں میں
سن کے کہنے لگے مرے اک دوست فکر ہر کس بقدر ہمت اوست !

پچھلے دنوں " افکار " میں اطلاع شائع ہوئی تھی کہ گلاسگو میں رفاہ عام کے کسی کام کے لئے چندے کی فراہمی جاری تھی ۔ شہر کی نوجوان اور پری جمال لڑکیوں نے اعلان کر دیا کہ ہم برسرعام اپنے لب و رخسار کے بوسے فروخت کریں گے ۔ ایک

Marfat.com

بوسے کی قیمت کم از کم چھ شلنگ مقرر ہے اور اس سے زیادہ خریدار کی ہمت پر موقوف ہے۔

دل کی قیمت ہے اک نگاہ ناز آگے جو آئے ترے ایماں میں

اس اعلان کا اثر یہ ہوا کہ پرارمان نوجوانوں نے جیبیں خالی کر دیں اور دامن مراد گل ہائے مقصود سے بھر کر لے گئے۔ شہر بھر میں اچھی خاصی چہل پہل ہو گئی۔ ان "اولوالعزم خواتین" کا ایثار زبان زد عالم ہو گیا اور "امداد طلبہ" کے لئے لاکھوں کی رقم فراہم ہو گئی۔

چہ خوش بود کہ بر آمد بہ یک کرشمہ سہ کار

انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۲۲۳۔ جمعہ۔ ۱۴ مارچ ۱۹۳۰ء

(۱۲)

۔۔۔۔ ولایت سے خبر آئی ہے کہ وہاں ایک تماشہ کرنے والی کمپنی نے اسٹیج پر چند ایسی پری جمال لعبتان فرنگ پیش کیں جو سر سے پاؤں تک عریاں تھیں۔ ان میں سے کچھ تو ایسی تھیں جو مومی تصویروں کے بجائے ایک دکان میں کھڑی ہوئی دکھائی گئی تھیں اور ایک ایسی تھی جو ہاتھ میں پروں والا ایک بہت بڑا پنکھا لئے ہوئے بالکل برہنہ ادھر ادھر حرکت کر رہی تھی۔ وہ پنکھا بظاہر عریانی کو چھپانے کے لئے لیا گیا تھا لیکن فی الحقیقت اس سے تماشائیوں کے جذبات لطیفہ کو زیادہ برانگیختہ کرنا مقصود تھا۔

پولیس نے جونہی دیکھا کہ یہ لعبتان فرنگ بالکل عریاں منظر عام پر آگئی ہیں اور تماشائیوں کے جذبات بہیمانہ قابو سے نکلے جا رہے ہیں' انہوں نے جھٹ تماشہ بند کرا کے ان عورتوں کو گرفتار کیا لیکن مجسٹریٹ صاحب نے جو اخلاق سے زیادہ "آرٹ" کے دل دادہ تھے' تمام حالات سننے کے بعد فیصلہ دے دیا کہ ان کو کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ اس کمپنی کی ایکٹرس نے کچھ مدت پیشتر اسٹیج پر یہ کرشمہ دکھایا تھا کہ شراب سے بھرے ہوئے ایک حوض میں بالکل عریاں نہا رہی تھی۔ اس کا جسم سنہری شفاف شمپین کی لہروں کے اندر برہنہ نظر آ رہا تھا اور دیکھنے والے دیکھ دیکھ کر مٹے جاتے تھے

عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اسٹیج پر کپڑا پہننا گناہ کبیرہ قرار دیا جائے گا' کیونکہ لباس "آرٹ" کی روح کے خلاف ہے اور جسم انسانی کی خوب صورتی اسی

Marfat.com

قابل ہے کہ بے کھٹکے اس کا عام مظاہرہ کیا جائے اور کپڑوں سے اس منظر جمیل کی دل ربائی کو فنا نہ کیا جائے۔

جب اس قسم کے تماشوں کا حال ہی سن کر ہم ایشیائیوں کا دل ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے تو ان لوگوں پر کیا گذری ہو گی جنہوں نے یہ تماشہ کیا۔ اس کے ابتدائی مشقی مظاہر (ریہرسل) دیکھے اور پھر مجمع عام میں بیٹھ کر اس ہنگامہ خیز منظر کا تماشہ کیا!۔

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہو گا
جب تو نے یہ مے ظالم شیشے میں بھری ہو گی

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۶۲۔ چہار شنبہ۔ ۲۰ اگست۔ ۱۹۳۰ء

(۱۳)

----- یورپ کی تمام حکومتیں اپنے سکوں، نوٹوں اور ڈاک ٹکٹوں پر اپنے بادشاہ یا صدر کی تصویر دے دیتی ہیں اور ایشیا کے جن ممالک میں ان حکومتوں کا تسلط ہے، ان میں بھی اسی رسم کی پیروی کی جاتی ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے نوٹ، سکے اور ٹکٹ ملک معظم کی تصویر سے مزین ہیں لیکن، ہنگری کی حکومت نے اس میں ایک جدت پیدا کی ہے۔ پچھلے دنوں اس ملک میں عورتوں کے حسن و جمال کا مقابلہ ہوا جس میں ایلا لوتھ اول نکلیں اور ملک بھر میں حسین ترین عورت قرار دی گئیں۔ حکومت کے ارباب اختیار حسن کے معاملے میں بہت خوش مذاق واقع ہوئے ہیں، چنانچہ انہوں نے یہ فرمان نافذ کر دیا ہے کہ آئندہ سرکاری سکوں اور نوٹوں پر اسی قتالہ عالم کی تصویر چھاپ دی جائے۔

ہم شعرا سے سنا کرتے تھے کہ دنیا میں حسن کا سکہ چلتا ہے۔ اب تک یہ فقرہ محض استعارے کی حیثیت رکھتا تھا لیکن اب تو سچ مچ حسن والیوں کا سکہ ہی چلنے لگا۔ بس اب خطبے کی کسر ہے، پھر مس صاحبہ اچھی خاصی ملکہ بن جائیں گی اور کیا عجب ہے کہ آئندہ یورپ کے ملکوں میں یہ رسم بھی پڑ جائے کہ جو عورت حسن و جمال میں اول نکلے وہ تخت حکومت پر بٹھا دی جائے اور سارا ملک اسے ظل اللہ فی الارض سمجھ کر مطاع الکل تسلیم کر لے۔

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۹۶۔ چہار شنبہ۔ یکم اکتوبر ۱۹۳۰ء

Marfat.com

---- فرانس کی ایک مشہور حسینہ مستگوے رقص و سرود میں بہت بڑا کمال رکھتی ہے ۔ اس عورت کے بال نہایت خوب صورت ہیں اور ٹانگیں تو اس قدر خوش وضع ہیں کہ سارے یورپ میں ان کا چرچا ہو رہا ہے ۔ اس عورت نے ایک ملاقات کے دوران میں بیان کیا کہ میں اپنے بالوں اور اپنی ٹانگوں کو ہمیشہ شیمپئن شراب سے دھوتی ہوں اور دن میں دو دفعہ ٹانگوں کی ورزش کرتی ہوں لیکن میری ٹانگوں اور بالوں کی خوب صورتی کا راز یہی ہے کہ ان کو ہمیشہ شراب سے غسل دیا جاتا ہے ۔

---- پیرس کی ایک اور حسینہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے آج تک شراب کا ایک قطرہ نہیں چکھا لیکن ہر ہفتے اپنے بالوں کو نہایت نفیس قسم کی شمپئن شراب سے دھوتی ہے۔ اس کے بالوں کا رنگ سرخی مائل سنہری ہے ۔ اس کا بیان ہے کہ شمپین میں کچھ ایسی تاثیر ہے کہ اس سے بالوں پر ہمیشہ جوانی کی کیفیت رہتی ہے۔ یہ حسینہ ہر دفعہ سر دھونے میں ایک سو روپیہ صرف کرتی ہے ۔

حسن و جمال کی حفاظت و ترقی کے لئے اس قسم کی عجیب و غریب تدبیریں پرانی کہانیوں اور شہزادیوں کے قصوں میں سنا کرتے تھے لیکن آج کل حقیقی زندگی میں یہ چیزیں نظر آ رہی ہیں ۔ یورپ ظاہری ٹیپ ٹاپ پر اس قدر مٹا ہوا ہے کہ اسے باطن کی تاریکی دور کرنے کا خیال تک نہیں آتا ۔

انقلاب ۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۱۳۳ ۔ شنبہ ۔ ۱۵ نومبر ۱۹۳۰

(۱۵)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ لندن کے متوسط درجے کے جسم رکھنے والوں نے اپنے موٹے بھائیوں پر پھبتیاں کہہ کہہ کر ان کا ناک میں دم کر دیا ۔ موٹے حضرات ان پھبتیوں کو سن کر جل جاتے تھے ۔ ان کا بس چلتا تو ان دل لگی بازوں کو پیٹ کے نیچے دبا کر مار ڈالتے ۔ آج کل " شکایات " کا زمانہ ہے اور " شکایات " کے تدارک کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک انجمن قائم کر لی جائے ۔ چنانچہ موٹوں نے اپنی ایک انجمن قائم کر لی جس کے " اغراض و مقاصد " صرف یہ تھے کہ موٹے آدمیوں کی عزت کا تحفظ کیا جائے اور دبلے آدمیوں سے نفرت پیدا کی جائے ۔

اس " موٹی تازی " انجمن نے اپنے ممبروں کی بھرتی کے لئے ایک دروازہ تعمیر کرایا ۔ ہر امیدوار رکنیت کو اس دروازے میں سے گزرنا پڑتا تھا ۔ جو شخص اس

Marfat.com

دروازے میں سے پھنس کر گزرتا اس سے تمام ممبر بغل گیر ہوتے اور اس کو مبارک باد دیتے کہ خدا نے اس کو " ہم جسم " بھائیوں میں شامل کر دیا لیکن جو امیدوار اس دروازے میں سے صاف نکل جاتا اس کی بے حد مٹی پلید کی جاتی اور اسے دھکے دے کر اور یہ کہہ کر انجمن سے باہر نکال دیا جاتا۔ " چل کم بخت ' پتلا کہیں کا۔"

اس انجمن کے ارکان نے کھانے کے متعلق اپنا ایک خاص معیار قائم کر رکھا تھا جس میں طعام کی کیفیت و کمیت معین کی جاتی تھی اور جو شخص اس سے کم کھاتا اسے برادری سے خارج کر دینے کی دھمکیاں دی جاتیں اور کہا جاتا کہ یہ شخص پتلا ہونے کی کوشش کر رہا ہے ' گویا اپنی برادری سے غداری کا مرتکب ہونے والا ہے ـــــــ

انقلاب ـ جلد ۵ ـ نمبر ۱۷۹ ـ چہار شنبہ ـ ۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء

(۱۶)

یورپ کی جو بات ہے ' نرالی ہے ـ فسق و فجور کے نئے نئے بہانے تلاش کرنا اور اس کو بعض حالات میں حق بجانب قرار دینا بعض یورپی قوموں کا شیوۂ خصوصی ہو چکا ہے ـ اس کے علاوہ آج کل ایک نئی رسم جاری ہوئی ہے ـ اگر کسی شخص کی بیوی کسی دوسرے شخص کے ساتھ اختلاط کی مرتکب ہو جائے تو اس کے شوہر کو ایک رقم بطور تاوان وصول کرنے کا حق ہے اور اگر بیوی تاوان نہ دے تو شوہر اس کے خلاف دعویٰ کر کے اسے جرمانہ کر سکتا ہے ـ

اس تاوان و جرمانہ کے بعد وہ عورت بدستور اپنے شوہر کی بیوی بنی رہتی ہے اور شوہر صاحب اس قانونی چارہ جوئی کے بعد بالکل مطمئن ہو جاتے ہیں ـ

پچھلے دنوں پیرس کی ایک عدالت میں ایک اسی قسم کا مقدمہ پیش ہوا ـ ایک صاحب موسیو وینس کی بیوی مادام وینس (VENUS) ایک رات کسی رنگین مزاج عاشق کی آغوش میں بسر کر آئیں ـ جب شوہر نام دار کو معلوم ہوا تو اس نے اپنی اہلیہ محترمہ کے نام ایک خط لکھا جس میں ارشاد فرمایا کہ تم نے میری بیوی ہو کر فلاں شخص سے "گڑ بڑ کی ہے" لہٰذا سولہ پاؤنڈ بطور تاوان شوہری مجھے ادا کرو ' ورنہ میں قانونی سلوک کروں گا ـ (گویا بیوی کا آوارہ ہو جانا شوہر کے لئے صرف ازالہ حیثیت عرفی کے برابر ہے جس کا تاوان نوٹس دے کر وصول کیا جا سکتا ہے ' ورنہ عدالت سے ڈگری لی جا سکتی ہے ـ)

Marfat.com

مادام وینس نے نوٹس کی کچھ پروا نہ کی اور جی میں سوچا کہ خواہ مخواہ سولہ پونڈ کھو دینے کا کیا فائدہ ' بلا سے مقدمہ عدالت میں چلا جائے۔ عدالت آخر میرا کیا بگاڑ لے گی۔ تھوڑا سا جرمانہ ہو گا ' ادا کر دیا جائے گا ' چنانچہ خاتون موصوفہ خاموش رہیں۔ شوہر نے سچ مچ دعویٰ کر دیا کہ "غریب پرور" میری بیوی فلاں آدمی کے ساتھ ناجائز تعلق رکھتی ہے حالانکہ بروئے قانون میں اس کا واحد شوہر (بلا شرکت غیرے) ہوں ' لہٰذا تدارک فرمایا جائے۔

عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ مادام وینس اپنے تمام حسن و جمال سے آراستہ و پیراستہ ہو کر تشریف لائیں۔ کم بخت شوہر بھی حاضر ہوا۔ دوران سماعت مقدمہ میں مادام موصوفہ نے اقبال کیا کہ ہاں میں نے واقعی گڑ بڑ کی ہے لیکن مادام کے وکیل نے بڑے تکلف و اہتمام کے ساتھ ایک دلیل اپنے دماغ سے اتاری اور کہا کہ "حضور" یہ تو بالکل درست ہے کہ میری موکلہ نے "گڑ بڑ" کی ہے اور اسے ایک شخص کی بیوی ہونے کی حیثیت میں ایسا نہ کرنا چاہیے تھا لیکن حضور اس امر کو مد نظر رکھیں کہ میری موکلہ کا نام وینس ہے اور وینس کہتے ہیں زہرہ ستارے کو۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ زہرہ یا ناہید ایک رقاصہ تھی جس نے ہاروت و ماروت کو گمراہ کر کے انہیں تو بابل کے کنویں میں الٹا ٹنگوا دیا اور خود آسمان پر پہنچ کر ستارہ بن گئی۔ کیونکہ نام انسان کی شخصیت ہی کا ایک جزو ہے ' اس لئے میری موکلہ کے دل فریب اور آسمانی قسم کے نام نے اس کے قلب کو اس قدر سرشار کر رکھا ہے کہ اس کے لئے بیوی کی حیثیت سے وفادار رہنا سخت مشکل ہو گیا ہے۔ جب اسے احساس ہوتا ہے کہ میں "زہرہ" ہوں تو اس کو خواہ مخواہ بھی ہاروت و ماروت تلاش کرنے پڑتے ہیں۔

فاضل جج نے موکلہ کے وکیل کی اس دلیل کو تسلیم کر لیا اور لکھا کہ بلا شبہ نام کا اثر انسان کے اعمال و افعال پر پڑتا ہے۔ مادام کا نام "زہرہ" ہے تو اس کے شوہر کا نام عطارد (دبیر فلک) ہونا چاہئے ' جس نے بیوی کی بے وفائی کی خبر سن کر اور تو کچھ نہیں کیا ' صرف ایک خط تحریر فرما دیا کہ سولہ پاؤنڈ بھیج دو۔ اس ریمارک کے بعد جج صاحب نے مادام زہرہ پر صرف دو شلنگ آٹھ پنس جرمانہ کر دیا۔ چونکہ سزا مل چکنے کے بعد خاتون موصوفہ آلائش جرم سے بالکل پاک و منزہ ہو چکی تھیں ' لہٰذا شوہر صاحب اس کو ساتھ لے کر چل دیئے۔ غالباً یہ جرمانہ بھی انہوں نے خود ہی ادا کر دیا

Marfat.com

ہو گا۔

کسی عورت کے نام کو اس جرم زنا کا عذر معقول قرار دینا غالبا دنیائے عدالت میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اس کا اثر غالبا یہ ہو گا کہ رنگین مزاج عورتیں آئندہ اپنے نام بے حد دل فریب و دل آویز رکھا کریں گی تاکہ آزادہ روی کے لئے ایک اچھا خاصا معقول قانونی عذر اور حیلہ مہیا ہو سکے اور اگر معاملہ عدالت تک بھی پہنچ جائے تو صرف دو روپے جرمانے ہی پر سر سے بلا ٹل جائے۔

اس ایک ہی واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یورپ میں ازدواج روز بروز کس قدر مضحکہ خیز صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے اور مستقبل قریب میں اس کا انجام کیا ہو گا۔

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۲۲۴۔ چہار شنبہ۔ ۱۱ مارچ ۱۹۳۱ء

(۱۷)

---۔ لیجئے آج ایک نئی بات سن لیجئے۔ مسز روزیٹا فاربس ایک من چلی یورپین خاتون ہیں، جنھیں خدا نے حسن و جمال کے علاوہ ایک طالع آزما ہمت اور بہادرانہ جفا کشی بھی عطا فرمائی ہے، جس کی وجہ سے آپ نے عرب و عجم کے صحراؤں کو عبور کیا اور قبائل کے اکثر شیوخ نے آپ کی مہمان داری کی ہے۔ اب آپ عرب و عجم کے معاملات میں اس قدر مستند سمجھی جاتی ہیں کہ کوئی بد بخت آپ کی معلومات سے اختلاف کرنے کی جرات نہیں کر سکتا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ آج ہمیں اس قسم کی جرات کی ضرورت پیش آ گئی۔

آپ نے بمبئی کے مشہور ہفتہ وار "ٹائمز" کی تازہ اشاعت مورخہ ۱۳ اپریل میں کربلائے معلٰی کے متعلق ایک مضمون لکھا ہے جس میں مندرجہ ذیل فقرات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) شیعوں کے لئے کربلا اور نجف اسی طرح ہیں جیسے دوسرے مسلمانوں کے لئے مکہ اور مدینہ۔

(۲) حسینؑ نے فاطمہؑ کے ساتھ شادی کی تھی جو رسول اللہ کی صاحب زادی تھیں (نعوذ باللہ من ذالک) لیکن ایرانی افسانہ نگاروں کا بیان یہ ہے کہ آپ نے خاندان ساسان کے آخری بادشاہ کی لڑکی کو ازدواج سے مشرف فرمایا تھا۔

Marfat.com

(۳) خان حضرات نے حسینؓ کو دعوت دی تھی کہ آئیں اور مشہور سازشی مدبر معاویہ کے مقابلے میں امیرالمومنین بن جائیں لیکن جب حسینؓ آئے تو خوانین نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور حسینؓ شہید ہو گئے۔

یہ اس خاتون کی معلومات ہیں جس نے عراق و عرب کا چپہ چپہ چھان مارا ہے اور جو عربی بولنے اور سمجھنے میں مہارت تامہ رکھتی ہیں۔ آپ کی مہمل سرائی بالکل ایسی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ "شاہ ایڈورڈ ہفتم نے ملکہ وکٹوریہ سے شادی کی تھی جو ولیم چہارم کی بھتیجی تھیں لیکن انگلستانی افسانہ نگاران کو الیگزنڈرا کا شوہر بتاتے ہیں۔"

حضرت امام علیہ السلام کو دعوت دینے والے کوفیوں کے لئے خان کا لفظ استعمال کرنا نہایت عجیب ہے۔ مسز روزیٹا نے غالباً عراق کو بھی صوبہ سرحد یا افغانستان سمجھ لیا ہے، جہاں خوانین ملتے ہیں۔

لطف یہ ہے کہ "ٹائمز" ویکلی کے ایڈیٹر صاحب کی ساری عمر ہندوستان اور ایشیا میں گذر گئی۔ خدا جانے کتنی دفعہ انہوں نے محرم کا جلوس دیکھ کر حضرت امام کی شہادت پر مضامین شائع کئے ہوں گے لیکن معلومات کی کیفیت اب تک یہ ہے کہ اس قسم کے لچر مقالات بے تکلف شائع کر دیئے جاتے ہیں----

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۲۵۳۔ سہ شنبہ۔ ۱۴ اپریل ۱۹۳۱ء

(۱۸)

تہذیب مغربی کے کرشمے نہایت عجیب ہیں۔ تازہ ولایتی ڈاک میں ایک مقدمے کی روئداد موصول ہوئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنگری کے انشا پرداز ڈاکٹر ہیون ہوفریر جن کی عمر پچاس سال کی تھی، ایک دولت مند انگریز خاتون (عمر ۳۷ سال) عاشق ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب کو اللہ نے اس بڑھاپے میں بھی کچھ ایسی ناقابل بیان دل فریبی بخشی تھی کہ ۳۷ سال کی کھیلی کھائی عورت بھی آپ کی شخصیت سے مسحور ہو گئی اور دونوں پہلی ہی ملاقات میں ایک دوسرے کے عاشق زار ہو گئے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

کچھ دنوں یورپ کے متعدد عشرت کدوں میں یہ بے نکاح جوڑا وصل و وصال

Marfat.com

کے مزے لوٹتا رہا۔ دن عید اور رات شب برات تھی۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر جیتے تھے۔ سال ڈیڑھ سال کا عرصہ چشم زدن میں گذر گیا۔ اس کے بعد خدا جانے کیا ہوا' ان خاتون نے کوئی بے اعتدالی کی یا ڈاکٹر صاحب کے جال میں کوئی زیادہ بہتر شکار پھنس گیا کہ ایک دن یہ دونوں جدا ہو گئے اور ڈاکٹر صاحب نے اس قتالہ کو لکھ دیا کہ میں اب تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔

خاتون صاحبہ نے عدالت میں سسکیاں بھرتے ہوئے بیان کیا کہ جب ڈاکٹر نے مجھے اس طرح ٹھکرا دیا تو میں زندگی سے مایوس ہو گئی اور میں نے ایک پستول خرید کر تہیہ کر لیا کہ اپنے ہاتھوں اپنا خاتمہ کر لوں گی لیکن خودکشی سے پہلے میں ڈاکٹر صاحب کو ایک نظر دیکھ لینا چاہتی تھی' چنانچہ میں اس کے ہوٹل میں گئی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی۔ میں نے اس کی منت سماجت کی لیکن اس نے مجھے پیٹنا شروع کر دیا اور دھکے دے کر کمرے سے باہر نکال دیا۔ اس پر میں نے اپنا پستول نکال کر ڈاکٹر پر پانچ فائر کئے اور چھٹی گولی اپنے لئے محفوظ کر لی۔

ڈاکٹر مر گیا اور اس قتالہ عالم نے اس کو بے قصور مار ڈالا لیکن مغربی عدالت کے قربان جایئے۔ آپ سمجھتے ہوں گے کہ جج نے فوراً اس عورت کو شدید ترین سزا دے دی ہو گی۔ اب سن لیجئے کہ اس کو سزا کیا ملتی ہے پھانسی؟ نہیں۔ حبس دوام؟ نہیں۔ قید سخت؟ نہیں۔ قید محض؟ نہیں؟ نہیں۔ محض معافی۔

ججوں نے تین گھنٹے کے غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا کہ خاتون موصوفہ نے جس وقت ڈاکٹر پر گولیاں چلائیں اس وقت وہ اپنے آپے میں نہ تھی' لہٰذا وہ کسی سزا کی مستوجب قرار نہیں دی جا سکتی۔ سبحان اللہ! کیا انصاف ہے۔ ایک انشا پرداز اور مصنف کی قیمتی زندگی ایک من چلی حسینہ کی عارضی خود رفتگی پر قربان کر دی گئی۔ سچ یہ ہے کہ حسن و جمال کی قدر کرنا بھی یورپ ہی خوب جانتا ہے۔ ہم بے چارے ایشیائی تو اس سے بالکل ہی بے بہرہ ہیں۔

اسی ڈاک میں انگلستان سے ایک خبر موصول ہوئی ہے کہ ایک چھیالیس سال کے انگریز ہنری گرے نے اپنی بیٹی کے ساتھ منہ کالا کیا۔ جب صاحب زادی صاحبہ کو بچہ پیدا ہونے والا تھا تو کسی طرح یہ معاملہ عدالت تک پہنچ گیا۔ والد صاحب نے عدالت میں اپنے جرم کا ہنسی خوشی اقرار کیا اور وعدہ کیا کہ جو بچہ میری بیٹی کے ہاں

Marfat.com

پیدا ہو گا' اس کے مصارف کا میں کفیل ہوں گا۔ مسٹر جسٹس روش نے ہنری گرے کو آٹھ مہینے قید کی سزا دی اور اس انتہائی حیوانیت پر شدید ملامت کرنے کے بجائے ہنس کر فرمایا کہ یہ شخص پیدا ہونے والے بچے کا باپ بھی ہو گا اور نانا بھی!

سوال یہ ہے کہ اس قدر ہولناک جرم کے متعلق انگلستان کی رائے عامہ اب اس قدر بے پروا ہو چکی ہے اور یہ جرم اس قدر ہلکا سمجھ لیا گیا ہے کہ جج صرف آٹھ مہینے کی قید کو کافی خیال کرتے ہیں؟

لیکن ہم انگلستان کے قانون کا کیا شکوہ کریں۔ انگریزوں نے ہندوستان میں جو قانون نافذ کر رکھا ہے اس میں تو شاید اتنی سزا کی گنجائش بھی نہیں۔ آج سے دو سال پیشتر کا ذکر ہے' بٹالہ کے ڈاک خانے میں ایک ہندو کلرک کام کرتا تھا' اس کی بیوی مر گئی تو اس نے اپنی جوان لڑکی ہی سے بیوی کا کام لینا شروع کر دیا یہاں تک کہ بچہ پیدا ہو گیا لیکن حکومت نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا' اس لئے کہ قانون اس بارے میں خاموش تھا اور پھر ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ یہ کلرک اپنے فعل پر نادم نہ تھا اور کہتا تھا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے' ویدوں کے منشا کے مطابق کیا ہے۔ لوگ بے وقوف ہیں جو مجھے ملامت کرتے ہیں۔ دنیا میں ہر مرد مرد ہے اور ہر عورت عورت' اس میں جائز ناجائز کا کیا سوال ہے۔

اللہ اللہ! انسان کی پستی اور حیوانیت بھی کس درجے تک پہنچ سکتی ہے۔

آدمی زادہ طرفہ معجونیست کز فرشتہ سرشتہ وز حیواں
گر کند میل آں شود بہ ازیں گر کند شوق ایں شود بد زاں

انقلاب۔ جلد ۶۔ شنبہ۔ ۱۵ اگست ۱۹۳۱ء

(۱۹)

روما میں پچھلے دنوں ایک دل چسپ سوال پیدا ہو گیا کہ آیا ڈاکٹر کو اپنی زیر علاج مریضہ کا بوسہ لینے کا حق ہے یا نہیں۔ ذرا اس مسئلے کی ندرت ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ کیجئے کہ آج کل مغربی ممالک میں کیسے کیسے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں مصروف ہیں۔ قصہ یوں ہے کہ روما کے ایک آشفتہ مزاج ڈاکٹر بزیادی ایک معزز شخص سائنور مونٹا ناری کی پری جمال بیوی کا علاج فرما رہے تھے۔ "دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت" جب یہ "آنے" پر آتا ہے تو آ ہی جاتا ہے' چنانچہ ڈاکٹر صاحب قبلہ

Marfat.com

کو اپنی مریضہ محترمہ کی کوئی مریضانہ ادا پسند آ گئی۔ بعض اوقات حسن علالت میں " پریدن رنگ " اور " نزاکت ناتوانی " کی وجہ سے بہت ہی دل آویز ہو جاتا ہے بقول غالب۔

ہو کے عاشق وہ پری رو اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

حاصل کلام یہ کہ ڈاکٹر صاحب اپنے آپے میں نہ رہے اور سائورا موٹا ناری سے ایک عدد " سنبوسہ بے سن " طلب کر بیٹھے۔ تندرست ہوتیں تو شاید بوسہ دینے میں کچھ لیت و لعل نہ کرتیں کیونکہ بوسہ تو مغرب میں کوئی بہت بڑی چیز نہیں بقول اکبر---

تہذیب مغربی میں ہے بوسے تلک معاف
اس سے اگر بڑھو تو شرارت کی بات ہے

لیکن ان کی طبیعت میں علالت کی وجہ سے وہ شیفتگی موجود نہ تھی جو بوسے کو لذیذ بنا دیتی ہے۔ آپ اس مطالبے پر بگڑ بیٹھیں اور آپ نے اپنے شوہر سے ڈاکٹر صاحب کی اس وارفتگی کا قصہ بیان کر دیا۔

شوہر نے تاؤ کھا کر پہلے تو ڈاکٹر عشق پر کفش کاری کی اور پھر اس کے خلاف " ٹریبونل " میں دعویٰ کر دیا کہ فلاں ڈاکٹر نے خاکسار کی اہلیہ کا بوسہ مانگا ہے ' لہٰذا داد رسی کی جائے۔

عدالت کے فاضل جج نے بے حد غور و خوض اور قانونی موشگافیوں کے بعد ڈاکٹر صاحب کو بری کر دیا اور لکھا کہ بوسہ طلب کرنا کوئی جرم نہیں ' لہٰذا قانون اس معاملے میں مدعی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ صرف اسی پر بس نہیں اور سنئے۔ مریضہ کے شوہر کو ایک ماہ قید کی سزا دی گئی کیونکہ اس نے ڈاکٹر صاحب کو خواہ مخواہ پیٹا تھا۔

بہرکیف اس معاملے میں مریضہ ہی مزے میں رہی۔ بوسہ بھی نہ دینا پڑا اور اخباروں میں شہرت بھی ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب بے چارے صرف بوسہ مانگنے کے جرم میں جتیا دیئے گئے اور شوہر صاحب غریب محض اپنی غیرت مندی کی وجہ سے مہینہ بھر کے لئے بڑے گھر بھیج دیئے گئے۔

جب مغربی مصنف اسلام پر کچھ لکھنے بیٹھتے ہیں تو اکثر اپنی معلومات کا نہایت

Marfat.com

ناقابل رشک ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ۱۸ ' اکتوبر کے مصور " ویکلی " (بمبئی) میں ایک صاحب کپتان اوون ٹویڈی نے ایک مضمون شائع کرایا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں۔

" کوئی شخص مرنے سے پہلے جنت الفردوس کا نظارہ نہیں کر سکتا لیکن اگر وہ یروشلم میں جائے گا تو اسے جنت الفردوس کی خوشیوں کی جھلک ضرور دکھائی دے گی۔

یہ قرآن مجید میں آیا ہے اور کوئی شخص اس آیت کے دل فریب مطالب کو چیلنج نہیں کر سکتا۔"

اب قارئین کرام خود ہی فرمائیں 'کیا انھوں نے قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت ملاحظہ فرمائی ہے؟ یہ تو سنتے تھے کہ مستشرقین تاریخی واقعات تصنیف کر لیتے ہیں لیکن آج معلوم ہوا کہ انھیں قرآن کی آیتیں تصنیف کرنے میں بھی تامل نہیں ہوتا

انقلاب۔ جلد ۶۔ نمبر ۱۵۵۔ چہار شنبہ۔ ۲۵ نومبر ۱۹۳۱ء

Marfat.com

تعلیقات و حواشی

۱- Pudding

۲- Porridge

۳- Erening Graphic

۴- اشارہ ہے مس کیترائن میو کی تصنیف Mother India کی جانب

۵- Blonde

۶- Brunette

Marfat.com

باب دہم

گلستان کا باب پنجم

Marfat.com

Marfat.com

گلستان کا باب پنجم

(۱)

پچھلے دنوں بڑودہ میں ایک نہایت مزے کا واقعہ ہوا۔ ایک دھوبی نے اپنے فرزند ارجمند کی شادی رچائی۔ دوستوں اور عزیزوں کی طرف سے تقاضہ ہوا کہ ہم تو اس خوشی کے موقع پر جب تک رنڈی کا ناچ نہ دیکھیں گے نہ مانیں گے۔ دھوبی نے بہتیرا کہا کہ "دیکھو لڑکپن نہ کرو۔ آج کل سب برادریاں ناچ گانا چھوڑ رہی ہیں۔ کھانے پینے کی کہو تو میں اچھی سے اچھی دعوت دیئے دیتا ہوں لیکن رنڈی کے خیال سے باز آجاؤ۔"

لیکن توبہ توبہ، ایسے موقعوں پر لڑکے کب کسی کی سنتے ہیں۔ انھوں نے بہت اصرار کیا تو دھوبی نے ایک آدمی بھیج کر شہر کی ایک اچھی سی رنڈی کو "سائی" دے دی اور مجرے کے لئے پچاس روپے منظور کر لئے۔ جب رنڈی بن ٹھن کر پیشواز پہن کر مجلس شادی میں جلوہ گر ہوئی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ دھوبی تو وہی ہے جو خود اس کے کپڑے دھویا کرتا ہے۔ رنڈی یہ حقیقت معلوم کر کے بہت گھبرائی اور کہنے لگی کہ میں اس کو اپنی ہتک سمجھتی ہوں کہ اپنے ہی دھوبی کے لڑکے کی برات میں ناچوں۔ یہ کہہ کر سائی کی رقم واپس کر دی اور ناچے گائے بغیر منہ پھلا کر چل دی۔

دھوبیوں نے بہتیرا کہا سنا لیکن تریاہٹ تو مشہور ہی ہے۔ رنڈی کو نہ ماننا تھا نہ مانی۔ رنڈی کی یہ اکڑفوں دیکھ کر دھوبیوں کو بہت غصہ آیا۔ انھوں نے جھٹ اپنی پنچایت کا ایک اجلاس منعقد کیا اور وہاں اتفاق آرا سے یہ قرار داد منظور کی کہ:۔

آج سے تمام دھوبی بڑودہ کی تمام رنڈیوں سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ بڑودہ اور اس کے آس پاس کے دھوبیوں کو معلوم رہنا چاہئے کہ ان کے لئے رنڈیوں سے کپڑے دھونا ممنوع ہے۔ اگر کوئی دھوبی پنچایت کے اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا تو اسے ڈنڈ بھرنا ہوگا یا وہ برادری سے خارج کر دیا جائے گا۔

"دھوبیوں کی پنچایت" تو آپ جانتے ہی ہیں بہت ہنگامہ خیز ہوتی ہے۔ رائے عامہ کا اثر یہ ہوا کہ تمام دھوبیوں نے رنڈیوں کے کپڑے دھونے کا کام چھوڑ دیا۔ اب آپ جانئے رنڈیوں کے حسن و جمال کی بہار تو زیادہ تر درزیوں، دھوبیوں ہی کے دم سے ہے۔ یہ اچھے اچھے کپڑے نہ سیں اور وہ اعلیٰ درجے کے صابون اور کلف

Marfat.com

سے دھو کر اور خوش نما رنگ کر نہ دیں تو ساری رنڈیاں سچ مچ کی بیوائیں نظر (آنے لگے) لگیں ۔ چنانچہ چند ہی روز کے اندر بروده کی طوائفوں کے مزاج درست ہو گئے اور انھوں نے دھوبیوں کے چودھری کو بلا بلا کر اس سے معافیاں مانگنی شروع کر دیں ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دھوبیوں نے رنڈیوں کا قصور معاف کر دیا اور یہ شرط پیش کی کہ اگر وہی رنڈی جس نے ہماری محفل میں ناچنے سے انکار کر دیا تھا ' آ کر ہمارے سامنے مجرے کی کم از کم ایک چوکی دے تو ہم بدستور طوائفوں کے کپڑے دھونے لگیں گے

ادھر وہ رنڈی اپنی " عزت نفس" اور خودداری" کی پیشواز اتار کر " گاذران کرام" کی بزم صدق و صفا میں عاجزانہ حاضر ہوئی اور ادھر ان پایہ شناسان فن کو اس کی فکر ہوئی کہ قوم طوائف کو جو تکلیف ہم سے پہنچی ہے اس کی تلافی کیونکر کی جائے ۔ چنانچہ جونہی وہ طوائف مجرا کر کے فارغ ہوئی ' دھوبیوں نے ازراہ قدردانی و تالیف قلب پچاس کی بجائے تین سو روپے کی مالیت کا زیور اسے دیا تاکہ اس شکر رنجی کی یادگار رہے ۔ ہر وقت طوائف کے سینے پر سانپ بن کر لوٹتا رہے اور اسے یاد دلاتا رہے کہ کبھی اسے دھوبیوں کی طاقت کے سامنے بھی سر تسلیم خم کرنا پڑا تھا ۔

سنا ہے کہ بہت سے فہیم اشخاص نے دھوبیوں سے کہا کہ تم نے اس جھگڑے میں کیا لیا ۔ بیسیوں روپے دھلائی کے جو ملنے والے تھے وہ نہ ملے اور تین سو روپے کی رقم اور ہاتھ سے گئی لیکن جذبات بھی کبھی فہم و خرد کی بات سنتے ہیں ؟ دھوبیوں نے کہا کہ صاحب برادری کی عزت رہ گئی ۔ روپیہ تو ہاتھ کا میل ہے ۔ رنڈیاں تو عمر بھر یاد رکھیں گی کہ دھوبیوں سے پالا پڑا تھا اور انھوں نے وہ کندی کی تھی کہ نانی یاد آگئی تھی ۔۔۔

انقلاب ۔ جلد ۱ ۔ نمبر ۶۰ ۔ چہار شنبہ ۔ ۲۹ جون ۱۹۲۷ء

(۲)

حضرت عشق کسی قوم یا مذہب سے تعلق نہیں رکھتے ۔ ان کو دنیا میں بین الاقوامی حیثیت حاصل ہے ۔ بولشوزم تو ابھی کل کی پیدائش ہے ' یہ حضرت ابتدائے آفرینش ہی سے شاہ و گدا کی مساوات کے قائل ہیں ۔ جب حضرت جامی نے یہ شعر فرمایا تھا کہ ۔

Marfat.com

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اس وقت ان کے سامنے بھی وہی حقیقت تھی اور ہم آج تک حضرت عشق کی اس خصوصیت کے مظاہر دیکھ رہے ہیں۔ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کا سر توڑنے میں مصروف ہیں لیکن عین مہاراشٹر کے مرکز میں ایک ارمان بھری دوشیزہ مس مالتی پیدا ہوتی ہے جو کھلے بندوں گلاب خاں کی بیوی بن جاتی ہے۔ ہندو چیختے ہی رہ جاتے ہیں لیکن حضرت عشق ایک نہیں سنتے۔

مہت پور ضلع جالندھر کے پاس ایک گاؤں حسن و عشق کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس گاؤں کی ایک حسین بھنگن پر آج کل زمان شباب اپنی پوری مستیوں کے ساتھ وارد ہے۔ جب وہ اپنے سر پر ٹوکری اٹھا کر، ہاتھ میں جھاڑو لے کر اپنی گردن میں ایک دل نواز خم پیدا کر کے اٹھلا اٹھلا کر چلتی ہے تو بیسیوں "دل پھینک" نوجوان "بلا امتیاز مذہب و ملت" اس پر نثار ہوتے چلے جاتے ہیں۔

پچھلے دنوں کرنا پرماتما کا کیا ہوا کہ ایک نوجوان پنڈت جی اس بھنگن کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے اور گایتری منتر کا پاٹھ چھوڑ چھاڑ اسی بت کافر کا کلمہ پڑھنے لگے۔ "عشق ازیں بسیار کردست و کند۔" لیکن بھنگن کو جب برہمن دیوتا کے اس جذبہ والہانہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے شراب ناز کو اور بھی تند و تیز کر دیا اور ایسی بے پروائی اور کج ادائی اختیار کی کہ پنڈت جی کلیجہ مسوس کے رہ گئے۔

اس کے بعد پنڈت جی نے حصول کامرانی کی وہی تدابیر اختیار کیں جو روز ازل سے عشاق کا شعار چلی آتی ہیں۔ منت سماجت سے کام لیا، ترغیب و تحریص کا جال بچھایا، ٹونے ٹوٹکے، گنڈے تعویذ کرائے۔ آخر اپنے گھر کی قدیمی بھنگن کو معزول کر کے اس کی جگہ اس پرکالہ آتش کی خدمات حاصل لیں اور شدہ شدہ کامران وصال ہو گئے۔

جس وقت یہ خبر پنڈت جی کے والد بزرگوار نے سنی تو غصے سے آگ بگولا ہو گئے اور کہنے لگے، اس راکشس نے برہمن ہو کر ایک چنڈال چھوکری سے پریت بھوگ شروع کر دیا ہے۔ ہم تو برادری میں منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں گے۔ یہ کہہ کر برخوردار کو بہت ڈانٹا، نصیحت کی، گھر سے نکال دینے کی دھمکی دی لیکن

Marfat.com

حضرت عشق بھلا ان باتوں کو کب خاطر میں لاتے ہیں ۔ انھوں نے اس کان سنی ' اس کان اڑا دی ۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ بڑے پنڈت جی گھر میں براجمان تھے عین اسی وقت وہی بھنگن اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری کے لئے بصد ناز و کرشمہ گھر میں داخل ہوئی ۔ بڈھے برہمن نے جو اس فتنہ متحرک کو دیکھا تو حسن و غمزہ کی شعاعوں سے آنکھیں اور سوکھی رگوں میں جوانی کا خون لہریں لینے لگا ۔ لیجئے یک نہ شد دو شد ع

پسر اگر نتواند پدر تمام کند

اب بڈھے صاحب ریشہ ختمی ہیں اور باپ بیٹے کی رقابت رنگ لا رہی ہے ۔

اسی پر بس نہیں ۔ پنڈت جی کا ایک بڑا لڑکا بھی ہے ۔ اس نے جب دیکھا کہ مال اچھا ہے اور " برادر کلاں " کا حق بھی " برادر خورد " سے زیادہ ہی ہوا کرتا ہے تو اس نے بھی بھنگن سے اظہار تعشق کر دیا ۔ غرض سارا کنبہ ایک ہی نقطۂ ماسکہ پر جمع ہو گیا اور اتفاق آرا کی ایک عجیب صورت پیدا ہو گئی ع

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

اب قارئین اچھی طرح جانتے ہیں کہ " عشق اور مشک " چھپائے سے نہیں چھپا کرتے اور جہاں رقابت کا جذبہ اس قدر شدت کے ساتھ موجود ہو ' وہاں اخفائے راز کا خیال بھی غلط ہے ۔ چنانچہ رفتہ رفتہ اس خاندانی عشق بازی کی خبر قصبے بھر میں پھیل گئی ۔ ساری جاتی نے ان برہمنوں کا حقہ پانی بند کر دیا ' یہاں تک کہ ان تینوں سے بات چیت کرنے والوں پر بھی ڈنڈ لگا دیا گیا ۔

پنڈت جی اور ان کے صاحب زادے پریشان ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں ۔ اگر بھنگن شدھ بھی ہو جائے تو برہمن اس سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھ سکتا ۔ اب صرف ایک ہی طریقہ باقی ہے کہ پنڈت جی اور ان کے دونوں لڑکے جنیو اتار کر جھاڑو ٹوکری ہاتھ میں لیں ' اپنی محبوبہ دل نواز کا پیشہ اختیار کر لیں اور اس شعر کے مصداق بن جائیں کہ ۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

خدا ہر دھرماتما آدمی کو اس آفت سے بچائے ' جس کے سامنے دیا ' دھرم '

Marfat.com

چھوت چھات ' جات پات سب مکڑی کے جالے کی طرح اڑ جاتے ہیں ۔

انقلاب ۔ جلد ۲ ۔ نمبر ۵۴ ۔ چہار شنبہ ۔ ۶ ستمبر ۱۹۲۷ء

(۳)

بلدیہ دہلی کا یہ فیصلہ قابل داد ہے کہ شہر کے بڑے بڑے بازاروں سے شاہدان عصمت فروش کا بوریا بدھنا اٹھوا دیا جائے ۔ اب سوال یہ درپیش ہے کہ یہ طائفہ بے خان و ماں ہونے کے بعد کہاں جائے ؟ بلدیہ اس مسئلہ پر غور کر رہی ہے کہ شہر سے الگ کسی خاص مقام پر ایک "حسن پورہ" یا "جمال آباد" بسایا جائے ' جہاں یہ خانماں برباد قافلہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائے اور "مستعمرات زیر سایہ برطانیہ" کی طرح ایک نو آبادی "زیر سایہ بلدیہ" قائم کر لے ۔

اگرچہ رنڈیوں کو عام آبادی سے قطع تعلق کرنا بے انتہا شاق گزر رہا ہے اور ایک چکلہ میں جمع ہونے سے رجوع عام میں بہت بڑی تخفیف ہو جانے کا خطرہ ہے لیکن بلدیہ کے ارکان اس پر بھی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ارباب نشاط پر دائرہ عافیت بالکل ہی تنگ کر دینے پر تلے ہوئے ہیں ۔ چنانچہ لالہ ست نرائن صاحب رکن بلدیہ نے ایک قرار داد بلدیہ کے آئندہ اجلاس میں پیش کرنے کا نوٹس دیا ہے ۔۔۔۔۔

انقلاب ۔ جلد ۳ نمبر ۱۶۰ ۔ شنبہ ۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۲۸ء

(۴)

۔۔۔۔ دہلی سے اخبار "طوائف" کے شائع ہونے کی خبریں مدت سے آ رہی تھیں لیکن ڈپٹی کمشنر صاحب دہلی نے اس نام کو پسند نہ فرمایا ' چنانچہ اب وہی اخبار "عروس نو" کے نام سے جلوہ گر ہو گیا ہے ۔ اس اخبار کی مدیرہ "شمیم تتلی بمبئی والی" قرار پائی ہیں ۔ آپ نے شب اول ہی یعنی "عروس نو" کے پہلے پرچے میں ان بدبخت عورتوں کو بری طرح لتاڑا ہے جو محض اپنی نفسانی خواہشات کے باعث ماں باپ کی عزت کو بٹا لگا کر بازار میں آ بیٹھتی ہیں اور "طوائفؔ کا" "معزز و محترم" لقب اختیار کر لیتی ہیں ۔ "عروس نو" کو اس "بدنام کنندہ نکو نامے چند" طائفے سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اخبار صرف "ڈیرہ دار طوائفوں کا آرگن" ہے ۔

اخبار کچھ ایسی منحوس چیز ہے کہ اس کا وجود ہی اختلاف کا موجب ہو جاتا ہے ۔

Marfat.com

طوائفوں نے اخبار نکالا تو اس کی بنیاد بھی اختلاف انگیزی ہی پر رکھی گئی۔ کیا عجب ہے ۔ اب "غیر ڈیرہ دار" طوائفیں اپنا اخبار الگ نکال لیں اور دونوں پرچوں کے درمیان کتا چھنی شروع ہو جائے ۔ "عروس نو" کو پرچا کہنا غلطی ہے ۔ اس کو "پرچی" اور اس کے سالانہ چندے کو "خرچی"

انقلاب ۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۲۰۶ ۔ یک شنبہ ۔ ۲۴ فروری ۱۹۲۹ء ۔ سنڈے ایڈیشن

(۵)

۔۔۔۔۔ دو تین دن ہوئے لاہور کے ریلوے بازار کی ایک گلی میں ایک ہندو استری خوب بناؤ سنگھار کئے ایک چارپائی پر بیٹھی تھی ۔ ایک بگڑے دل پٹھان صاحب ادھر آ نکلے اور نہایت بے تکلفی سے اسی چارپائی پر اس دیوی کے پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھ گئے ۔ وہ غریب اس گراں ڈیل " وغاروڑے" کو اپنے پاس بیٹھا دیکھ کر بے حد بدحواس ہوئی اور چیخ مار کر اٹھ بھاگی ۔ اتنے میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور خان صاحب پر بے بھاؤ کی پڑنے لگیں ۔ وہ بار بار کہہ رہا تھا " ارے بھائی ' ہم کو کیوں مارتے ہو ؟ ہمارا کیا قصور ہے ؟ ہم سال بھر سے یہاں ہندوستان میں مجرد ہے ۔ ہم کو کیا معلوم تھا یہ عورت گھرستن ہے ۔ ہم تو سمجھتا تھا کہ یہ بازاری رنڈی ہے جو اس قدر ٹھسے سے گلی میں چارپائی ڈالے بیٹھی ہے ۔"

بڑی خیر گزری کہ کسی نیک دل آدمی کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور اس کی سفارش پر لوگوں نے خان صلاحب کو محض کفش کاری کے بعد ہی چھوڑ دیا ' ورنہ خان صاحب " دل کے ہاتھوں" حوالات میں بیٹھے رو رہے ہوتے ۔۔۔۔

انقلاب ۔ جلد ۴ ۔ نمبر ۱۴ ۔ شنبہ ۔ ۲۹ جون ۱۹۲۹ء

(۶)

جہلم سے ایک نہایت مزے کی خبر موصول ہوئی ہے ۔ وہاں ایک کانگرسی ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں ۔ ایک دن آپ کو بیٹھے بیٹھے یہ شوق چرایا کہ چلو رنڈیوں کے محلے میں جا کر پکٹنگ کریں ۔ چنانچہ آپ اپنے چند "کھدر پوش" رفیقوں کو ساتھ لے کر " بازار حسن " میں پہنچ گئے اور معشوقوں پر زبردست پہرہ لگا دیا تاکہ عشاق ان کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں ۔ عشاق مارپیٹ اور لپاڈگی کو شرافت عشق کے خلاف سمجھتے

Marfat.com

ہیں اور رنڈیوں کے چاہنے والے یوں بھی کسی قدر بزدل ہی ہوتے ہیں ۔ چنانچہ جہلم کی شاہدان بازاری کے عشاق نے بھی رضاکاران کانگرس سے کوئی تعرض نہ کیا ۔ صبر کی سل سینے پر رکھی اور یہ سمجھ کر واپس چلے گئے کہ "اچھا اگر خدا کو چند روز اور ہمیں مفارقت کی مصیبت میں مبتلا رکھنا ہے تو یونہی سہی ۔

ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر"

ایک دو دن تک تو رنڈیوں نے اپنے کاروبار کی بندش کو برداشت کر لیا اور یہی سمجھتی رہیں کہ ڈاکٹر صاحب اور ان کے لشکری عنقریب اس لائحہ عمل کو چھوڑ کر کوئی دوسرا محاذ اختیار کر لیں گے لیکن جب ڈاکٹر صاحب دو تین دن تک یونہی ڈٹے رہے تو رنڈیوں نے بھی اپنی ایک کانگرس منعقد کی اور اس میں نہایت اہم قرار دادیں منظور کیں ۔ دوسرے ہی دن ان میں سے چند نہایت شوخ و شنگ پری چہرہ "رضاکارنیاں" ایک دستے کی صورت میں ڈاکٹر صاحب کے مطب پر پہنچ گئیں اور پکٹنگ شروع کر دیا کسی مریض یا کسی دوا کے خریدار کو یہ جرات نہ پڑتی تھی کہ حسن و جمال اور غنج و دلال کے اس حصار جمیل کو توڑ کر ڈاکٹر صاحب تک پہنچ سکے ۔ جب ڈاکٹر صاحب کو دن بھر میں ایک پیسے کی آمدنی بھی نہ ہوئی تو بے چارے بہت جزبز ہوئے اور دو تین بھلے مانسوں کو بلا لائے جنہوں نے "رضاکارنیوں" سے سلسلہ گفت و شنید شروع کیا اور اس عجیب و غریب پکٹنگ کی وجہ دریافت کی ۔

رضاکار رنڈیوں نے جواب دیا کہ ہم حسن فروش ہیں اور ڈاکٹر صاحب دوا فروش ہمارا مال سودیشی ہے اور ڈاکٹر صاحب کی تمام دوائیں بدیشی ہیں ۔ اگر وہ کانگرس کے نام پر سودیشی مال کی تجارت کے خلاف بھی پکٹنگ کر سکتے ہیں تو کیا ہمیں یہ حق بھی حاصل نہیں کہ ہم ان کی دکان کے بدیشی مال کو فروخت نہ ہونے دیں ؟ دلیل نہایت معقول تھی ۔ ڈاکٹر صاحب کے نمائندے اس کا کچھ جواب نہ دے سکے ' بالاخر مفاہمت پر معاملہ ختم ہوا ۔ اب ڈاکٹر صاحب بدستور دوا فروشی میں اور رنڈیاں بدستور حسن فروشی میں مصروف ہیں ۔ "ما بخیرو شما بسلامت ۔ ع"

جھگڑا چکا ' فساد مٹا ' فیصلہ ہوا

لیکن رنڈیوں کی یہ "فتح مبین" نہ صرف کانگرس کے لئے بلکہ سب اخلاق پرست انسانوں کے لئے شرم ناک ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کے ہاں تو مریض آتے ہیں اور

Marfat.com

تند رست ہو کر جاتے ہیں ' لیکن رنڈیوں کے کوٹھوں پر تندرست انسان جاتے ہیں اور جسمانی و روحانی اعتبار سے مریض ہو کر آتے ہیں ۔ بلا شبہ سودیشی اور بدیشی مال کا فرق بہت معتبر ہے لیکن مہاتما گاندھی کا تو یہ مسلک ہے کہ سودیشی شراب ' سودیشی تاڑی اور سودیشی افیم ہر حالت میں ناجائز ہے اور بدیشی کاغذ بدیشی سیاہی اور بدیشی گھڑی بالکل جائز ہے ۔ رنڈیوں کا حسن اور ان کی عصمت محض سودیشی متاع ہونے کی وجہ سے کانگرسیوں کے نزدیک واجب الاحترام نہیں ہو سکتی ۔ ہمارے نزدیک ڈاکٹر صاحب کو دس پندرہ دن کے لئے اپنی دکان بند کر کے رنڈیوں کے مکانوں پر پہرہ لگانا چاہئے لیکن اس بات کا اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ کہیں عصمت فروشی کو روکنا بھی خلاف قانون ہی نہ ہو ۔ آج کل قانون ایسے ہی ہوتے ہیں ۔[۳]

انقلاب ۔ جلد نمبر ۴ ۔ نمبر ۲۷۰ ۔ سہ شنبہ ۔ ۱۳ مئی ۱۹۳۰ء

(۷)

آج ایک زندہ دل نامہ نگار صاحب نے ہمارے پاس ایک پوسٹ کارڈ بھیجا ہے جو کسی شخص رولو رام ساکن رام گڑھ سردہاراں نے اپنے کسی عزیز سندر داس کو جو لوکو شاپ مغل پورہ میں کام کرتا ہے ' ارسال کیا ہے ۔ اس کارڈ کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے ۔

عزیزی بھائی صاحب سندر داس ۔ اشیرباد کے بعد واضح ہو ' اس جگہ خیریت ہے ' تمہاری خیریت سری نرائن جی سے نیک مطلوب ہے ۔ احوال یہ کہ رام کشن اور بابو رام کو کہہ دینا کہ رادھا کشن گئو کی بچھیا کے ساتھ جناہ 'گئو کے ساتھ برا کام کر بیٹھا ہے ۔ کل کو کلنک لگا لیا ہے ۔ یعنی خاندان کو) گنگا جی گیا ہوا ہے ۔ خرچ رولو رام نے دیا ہے ۔ رام کشن اور بابو رام یہاں آ جائیں گے ۔ مبلغ اکتیس روپے چار آنے کا گایتری منتر کا جاپ کرانا ہے ۔ آٹھ روپے رولو رام کے خرچ ہوئے ' مبلغ چالیس روپے بھیج دیویں ۔ اگر اس کو بھائی چارے میں لانا ہے تو تم میں سے ایک چالیس روپے لیتا آوے ۔ سندر داس تم ان کو ضرور اطلاع کر دیویں ' ورنہ کل میں سے نکالا جائے گا ۔

اس خط کی " اردوئے معلیٰ " سے تو قطع نظر کیجئے ۔ مطالب عالیہ پر غور فرمایئے کہ بعض غلط عزیزوں کی غلطیوں کا خمیازہ کس طرح دوسرے رشتہ داروں کو بھگتنا پڑتا

Marfat.com

ہے۔ ایک نوجوان تجرد سے تنگ آ کر گائے کی بچھیا سے "جناہ" (زنا کا بگاڑ ہے) کر بیٹھا اور برادری سے خارج کر دیا گیا۔ اب ایک طرف اسے خاندان میں داخل کرنے کے لئے گایتری منتر کا جاپ کرانا پڑا جس پر اکتیس روپے چار آنے صرف ہو گئے۔ دوسری طرف اسے کرایہ دے کر گنگا جی بھیجنا پڑا تا کہ پاپ دھل جائیں۔

اگر رادھا کشن صاحب کو معلوم ہو تا کہ گائے کی بچھیا اتنی مہنگی پڑے گی تو وہ کبھی اس کی طرف توجہ بھی نہ کرتے اور تسکین جذبات کے لئے بازار کی کسی رنڈی کے یہاں ہو آتے' وہ غالباً اس سے سستی رہتی۔ بہر حال رادھا کشن صاحب کو بچھیا کے عشق میں جو مشکلات پیش آئیں' وہ مستحق ہمدردی ہیں۔

"بچھیا کے باوا" تو سنتے تھے "بچھیا کے پتی" بھی پیدا ہو گئے ----

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۱۲ پنج شنبہ۔ یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء

(۸)

یہ پشاور کے خلافتی بہت ہی خشک زاہد معلوم ہوتے ہیں' ان کے قلوب پر نہ رقص و سرود کی لطافتیں اثر انداز ہوتی ہیں' نہ حسن و جمال کے کرشمے انھیں مسحور کرتے ہیں۔ آج کوئی چوراسی دن گزر گئے ہیں' ان لوگوں نے شاہدان بازاری کے محلے میں پکٹنگ کر رکھا ہے اور کسی عاشق کو اس کے معشوق تک پہنچنے ہی نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ عشاق بازاروں میں تڑپ رہے ہیں اور معشوق اپنے گھروں میں کباب سیخ بنے ہوئے "کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں"۔ ع

جو جل اٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

ہم متعجب تھے کہ کیا پشاور کی عشق خیز سر زمین میں کوئی ایسا دل جلا عاشق مزاج نہیں رہا جو ان خلافتی وحشیوں کو اس بد مذاقی اور بے دردی سے روکے جنھوں نے ایک طرف جذبات وصل و وصال کو خاک میں ملا رکھا ہے اور دوسری طرف حسینوں کی آمدنی کے ذریعے بند کر رکھے ہیں۔ بیسیوں رنڈیاں بیٹ پر چتم باندھے پھرتی ہیں۔ کیا سچ مچ بقول مولانا ابوالکلام آزاد عشق و عاشقی کے گھرانے اجڑ گئے اور حسن و جمال کا کوئی بھی نام لیوا باقی نہیں رہا؟

بارے ایک حوصلہ افزا آواز سنائی دی اور وہ حاکم ضلع صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کی تھی' جنھوں نے خلافتیوں کو ڈانٹا کہ دیکھو' خبردار رنڈیوں کو تکلیف نہ دو' یہ ہماری

Marfat.com

رنڈیاں ہیں کیونکہ آخر ہماری رعایا ہیں اور اگر تم نے ان پر اسی طرح پہرہ بٹھائے رکھا تو ہم تمہاری گردن ناپیں گے۔

سنا ہے کہ چکلے میں ڈپٹی کمشنر صاحب کے اس حکم کا گھر گھر چرچا ہو رہا ہے اور رنڈیاں اپنے پیارے ڈپٹی کمشنر پر صدقے قربان ہوئی جاتی ہیں جس نے ان مصیبت کی ماریوں کے سر پر ہاتھ رکھا اور نگوڑے موئے خلافتیوں کو ڈانٹ پلائی۔ ڈپٹی کمشنر نے یہ حکم صادر کر کے قدیم یورپ کے نائٹوں کی یاد تازہ کر دی ہے جو عورتوں کی حفاظت کے لئے جانیں لڑا دینا لازمہ شجاعت سمجھتے تھے۔ ہماری سفارش ہے کہ ملک معظم آئندہ نوروز پر ڈپٹی کمشنر صاحب کو "سر" کا خطاب عطا فرمائیں ــــــ

انقلاب ـ جلد ۶ ـ نمبر ۱۶۶ ـ پنج شنبہ ـ ۳ دسمبر ۱۹۳۱ء

تعلیقات و حواشی

۱ ـ سہو کتابت کی بناء پر یہ لفظ رہ گیا تھا ـ اضافہ از مرتب ـ

۲ ـ یہاں "نمبر ۰۷" ـ ہونا چاہیے تھا ـ

۳ ـ اس زمانے میں کانگرس کی تحریک عدم تعاون جاری تھی ـ اس تحریک کے کئی مقاصد تھے مثلاً برطانوی مصنوعات اور کپڑوں کا بائیکاٹ ' بدیشی شراب اور اشیائے تعیش سے پرہیز اور معاشرتی برائیاں مثلاً عصمت فروشی وغیرہ کو روکنے کی کوشش کی جائے ـ اس تحریک کا بنیادی مقصد آزادی کا حصول تھا ـ ۴ ـ کانگرس کی تحریک عدم تعاون پورے ملک میں زور و شور سے جاری تھی لیکن ہندوستانی مسلمان بحیثیت مجموعی اس تحریک سے الگ رہے تھے صرف شمال مغربی صوبہ سرحد میں اس تحریک نے زور پکڑا تھا اور وہاں کے مسلمانوں نے بے پناہ قربانیاں دی تھیں ـ اس وقت شمال مغربی صوبہ سرحد کو برطانوی ہند کے دیگر صوبوں کی مانند آئینی حقوق میسر نہ تھے ـ

Marfat.com

باب یازدہم

گھر پیر کا ہے بجلی کے چراغوں سے روشن

Marfat.com

Marfat.com

گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

(۱)

---- بعض وجوہ سے ہم اب تک روزنامہ انقلاب میں جھوٹے پیروں فقیروں کی طرف متوجہ نہ ہو سکے لیکن اب اس سلسلے کو جاری رکھنے کا ارادہ ہے۔ احباب کرام کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ جہاں کہیں اس قسم کا مکار فقیر پائیں۔ اس کے صحیح و مستند حالات نہایت تفصیل سے لکھ بھیجیں اور دو باتوں کا خاص خیال رکھیں۔ اول جو فقیر ظاہری احکام شریعت کا پابند ہو اور اخلاق عالیہ سے بھی بہرہ رکھتا ہو، اس کو محض فروعی عقائد کے اختلاف کی بنا پر مطعون نہ کیا جائے۔ صرف لچے لفنگے، پیٹو، سیاہ کار اور مشرک پیروں اور فقیروں کا کچا چٹھا قلم بند کیا جائے۔ دوم جو حالات لکھے جائیں، ان میں غلطی کا شائبہ تک نہ ہو۔ ہر چیز پوری تحقیق سے درج کی جائے تاکہ ہماری ذمہ داریوں میں بھی خلل نہ پڑے اور کسی شخص سے خواہ مخواہ بے انصافی بھی نہ ہو۔[1]

ایک دوست لکھتے ہیں کہ میں ہزارہ کی طرف سے لاہور آ رہا تھا کہ "دوڑ" ندی کے پاس عورتوں کی بہت سی ٹولیاں دکھائی دیں جو نہایت صاف ستھرے کپڑے پہنے، ہار سنگھار کئے، گاتی ہوئی چلی جا رہی تھیں۔ میں یہ سمجھا کہ کسی شادی میں شریک ہونے کے لئے جا رہی ہوں گی لیکن تحقیق حال سے معلوم ہوا کہ یہ تمام غوغائیاں "مزار داڑی" پر جا رہی ہیں، جہاں ہر جمعرات کے دن بڑی دھوم دھام سے عورتوں کا میلہ لگتا ہے اور رات کے بارہ بجے تک مردوں اور عورتوں میں قوالی کا مقابلہ ہوتا ہے جس میں بعض نہایت فحش گیت بھی بے تکلف گائے جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جہاں آدھی رات تک یہ دھما چوکڑی رہے، وہاں باقی آدھی رات

Marfat.com

کن مشاغل میں کٹتی ہو گی ' چنانچہ محفل قوالی ہی میں نگاہوں کا سودا ہو جاتا ہے اور مزار کے آس پاس ہر کونے میں صبح تک وہ کچھ ہوتا ہے ' جسے دیکھ کر شاید آسمان کے تارے بھی آنکھیں موند لیتے ہوں گے اور یہ عورتیں جمعتہ المبارک کے دن صبح کے وقت اسی دھوم دھڑکے سے گاتی ہوئی واپس چلی جاتی ہیں ۔ سنا ہے کہ اس رات کی ریاضت سے جو سلسلہ توالد و تناسل بڑھتا ہے ' اسے صاحب مزار کی خاص مہربانی سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ (نعوذ باللہ منھا)

انقلاب ۔ جلد ا ۔ جلد نمبر ۲۱ ۔ شنبہ ۔ ۳۰ اپریل ۱۹۲۷ء

(۲)

دہلی کے اخبار "تیج" نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۹ مئی میں ایک نہایت مزے کا واقعہ لکھا ہے جس سے پرانے خیال کے بعض ہندوؤں کی "زن بخش" ذہنیت کا پتا چلتا ہے ۔ اس واقعہ کو ہم ان کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں ۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے ' ایک نوجوان والی ریاست جو بنارس میں رہ کر پوجیہ پادمالوی جی کے کالج میں تعلیم پا چکے تھے ۔ اپنی ماتا اور استری کو ساتھ لے کر اجودھیا جی کی یاترا کے لئے گئے ۔ ماتا رانی سناتن اور پراچین دھرم کی حد سے زیادہ دل دادہ تھیں ۔ آپ نے اپنے سپتر سے فرمایا ۔ بیٹا ' جب میں تمہارے پتا کے ساتھ اس تیرتھ اشنان پر آئی تھی تو انھوں نے مجھے بطور خیرات پنڈے جی کی خدمت میں نذر کر دیا اور اس کے بعد روپیہ دے کر مجھے خرید لیا تھا ۔ تم بھی اپنی رانی کسی پنڈے کو دے ڈالو اور پھر خرید لو اس سے بڑا پن ہو گا ۔"

نوجوان راجہ تعلیم یافتہ تھے ' انھیں یہ لغویت سخت ناپسند ہوئی لیکن جب اماں کو رنجیدہ دیکھا تو انھیں خوش کرنے کے لئے اپنی رانی ایک پنڈے کو دان دے دی ۔ پنڈت جی نے یہ نذر قبول کر کے حکم دیا کہ رانی جی کا ڈولا ہمارے گھر پہنچا دو ۔ راجہ صاحب نے ایک ہزار روپیہ دے کر رانی کو واپس لینا چاہا لیکن پنڈے جی راضی نہ ہوئے ۔ یہاں تک کہ رانی صاحبہ کا سارا زیور اور دس ہزار روپیہ نقد پیش کیا گیا لیکن پنڈے نے صاف کہہ دیا کہ "میں تو رانی ہی لوں گا ' میرا قاعدہ ہے کہ دان میں جو چیز ملے اسے بیچا نہیں کرتا ۔"

Marfat.com

اب تو راجہ صاحب بہت جزبز ہوئے اور جھنجلا کر اپنے آدمیوں کو حکم دے بیٹھے کہ "اس بدمعاش پنڈے کو جوتے لگاؤ" آدمی ابھی اس حکم کی تکمیل پر آمادہ ہی ہو رہے تھے کہ ماتا رانی جی آگ بگولا ہو گئیں اور کہنے لگیں کہ دیکھنا یہ انرتھ نہ کرنا' جب تک پنڈا رضامند نہ ہو رانی کا ڈولا اس سے نہ چھیننا' ورنہ پن کی بجائے سخت پاپ ہو گا۔ راجہ صاحب نے پھر پنڈے کی منت خوشامد کی لیکن اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ دنیا جہان کی نعمتوں کو ایک نوجوان رانی کی خاطر ٹھکرا رہا تھا اور رانی کے پتی دنیا جہان کی نعمتیں دے کر بھی اپنی زینت آغوش واپس لینا چاہتے تھے۔ جب کسی طرح وہ اپنے ہاتھوں کھویا ہوا گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا تو راجہ صاحب فیض آباد کے ڈپٹی کمشنر کے پاس پہنچے اور اپنی مصیبت کی داستان سنا کر امداد کے طالب ہوئے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب یہ قصہ سن کر بے اختیار ہنس دئے اور کہنے لگے میں ابھی یہ معاملہ پولیس کے سپرد کر دیتا ہوں۔ اس پر راجہ صاحب نے عرض کی کہ میری ماتا پنڈے کو کسی قسم کی اذیت دینے پر راضی نہیں ہیں اور چاہتی ہیں کہ پنڈا کچھ روپے لے کر رانی جی کا ڈولا واپس دے دے ــــــ

جب ڈپٹی کمشنر نے راجہ کا یہ حال دیکھا تو اس نے انھیں یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ ہم پنڈے کو راضی کر لیں گے۔ چنانچہ پنڈے صاحب پکڑ لئے گئے اور حوالات میں ڈال دئے گئے۔ پانچ ہی روز میں پنڈے جی کے دماغ پر عشق کا بھوت اتر گیا اور عقل ٹھکانے ہو گئی۔ اس کے بعد وہ صرف ایک ہزار روپیہ پر رضامند ہو گیا۔ راجہ صاحب نے روپیہ ادا کیا اور سخت مشکل سے رانی صاحبہ کا ڈولا لے کر گھر آئے۔

اگر ماتا رانی کی زبردستی' راجہ صاحب کی حماقت اور پنڈے کی ضد پر ڈپٹی کمشنر کی دانائی غالب نہ آ جاتی تو آج رانی صاحبہ پنڈے کے گھر ہوتیں اور راجہ صاحب محل میں بیٹھے ہوئے مکھیاں مار رہے ہوتے۔ اللہ اللہ! بیسویں صدی کا زمانہ ہے اور پڑھے لکھے ہندوؤں کی یہ حالت ہے۔

حیف گر درپس امروز بود فردائے

انقلاب۔ جلد ا۔ نمبر ۴۸۔ چہار شنبہ۔ یکم جون ۱۹۲۷ء

(۳)

مسلمانوں کی طرح ہندوؤں میں بھی بڑے بڑے بے حیا فقیر موجود ہیں۔ فرق

Marfat.com

دونوں میں صرف اس قدر ہے کہ مسلمان فقیر علی العموم افعال سیاہ ہی کے مرتکب ہوتے ہیں اور ہندو فقیر ظاہری عریانی میں بھی اپنے کمالات دکھاتے ہیں۔ پچھلے دنوں کمبھ کے میلے پر صدہا ایسے سادھو آئے ہوئے تھے جو عمر بھر مادر زاد برہنہ رہتے ہیں۔ چنانچہ ان ننگے سادھوؤں کا ایک جلوس بھی نکلا تھا' جسے دیکھ کر حیا نے منہ پھیر لیا اور تہذیب نے آنکھیں بند کر لیں لیکن ہندو دیویاں متاثر نہ ہوئیں اور برابر ان ننگ دھڑنگ دھرماتما سادھوؤں کے قدموں کی خاک لے لے کر اپنی آنکھوں سے لگاتی رہیں۔

پچھلے دنوں درگیانہ مندر (امرتسر) میں ایک عجیب واقعہ ہوا جس سے بعض ہندو سادھوؤں کی حالت پر روشنی پڑتی ہے۔ امرتسر کا ایک چھوٹا سا اخبار "اہلو والیہ گزٹ" اپنی اشاعت مورخہ ۸ ستمبر میں لکھتا ہے کہ امرتسر میں درگیانہ تالاب مدت سے ہندو دیویوں کے لئے سیر گاہ بنا ہوا ہے۔ جہاں پانچ بجے انھوں نے اپنی بہو بیٹیوں کو ساتوں سنگھار کرا کر اپنے ساتھ لیا اور درگیانہ میں دیوتاؤں کے درشن کے لئے چل دیں۔ غیرت مند انسان ان کو اس نمائش حسن و جمال سے روکتے ہیں لیکن "تماش بین" حضرات ان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور ان سے بتاکید کہتے ہیں کہ یہاں ضرور آیا کرو' یہاں آنے سے پاپ کٹ جاتے ہیں۔

ایک سادھو مہاتما سیتلا مندر کے پاس شام کے سات بجے براجمان تھے۔ بہت سے سادھو آپ کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ ایک بھگت نے سادھو مہاتما سے پوچھا کہ "سچے سنیاسی کی پہچان کیا ہے؟" اس پر مہاتما نے کہا کہ "آؤ' میں تمہیں سنیاسی کی عظمت دکھاؤں۔" یہ کہہ کر آپ عین اس جگہ پہنچے جہاں دیویوں کا جمگھٹا زیادہ تھا۔ وہاں پہنچتے ہی آپ نے اپنا لنگوٹ کھول ڈالا اور مادرزاد برہنہ ہو کر ان حسن کی پتلیوں میں چکر لگانے لگے۔ سادھو جی نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اخبار مذکور کا بیان ہے کہ آپ نے اپنے بعض ناگفتہ بہ اعضا سے پروفیسر رام مورتی کی طرح بعض طاقت کے کھیل دکھائے۔ ہزاروں زناریوں کا ہجوم ہو گیا جو بڑے اشتیاق سے سادھو مہاتما کے کمالات دیکھ دیکھ کر "مہاتما جی کی جے" کے نعرے لگانے لگا۔

سنا ہے کہ یہ باصرہ خراش منظر دیکھ کر بعض حیا دار عورتوں نے واویلا کرنا شروع کر دیا اور غیرت مند مردوں نے بھی طیش میں آکر اس بے [illegible] شخص کے خلاف آواز

Marfat.com

بلند کی۔ کہتے ہیں درگیانہ مندر اور تالاب کی نگرانی پر جو ملازم مقرر ہیں ' وہ خود اس تماشے کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے اور کسی نے سادھو کو اس حرکت سے روکنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

کیا فرماتے ہیں پنڈت مالوی جی اس مسئلہ میں کہ جس مندر اور تالاب کے افتتاح کی رسم آپ گائے کی دم کو تھام کر تالاب کو عبور کر کے بجا لائے تھے ' اس پر دن دہاڑے اس قسم کی بے حیائیاں آپ کے نزدیک جائز ہیں ؟ کیا سناتن دھرمی ہندوؤں میں کوئی ایسا طبقہ بھی موجود ہے جو سادھو مہاتما کی اس حرکت کو جزو مذہب سمجھتا ہو؟

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۷۷ پنج شنبہ ۔ ۶ اکتوبر ۱۹۲۷ء

(۴)

پچھلے دنوں ہم نے امرتسر کے سیتلا مندر کے ایک سادھو کی بے حیائی کا واقعہ " افکار" میں لکھا تھا جو بہت زیادہ واشگاف طریق سے ہندوؤں کے ایک اخبار " اہلووالیہ گزٹ" میں درج ہو چکا ہے لیکن " ملاپ" اور بعض دوسرے ہندو اخباروں کی دیانت ملاحظہ ہو کہ انھوں نے " اہلووالیہ گزٹ" کا تو نام نہ لیا لیکن " انقلاب" کی تہذیب پر حرف گیری شروع کر دی ' حالانکہ ہم نے " افکار" میں "اہلو والیہ گزٹ" کا حوالہ بھی دیا تھا۔

ہم نے یہ واقعہ لکھ کر ہندو مذہب پر کوئی چوٹ نہیں کی بلکہ ہماری تحریر کا انداز وہی تھا جو ہم جھوٹے پیروں فقیروں کے خلاف استعمال کیا کرتے ہیں اور مقصد محض اصلاح ہے لیکن ہندو اخباروں کی ذہنیت عجیب ہے۔ ان کے نزدیک وہ سادھو بد تہذیب نہیں جنھوں نے بے حیا سادھو کی حرکتوں سے اغماض کیا وہ بد تہذیب نہیں ' وہ ہندو اخبار بد تہذیب نہیں جس نے اس واقعہ کو نہایت فحش طریق سے بیان کیا لیکن ' انقلاب کی تہذیب قابل اعتراض ہے جس نے نہایت مہذب انداز سے واقعہ پیش کیا اور ہندوؤں کو اس کی اصلاح (کی) طرف توجہ دلائی ۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۸۳۔ پنج شنبہ ۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۷ء

(۵)

" افکار و حوادث" کے ایک نامہ نگار شیخ خدا بخش سوداگر چرم چنیوٹ کے رہنے

Marfat.com

والے ہیں لیکن کلکتہ میں کاروبار کرتے ہیں۔ آپ پچھلے دنوں اپنے کاروبار ہی کے سلسلے میں مدراس تشریف لے گئے تھے۔ وہاں آپ کو جھوٹے اور بدکار پیروں کی ایک نئی کارستانی معلوم ہوئی جس کا حال آپ نے لکھ کر ہمیں بھیجا ہے۔ آپ اپنے مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں کہ مدراس کے ایک گھر میں ایک خادمہ کھانا پکانے کا کام کرتی تھی ﷺ کچھ مدت پہلے اس کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے گھر کے ایک دو آدمیوں نے اس سے دریافت کیا۔ "کھوبی، تم نے دوسرا نکاح بھی کیا یا نہیں ؟"

اس کے جواب میں اس نیک بخت نے کہا۔ "ان بیاہا رکھ کے ہوں میاں۔" میں مدراسی اردو کے اس فقرے کا مطلب نہ سمجھ سکا اور میں نے کہا۔ "بی، میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا؟" وہ کہنے لگی۔ "میاں، پیر کا قول کر کے ہوں۔" مجھے اس فقرے پر بھی الجھن ہوئی۔ جب میں نے کرید کرید کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ مدراس کے بعض پیر مرد اور عورت کے عارضی تعلق کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس کو "پیر کا قول" کہتے ہیں۔

اب اس "پیر کے قول" کی تفصیل سنئے۔ کسی "دل پھینک" مرد نے کسی رنگین مزاج عورت کو تاکا۔ نگاہ بازیاں ہوئیں اور وصل و وصال پر رضا مندی ہو گئی چونکہ نکاح کا قصہ لمبا ہے، عمر بھر کی پابندی کون گوارا کرے، لہذا انہوں نے آپس ہی میں بات چیت کر کے فیصلہ کر لیا کہ تین مہینے کے لئے "پیر کا قول" کرا لیا جائے۔ چنانچہ دونوں تھوڑی سی شیرینی لے کر ایک پیر صاحب کے پاس حاضر ہوئے۔ اگر شیرینی کافی مقدار میں ہے تو پیر صاحب چاہیں ایک برس کا "قول" کر دیں لیکن اگر شیرینی تھوڑی ہے تو پیر صاحب فرماتے ہیں، تم دونوں اپنا اور اپنی ماؤں کا نام بتاؤ۔ جب نام بتائے جاتے ہیں تو پیر صاحب چند لمحوں کے لئے مراقبہ میں مستغرق رہنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "تمہارے لئے صرف پندرہ دن کا حکم آیا ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔"

اگر اس پر "زوجین" نے اصرار کیا کہ "قول کی مدت زیادہ ہونی چاہئے" تو پیر صاحب جھنجلا کر فرماتے ہیں۔ "کم بختو! اگر شادی بیاہ کرتے تو ہزاروں روپیہ اٹھ جاتا لیکن پیر صاحب کے پاس آتے وقت خالی ہاتھ چلے آئے ہو۔ کیا تمہیں شرم نہیں آتی؟" اس کے بعد اگر ان عاشق مزاجوں نے چند اور روپے شیرینی کے لئے پیش کر

Marfat.com

دے تو نئے سرے سے "قول" کی اجازت ہو گئی اور وہ دو تین مہینے کے لئے قول کے پابند کر دئے گئے ورنہ وہاں سے اٹھ کر کسی اور پیر کے ہاں پہنچ گئے جہاں "قول" ذرا سستا مل جاتا ہو۔

"پیر کے قول" کا طریقہ بھی ملاحظہ ہو۔ جس وقت شیرینی اور "مدت قول" کا مسئلہ طے ہو جاتا ہے تو پیر صاحب مرد اور عورت سے کہتے ہیں کہ اپنے ہاتھ باہر نکالو اس کے بعد مرد کا ہاتھ عورت کے ہاتھ پر رکھتے ہیں' پھر اپنا بایاں ہاتھ ان دونوں ہاتھوں کے نیچے رکھ کر دائیں ہاتھ سے مرد کی ٹھوڑی چھوتے ہیں اور کہتے ہیں۔ "کہو بسم اللہ" پھر اسی طرح عورت کی ٹھوڑی پر ہاتھ لگا کر اسے بھی بسم اللہ پڑھاتے ہیں اور اس کے بعد ان کے ہاتھوں پر اپنا دایاں ہاتھ مار کر کہتے ہیں۔ "جاؤ چھ مہینے کے پیر کے قول" پر رہنا اور توڑنا نہیں۔" رسم ادا ہو چکنے کے بعد مرید مبارک سلامت کا غل مچا دیتے ہیں اور یہ "قول شدہ" جوڑا وہاں سے نکل کر سیدھا حجرۂ زفاف کی راہ لیتا ہے۔

شیخ خدا بخش لکھتے ہیں کہ بے شمار لڑکے لڑکیاں' مردوں اور عورتوں کے ان عارضی اور ناجائز تعلقات سے پیدا ہوتی ہیں' جن کو اپنے ماں باپ کا کچھ پتا نہیں ہوتا بعض مردوں کی یہ حالت ہے کہ ایک کو چھوڑ کر دوسری سے اور دوسری کو چھوڑ کر تیسری سے "پیر کا قول" کراتے ہیں اور جب تک چاہتے ہیں یہ سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ شیخ صاحب ذمہ لیتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اس پر یقین نہ ہو تو وہ صدہا آدمیوں سے اس کی تصدیق کرا دینے پر آمادہ ہیں۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۰۴ ایک شنبہ۔ ۶ نومبر ۱۹۲۷ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۶)

مدیر "افکار و حوادث" پانچ سال سے جھوٹے پیروں' فقیروں اور بے عمل کٹ ملاؤں کے خلاف جہاد بالقلم میں مصروف ہے۔ آج اسے یہ معلوم کر کے فخر محسوس ہوتا ہے کہ افغانستان کا روشن خیال مسلمان شہریار بھی مسلمانان ہند کے سامنے اپنی پہلی تقریر میں اسی طائفے کے خلاف اعلان بے زاری کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے مطلب پرست فقیروں اور خود غرض ملاؤں کے خلاف جو عتاب آمیز کلمات ارشاد فرمائے ہیں' وہ مدت دراز تک اہل ہند کے کانوں میں گونجتے رہیں گے۔ یا اتے

Marfat.com

بڑے مسلمان فرماں روا کی رائے سن کر بھی مسلمانوں کو یقین نہ آئے گا کہ مدیر "افکار" جو کچھ لکھتا ہے درست ہے؟ کیا اب بھی مسلمان نہ سمجھیں گے کہ ملت بیضا کی مصیبتوں کے حقیقی ذمہ دار یہی بے عمل ملا اور پیر ہیں، جنہوں نے لاکھوں مسلمانوں کو بے عمل اور گمراہ کر رکھا ہے؟۔۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۴۱۔ سہ شنبہ۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۲۷ء

(۷)

۔۔۔۔ قصبہ سیری پیراں (واقع زیرین تحصیل باغ ریاست پونچھ) سے ایک نہایت عبرت ناک اطلاع موصول ہوئی ہے۔ ایک حسین و جمیل عورت جس کا شوہر اس سے ناراض ہو گیا تھا، گھر سے نکل کر قصبہ کے ایک سجادہ نشین سید صاحب کے سایہ عاطفت میں پہنچ گئی۔ سجادہ نشین صاحب کا رعب داب بہت زیادہ تھا، عورت کا شوہر ان کے خوف کے مارے ہجرت کر کے لاہور آگیا اور یہاں ملازمت اختیار کر لی۔

سجادہ نشین صاحب کے نوجوان صاحب زادہ صاحب اس عورت کے حسن و جمال پر لٹو ہو گئے اور تھوڑی سی کوشش سے اس کو گرفتار محبت کر لیا۔ آپ کے ساتھ ہی آپ کے استاد ایک مولانا "مولوی فاضل" صاحب بھی فریفتہ جمال ہو گئے۔ غرض "الوہیت عشق کے یہ اقانیم ثلاثہ" ایک میں تین اور تین میں ایک کا جلوہ دکھانے لگے۔

اب کرنا خدا کا کیا ہوتا ہے کہ عورت کے ایک عدد بچہ پیدا ہو گیا۔ قصبہ کے حکام و عوام سب انگشت درہاں رہ گئے۔ اب یہ مسئلہ علما کے سامنے پیش ہے کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ عورت نے اپنے بیانات میں سجادہ نشین صاحب، صاحبزادہ صاحب اور حضرت استاذ تینوں کے اسمائے گرامی لکھوائے ہیں اور کہتی ہے کہ مجھے کیا معلوم بچہ کس کا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مشائخ کرام بیچ اس مسئلہ کے کہ بچہ کس کا ہے؟

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۲۴۳۔ سہ شنبہ۔ ۲۴ اپریل ۱۹۲۸ء

(۸)

آج تک مدیر "افکار" مسلمان پیروں فقیروں ہی کی فحش کاریوں کا پردہ چاک کرتے رہے لیکن آج ایک ہندو "پیر" کی کارستانیوں کی کہانی سنائیں گے جس نے

Marfat.com

کلکتہ کے مارواڑیوں کو آج کل آتش زیرپا کر رکھا ہے۔ قصہ یوں ہے کہ کلکتہ میں ہندوؤں کی ایک خانقاہ "گوبند بھون" کے نام سے مشہور ہے۔ اس بھون کے متولی ایک مہنت مسمی بھگت جی دیال جی تھے۔ کئی سال ہوئے بھگت جی نے اپنے ایک چیلے ہیرا لال کو اپنی گدی پر بٹھا دیا۔ ہیرا لال جی ایک تجارتی فرم میں "منیم" تھے لیکن جونہی آپ سجادہ نشین ہوئے' حساب کتاب چھوڑ کر "ایک برہم دو تیوناستی" یعنی لاموجود الا اللہ کا ذکر و شغل فرمانے لگے اور چند ہی روز میں دعویٰ کر دیا کہ میں "بھگوان کرشن اوتار" ہوں۔

چند ہی روز میں کرشن بھگوان کی لیلا رچنے لگی۔ جس طرح ہمارے ہاں پیروں کے دربار میں مریدوں کی نسبت مریدنیوں کی تعداد زیادہ ہوا کرتی ہے' اسی طرح بھگت ہیرا لال بھی صدہا چیلیوں کی انتہائی عقیدت کا مرکز بن گئے۔ ہر وقت پری پیکر اور گہنے پاتے سے بنی ٹھنی نازنینوں کا ہجوم رہنے لگا۔ سہیلیوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں رات کے وقت سیوا کے لئے آنے لگیں۔ جب یہاں غریب دیہاتی مسلمانوں کے پیر بھی نذرانوں سے ہزاروں روپیہ جمع کر لیتے ہیں تو بھلا کروڑ پتی مارواڑیوں اور ان کی "دیویوں" کا "پیر" کیونکر "دھن پتی" نہ ہو جاتا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں بھگت جی مہاراج کے پاس تین چار لاکھ روپے کی رقم ہو گئی۔

دیہات کے جاہل پیروں کی طرح اس کم بخت "بگلا بھگت" نے بھی اپنی چیلیوں کے دماغوں میں یہ خیال راسخ کر دیا تھا کہ اپنے بھگت اور گرو سے اختلاط ہزارہا برکات آسمانی کا موجب ہے۔ چنانچہ کل جگ کے اس کل موہنے "کرشن" نے دل کھول کر مریدنیوں کی متاع عصمت پر ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیا۔ ہندو اخباروں کا بیان ہے کہ کئی امیر گھرانوں کی دیویاں' کروڑ پتیوں کی کنیائیں اور بڑے بڑے سیٹھوں کی استریاں اپنی عصمت کو بھگوان کے قدموں پر نچھاور کر گئیں۔ ہندو قوم چونکہ اعداد و شمار میں بہت ماہر ہے' اس لئے کسی منیم جی نے اندازہ کیا ہے کہ ہیرا لال نے ایک سو پچپن دیویوں کو خراب کیا۔

لطف یہ ہے کہ جو دیویاں' استریاں اور کنیائیں بھگت جی مہاراج کے ہاں سے سرفراز ہو کر آئیں وہ اپنی قسمت کی خوبی پر خوشی کے مارے پھولے نہ سماتی تھیں۔ کیوں نہ ہو' جن لاج ونتیوں کو اس کل جگ کے زمانے میں "کرشن مراری بانکے

Marfat.com

بھاری" کی مخمور کن محبت میسر ہو جائے' وہ اپنی قسمت پر جتنا بھی ناز کریں' کم ہے اور اس کے چرنوں پر جو کچھ بھی قربان کر دیں تھوڑا ہے۔ لیکن یہ کم بخت مرد اور عورت کے تعلقات شاید مشک اور کافور کے خواص رکھتے ہیں کہ ہزار چھپایئے ظاہر ہو کر ہی رہتے ہیں۔ آخر ایک دن بھانڈا پھوٹا۔ جس مکان میں بھگت جی مہاراج سکونت رکھتے تھے' اس کے مالک نے آپ کو ایک بند کمرے میں دو چیلیوں کے ساتھ پکڑ لیا بس پھر کیا تھا بھگت جی اپنی کرامات کے زور سے دوسرے ہی دن غائب ہو گئے اور آج تک آپ کا سراغ ہی نہیں ملا۔۔۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۲۶۵۔ شنبہ۔ ۱۹ مئی ۱۹۲۷ء

(۹)

۔۔۔۔ ایک اور قصہ سن لیجئے۔ کٹڑہ مہان سنگھ میں ایک موچی رہتا ہے۔ اس کی بیوی چھ سات ماہ سے بیمار تھی' کسی نے اس سے کہہ دیا کہ تمہاری بیوی کو بھوت چمٹ گیا ہے' تم کسی پیر سے علاج کراؤ۔ چند روز بعد ایک فقیر صاحب آن پہنچے۔ موچی نے سائیں جی کو گھر میں لا کر عورت کو دکھایا۔ سائیں جی کہنے لگے۔ " پچاس روپے دو' شفا ہو جائے گی' موچی نے منت سماجت کر کے دس روپے پیش کئے۔ سائیں جی نے روپے جیب میں داخل کئے۔ رات کو موچی تو سوتا رہا اور آپ رات بھر اس کی بیوی پر کچھ ایسا افسوں پڑھ کر پھونکتے رہے کہ صبح تو سائیں جی رخصت ہوئے اور دوسرے دن موچی کی بیوی بھی کچھ زیور لے کر چمپت ہو گئی۔ فاعتبروا یاولی الابصار۔

انقلاب۔ جلد ۲۔ نمبر ۲۸۲۔ یک شنبہ۔ ۱۰ جون ۱۹۲۸ء۔ سنڈے ایڈیشن

(۱۰)

۔۔۔۔ حال ہی میں جموں سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ وہاں کے ایک مسلمان کی جوان لڑکی بیمار تھی۔ ایک دو معالجوں سے علاج کرایا گیا لیکن فائدہ نہ ہو چاہئے تو یہ تھا کہ کسی اور بہتر معالج کی طرف رجوع کرتے لیکن انھی دنوں ایک فقیر صاحب نازل ہو گئے۔ لڑکی کے والدین نے ان کو لا کر لڑکی کا معائنہ کرایا۔ فقیر صاحب تھے "بہت پہنچے ہوئے"۔ فرمانے لگے' اس پر بھوت کا سایہ ہے جو رات کو

Marfat.com

اتارا جائے گا ۔ سائیں جی کی خاطر مدارت بہت زیادہ ہوئی ۔ جب رات آئی تو آپ نے لڑکی کو ایک کمرے میں لٹا کر سب لوگوں سے کہہ دیا کہ تم چلے جاؤ اور کوئی اس کے پاس بھی نہ پھٹکے ۔ خوش اعتقاد والدین لڑکی کو سائیں جی کے پاس تنہا چھوڑ کر رخصت ہوئے ۔

سائیں جی نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا اور بیمار لڑکی کا ”آسیب اتارنے“ میں مشغول ہو گئے ۔ خدا جانے صبح تک کتنی دفعہ اور کس کس طریقے سے ”آسیب اتارا“ گیا کہ صبح کو جب تمام رشتہ دار اور والدین کمرے میں پہنچے تو وہ مظلومہ بے ہوش پڑی تھی اور سائیں جی غائب تھے ۔ جب بڑی مشکل سے لڑکی ہوش میں لائی گئی اور اس نے رو رو کر اپنی داستان مصیبت سنائی تو سب نے سر پیٹ لیا ۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا ' والدین کی خوش اعتقادی نے غریب لڑکی کے دامن عصمت کو داغ دار کر دیا تھا اور کوئی چیز اس داغ کو دھو نہ سکتی تھی ۔

خدا کا شکر ہے کہ اس وقت چند باہمت آدمیوں نے عقل سے کام لیا اور سائیں جی کی تلاش میں مصروف ہو گئے ۔ شام کے وقت سائیں جی مل گئے اور پولیس کے حوالے کر دیئے گئے۔ ایسے بدمعاش اور ہولناک مجرم کو پھانسی کی سزا بھی دی جائے تو کم ہے۔ کیا مسلمان اب بھی ان فقیروں کے دام فریب میں بدستور پھنسے رہیں گے؟

انقلاب ۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۳۹ ۔ یک شنبہ ۔ ۵ اگست ۱۹۲۸ء

(۱۱)

آج کل امرتسر کے قلعہ بھنگیاں کوچہ املی والا میں ایک پیر صاحب تشریف رکھتے ہیں ' جن کا نام پیر کرم شاہ بتایا جاتا ہے ۔ ایک کرم فرما نے آپ کے بعض حالات قلم بند کر کے ارسال کئے ہیں جن سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ وہی صاحب ہیں جو آج سے چند ماہ قبل حضرت میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ میں مقیم تھے اور جن کی شکل و صورت اور جن کے پر اسرار حالات سے بعض اشخاص کو یہ شبہ ہوا تھا کہ وہ اصل میں کرنیل لارنس صاحب ہیں ' جنھوں نے عربوں کو ترکوں سے بغاوت پر آمادہ کر کے حکومت برطانیہ کی گراں قدر خدمات انجام دی تھیں ۔ آج کل وہ بالکل مفقود الخبر ہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ بھیس بدل کر ہندوستان میں سرکار انگریزی کی جاسوسی کے سلسلے میں مقیم ہیں ۔ ہلم

Marfat.com

اگرچہ ہم قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن کچھ عجب نہیں کہ پیر کرم شاہ فی الحقیقت کرنیل لارنس ہی ہوں۔ ہم نے پیر صاحب کو دیکھا ہے' آپ کا حلیہ بہت کچھ کرنیل لارنس کی تصویر سے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔

پیر کرم شاہ ایک نہایت رعنا اور خوب صورت نوجوان ہے۔ رنگ بالکل انگریزوں سے ملتا جلتا ہے۔ آنکھیں بھی انگریزوں کی طرح کرنجی ہیں۔ سر پر عورتوں کی طرح لمبے لمبے بال ہیں جن کا رنگ سنہری مائل بھورا ہے۔ آپ بالوں کو ایسے نفیس انداز سے بناتے ہیں کہ تقریباً چہرہ بالوں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ کبھی کبھی پیشانی پر ایک خوش نما ریشمی رومال بھی باندھ لیا کرتے ہیں اور ایک سیاہ ریشمی عبا ہر وقت زیب تن رہتی ہے۔ آپ ایک کشیدہ قامت جوان رعنا ہیں۔ داڑھی مونچھ بالکل صاف ہے اور گفتگو ہمیشہ اردو آمیز پنجابی میں کرتے ہیں۔

آج کل آپ نے جو مکان لے رکھا ہے' اس کا چھ ماہ کا کرایہ پیشگی ادا کر دیا ہے اور اپنے کمرے کو بیش بہا قالینوں مخملی تکیوں اور دیگر بیش قیمت سامان سے مزین کر رکھا ہے۔ مکان کے پہلے کمرے میں چند خدام خاص ہر وقت موجود رہتے ہیں جو مردوں کو تو علی العموم یہ کہہ کر واپس کر دیتے ہیں کہ شاہ صاحب ذکر و فکر میں مصروف ہیں' اس لئے مل نہیں سکتے لیکن عورتوں کو ہر وقت داخلہ کی اجازت ہے' کسی قسم کی روک ٹوک نہیں کی جاتی۔ ایک کمرے میں تمام ملاقات کرنے والی عورتیں جمع ہو کر پیر کرم شاہ کے گرد بیٹھ جاتی ہیں' پھر ان میں سے جس عورت کے ساتھ پیر صاحب تنہائی میں گفتگو کرنا چاہیں' اس کو آپ ایک تیسرے کمرے میں لے جاتے ہیں جو تخلیہ ہی کے مقصد سے آراستہ کیا گیا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ عورتوں میں پیر کرم شاہ کی کرامت اور آپ کے حسن و جمال کا بہت زیادہ چرچا ہو رہا ہے۔ چنانچہ نواحی محلوں کے شرفا کی نوجوان عورتیں جوق در جوق آپ کی زیارت کے لئے جاتی ہیں اور گھنٹوں حضرت کے شعلہ جمال سے آنکھیں سینکتی رہتی ہیں۔

ہمارے کرم فرما نے جتنے حالات بیان کئے ہیں' ان کے ایک ایک حرف کی ہم تصدیق کرتے ہیں کیونکہ ہم نے خود پیر صاحب کی زیارت کی ہے اور حضرت میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ پر نہایت عالی خاندان خواتین کو پیر کرم شاہ کی شمع حسن پر اپنی

Marfat.com

آنکھوں سے پروانہ وار فدا ہوتے دیکھا ہے۔
پیر کرم شاہ نے ہم سے دوران ملاقات میں یہ ظاہر کیا تھا کہ آپ اجمیر کے رہنے والے ہیں اور کبھی کبھی پنجاب آکر مشتاقان جمال کی تسکین فرمایا کرتے ہیں لیکن آپ کی زبان سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو پنجابی اور اردو دونوں زبانوں میں سے کسی پر بھی قدرت حاصل نہیں۔ اگر آپ فی الحقیقت اجمیر کے سادات میں سے ہوتے تو آپ کی اردو اتنی غلط نہ ہوتی، جتنی آپ کی زبان پر رواں ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا یہ معمول بھی دیکھا ہے کہ آپ مردوں کی محفل میں بہت کم باتیں کرتے ہیں۔ آنکھیں زیادہ تر نیچی رہتی ہیں، علی الخصوص تعلیم یافتہ ملاقاتیوں سے بہت گھبراتے ہیں لیکن جونہی کوئی عورت آپ کی خدمت میں باریاب ہوتی ہے اپ کا تمام حجاب دور ہو جاتا ہے اور حرکات و سکنات میں ایک بے تکلفی کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔
ہم نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ایک ایسے خوش جمال نوجوان کے سامنے جس کی شخصیت اتنی دل فریبیوں کی سرمایہ دار اور جس کا تبسم اس قدر ساحرانہ ہو بہت کم عورتیں اپنے دل کو قابو میں رکھ سکتی ہیں۔ امرتسر کے جن مسلمانوں کی عورتیں پیر کرم شاہ کے دربار میں حاضر ہوتی ہیں، ان کو متنبہ ہو جانا چاہئے کہ اس آزادی کا انجام بہت برا ہو گا اور عنقریب مسلمانوں کو اس شخص کے حقیقی حالات معلوم ہو جائیں گے۔
اس شخص کو علم شریعت، طریقت کسی چیز سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ کسی شخص کو اس پیر کے پاس بھی نہ پھٹکنا چاہئے بلکہ ایسے طریقے اختیار کرنے چاہئیں جن سے اس کی پیری کا پول کھل جائے۔
یہ شخص کرنل لارنس ہو یا نہ ہو، اس سے ہمیں بحث نہیں، اس کا پیر کی حیثیت سے شرفا کے محلے میں موجود رہنا ہی بہت بڑی خرابی کا باعث ہے۔ کسی مسلمان کو اتنا بے غیرت اور بے حیا نہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی بیوی یا بہن یا بیٹی کو ایک نامحرم، عیش پسند اور بے عمل شخص کے پاس جانے کی اجازت دے دے۔ ہمیں امید ہے کہ امرتسر کے زندہ دل اور پرجوش مسلمان نوجوان بہت جلد بیدار ہوں گے اور اس صورت حال کا خاتمہ کر دیں گے۔

Marfat.com

انقلاب ۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۹۹ سہ شنبہ ۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۸ء

(۱۲)

پیر کرم شاہ کرنل لارنس ہوں یا نہ ہوں اس کے متعلق تو قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن پیر صاحب نے لالہ لاجپت رائے کی ارتھی کے جلوس میں لڑکوں کے ہاتھوں پٹ کر جو شہرت اور اہمیت حاصل کی ہے، وہ عدیم المثال ہے کیے اس حادثہ سے پیشتر تو لاہور اور امرتسر کے بعض لوگ اور "زمیندار" و "انقلاب" کے بعض قارئین ہی آپ کی شخصیت سے باخبر تھے لیکن آج یہ حالت ہے کہ ہر طرف پیر کرم شاہ ہی کا چرچا سنائی دیتا ہے ۔ ایک مقامی اسلامی روز نامہ[۵] پیر صاحب کو کرنل لارنس ثابت کرنے کے لئے افتتاحیے لکھ رہا ہے ۔ دوسرا روز نامہ[۶] آپ کے نامرد ہونے پر اصرار کر رہا ہے ۔ اینگلو انڈین روز نامہ "سول" نے آپ کی تصویر[۷] چھاپ دی ۔ ایسوشی ایٹڈ پریس کے امرتسری نمائندہ نے آپ سے ملاقات کر کے ایک بیان بھی حاصل کر لیا ۔ غرض پیر کرم شاہ کی ہستی کسی "آل انڈیا لیڈر" سے کم نہیں ہے ۔

ہم نے اپنی کسی گزشتہ اشاعت میں لکھا تھا کہ اس شخص کا کرنل لارنس ہونا یقینی نہیں لیکن یہ آدمی فی الحقیقت نہایت پر اسرار اور خطرناک معلوم ہوتا ہے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کو اپنی عقیدت کا مرکز نہ بنائیں اور کوشش کریں کہ کوئی مسلمان عورت اس کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائے ۔ اس نے ایسوشی ایٹڈ پریس کو جو بیان دیا ہے اس میں کہا ہے کہ میرا نام کرم شاہ ہے میرے باپ کا نام لال شاہ تھا اور میری پیدائش بخارا کی ہے حالانکہ لال شاہ اور کرم شاہ خالص پنجابی نام ہیں، بخارا میں کوئی مسلمان اس قسم کے نام نہیں رکھتا ۔

رہا ہے یہ امر کہ پیر کرم شاہ کرنل لارنس ہے یا نہیں، تو ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے جب تک قطعی طور پر معلوم نہ ہو جائے ۔ اس قسم کے خیالات اندھا دھند ظاہر کرتے چلے جانا ہمارے نزدیک اپنے ہاتھوں خود بے وقوف بننا ہے البتہ ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ شخص سچ مچ کرنل لارنس ہوتا اور اس کے مشاغل کی نوعیت بھی وہی ہوتی جو دوران جنگ میں لارنس کی تھی تو جونہی اس کا راز فاش ہوا تھا یہ فی الفور غائب ہو جاتا اور اس کے بعد کسی دوسرے روپ میں صوبے یا ملک کے کسی دوسرے حصے میں نمودار ہوتا ۔ اگر وہ شخص کرنل ہے اور پنجاب میں محض اس

Marfat.com

غرض سے سکونت پذیر ہے کہ بولشویکوں اور ان کے کارندوں کی سرگرمیوں کا پتا چلائے تو ظاہر ہے کہ اس کشف راز کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر شخص اسے شبہ کی نظر سے دیکھ رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی اور پراسرار شخص ہو تو ہو کرنل لارنس یقیناً نہیں ہے۔ ہمیں تو بعض اوقات یہ بھی خیال آتا ہے کہ ممکن ہے پیر کرم شاہ کے متعلق یہ افواہ خود حکومت ہی کی پھیلائی ہوئی ہو اور اینگلو انڈین اخبارات اس افواہ کے پھیلانے میں حکومت کی مدد کر رہے ہوں تاکہ لوگوں کی توجہ پیر کرم شاہ پر مبذول ہو جائے اور خود اصلی کرنل لارنس ملک کے کسی گوشے میں یا سرحد افغانستان پر نہایت بے فکری کے ساتھ حکومت برطانیہ کے مقاصد کی تکمیل میں مصروف کار رہیں۔ اگر پیر کرم شاہ فی الاصل کرنل لارنس ہوتے تو حکومت ان رازوں کو کبھی تشت ازبام نہ ہونے دیتی۔ آج کل کرنل لارنس کے متعلق مختلف قسم کی افواہیں پھیل رہی ہیں کبھی ان کا سراغ ٹوپی میں ملتا ہے۔ کبھی یہ بتایا جاتا ہے کہ شنواریوں کی بغاوت بھی انہوں نے کرائی اور کبھی یہ مشہور کر دیا جاتا ہے کہ وہ امرتسر میں مقیم ہیں اور پیر کرم شاہ کہلاتے ہیں۔

انقلاب - جلد ۳ نمبر ۱۵۱ - سہ شنبہ - ۱۸ دسمبر ۱۹۲۸ء

(۱۴)

پیروں فقیروں نے مسلمان مردوں کی تو مٹی پلید کی ہی تھی عورتوں کو بھی کہیں کا نہ رکھا۔ ہم نے سنا ہے کہ بعض پیروں کی مجالس حال و قال میں مریدنیوں کو بھی وجد ہوتا ہے۔ جوان جہان خوبصورت عورتیں الا اللہ کا نعرہ مار کر تصوف کے اکھاڑے میں کود پڑتی ہیں اور اپنے باپوں شوہروں بھائیوں اور بے شمار غیر مردوں کے سامنے بے خودانہ ناچتی تھرکتی اور کولہے مٹکاتی ہیں اور اس دھما چوکڑی میں کہیں سینہ کھل جاتا ہے، کہیں سر کے بال پریشان ہو جاتے ہیں۔ کہیں اس سے بھی زیادہ بے پردگی اور عریانی کا نقشہ نظر آ جاتا ہے تو یاران طریقت کے قلوب میں ایک شور اٹھتا ہے۔ وہ بھی دیوانہ وار اس مریدنی کے ساتھ اٹھ کر ناچنے لگتے ہیں اور یتخبطہ الشیطان من المس کا نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔

جو شخص کسی کا مرید ہو اس میں اگر کچھ مدت کی ریاضت سے صلاحیت پیدا ہو جائے تو اس کا پیر بن جانا لازمی ہے چنانچہ بعض مقامات پر ایسی مریدنیاں بھی موجود ہیں

Marfat.com

جو "پیرنیاں" بن چکی ہیں۔ مثلاً موضع چک ل ۱۲ر۴۴ (تحصیل و ضلع منٹگمری میں ایک عورت عرصے سے ڈیرا جمائے ہوئے ہے۔ اس کو مستانی شاہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ بعض لوگ "گھونی" اور "روڈی" بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ باقاعدہ سر منڈاتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ عورت ایک اچھے خاندان سے ہے۔ اس کا باپ ذیل دار اور شوہر نمبردار ہے۔ چھ سات سال ہوئے کسی فقیر کی صحبت کے اثر سے "مستانی شاہ" نے علائق دنیوی کو الوداع کہی اور تن بہ تقدیر گھر سے روانہ ہو کر یہاں پہنچ گئی۔

اس گاؤں کا ایک زمین دار میراں بخش نام مستانی شاہ کے خاص الخاص مریدوں میں سے ہے۔ اس نے پیر صاحبہ کو چھ سات بیگھے زمین بھی دے رکھی ہے جو اس گاؤں سے صرف سو قدم کے فاصلے پر ہے۔ پیر صاحبہ نے وہاں اپنا مسکن بنا رکھا ہے۔ مستانی شاہ کے مرشد پیر ہمن شاہ (یعنی پھندنا شاہ) بھی عام طور پر مریدنی کے پاس قیام رکھتے ہیں۔ یہ پیر مرید دونوں شریعت کے سخت دشمن ہیں۔ مستانی شاہ دن رات مردوں کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی، حقہ پیتی اور چرس اور بھنگ اڑاتی ہے۔ موسم بہار میں ایک سالانہ میلہ بھی لگاتی ہے جو تین چار روز تک جاری رہتا ہے اور علاقے بھر کے شہدے اور مسٹنڈے اس میلے میں جمع ہو جاتے ہیں۔

جب میلے کے موقع پر ڈوم ڈھاڑی آکر فحش اور خلاف تہذیب گیت گاتے ہیں، "بولیاں" بولی جاتی ہیں آس پاس کے دیہات سے نوجوان جمع ہوتے ہیں چک مذکور کی بعض بے حیا عورتیں شریک محفل ہوتی ہیں تو پیر مستانی شاہ درمیان میں خود بیٹھ کر ہو حق کے نعرے لگاتی ہے اور وجد و حال کی منزلیں طے کرتی اور کراتی ہے۔

نامہ نگار کا بیان ہے کہ اس آوارہ مزاج عورت کی صحبت میں فسق و فجور کی اس قدر کثرت ہو گئی ہے کہ کچھ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ گاؤں کے صرف چند ایسے گھر ہیں جنہیں اس سے نفرت ہے ورنہ باقی سب اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ کیا کوئی عالم دین اس لعنت زدہ گاؤں کی اصلاح کے لئے وعظ و پند کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔

انقلاب۔ جلد ۳۔ نمبر ۲۷۳۔ شنبہ۔ ۱۸ اپریل ۱۹۲۹ء[۹]

(۱۴)

قلعہ دیدار سنگھ (ضلع گوجرانوالہ) سے تقریباً ۱۳ میل مغرب کی طرف ایک چھوٹا سا گاؤں "بھڑی پاک رحمان" کے نام سے واقع ہے۔ "پاک رحمان" جن کے

Marfat.com

نام سے یہ گاؤں موسوم ہے کوئی خدا آگاہ بزرگ تھے ' جن کا مزار اس مقام پر واقع ہے ۔ ہر سال اس مزار پر بڑی دھوم دھام سے عرس منایا جاتا ہے ' جس میں انواع و اقسام کے فقرا ' رنگ رنگ کی طوائفیں اور قسم قسم کے قوال دور دور سے آکر فقر و کرامات ' حسن و جمال اور رقص و سرود کی نمائش کیا کرتے ہیں ۔

اکثر فقرا اس عرس میں شریک ہونے کے لئے قلعہ دیدار سنگھ میں سے گزرتے ہیں ۔ گزشتہ کئی سال تک ضلع گجرات کے کسی گاؤں میں میراسی فقیر بھی قلعہ دیدار سنگھ سے ہو کر عرس میں جایا کرتا تھا ۔ اس کی آنکھوں میں ہروقت ضرورت سے زیادہ سرمہ لگا رہتا تھا اور اسی وجہ سے لوگ اس کو " سائیں سرمے شاہ " کہا کرتے تھے ۔ سائیں صاحب کے ساتھ ان کی اہلیہ بھی تشریف لایا کرتی تھیں کیونکہ ان کو بھی فقیروں سے بہت دل بستگی تھی ۔

شومی قسمت سے کہیے یا رضائے الٰہی کہ تین سال ہوئے سرمے شاہ اس دار فانی سے انتقال فرما گئے اور آپ کے بعد آپ کی " سعادت مند اہلیہ " نے آپ کے شیوہ ہائے فقیری کو خود جاری رکھا تاکہ مرحوم کی یاد تازہ رہے ' یاران طریقت اس میراسی کی بیوی کو " بی بی سرمہ دانی " کے دل چسپ لقب سے یاد کرتے ہیں ۔ ہمارے نزدیک اس رعایت سے سائیں سرمے شاہ کو " سرمچو " کہا جاتا تو زیادہ مناسب تھا ۔

قلعہ دیدار سنگھ سے ہمارے نامہ نگار صاحب لکھتے ہیں کہ اس دفعہ انھیں بھی " بی بی سرمہ دانی " کی زیارت نصیب ہوئی ۔ قلعہ کے فقرا اور فقیر پرستوں نے بی بی صاحبہ کا جلوس بہت شان سے نکالا ۔ آپ ایک موٹے تازے گھوڑے پر سوار تھیں ۔ ایک خادم نے " بی بی سرمے دانی " کے سر پر چتر کا سایہ کر رکھا تھا ۔ آگے آگے بی بی صاحبہ کے عقیدت مند قوال طبلے اور سارنگیاں اٹھائے سرود و سماع میں مصروف تھے اور یہ عجیب و غریب شعر بار بار سنائی دے رہا تھا ۔

جب سے دیکھا ہے صنم تیرا تجلی ہم نے
توڑ تسبیح کو دیا پھونک مصلی ہم نے

" بی بی سرمے دانی " کے جلوس کے ساتھ ان کے مریدان خصوصی خراماں خراماں جا رہے تھے ۔ جب یہ طائفہ فقرا گلیوں اور بازاروں کا چکر کاٹ کر تکیے میں

Marfat.com

پہنچا تو وہاں پھر بڑے زور و شور سے قوالی ہوئی ۔ اتنے میں ایک فقیر " حال مست " ہنکارتا ہوا تکیہ میں داخل ہوا ۔ اس کا حلیہ سن لیجئے ۔ سر پر سہرا اور پرندوں کے رنگا رنگ پر آویزاں تھے ۔ گلے میں ہار بدن پر صرف ایک لنگوٹی ' باقی اللہ ہی اللہ ۔ داڑھی مونچھ اور ابرو صفا ' جسم میں بھبوت رمائی ہوئی ' ایک ہاتھ میں گھنٹی اور دوسرے میں ایک عورت کی تصویر لئے ہوتے تھا جو غالباً ململ کے تھان پر سے اتاری گئی تھی ۔

یہ فقیر سب تماشائیوں میں چکر لگاتا پھرتا تھا اور انھیں ایک تصویر دکھا کر کہتا تھا کہ یہ " مائی حوا " ہے (نعوذ باللہ) جس سے سارا جہان پیدا ہوا ہے ۔ کبھی لیٹ کر قلا بازیاں لگاتا ' کبھی " یا علی مدد " کے نعرے مارتا ۔ غرض اس ایک شخصیت نے سارے مجمع میں ہنگامہ پیدا کر رکھا تھا۔ صدہا تماشائیوں کے سامنے "بی بی سرے وانی" بھی بیٹھی ہوئی عشق الٰہی کے نشے سے جھوم جھوم کر مریدوں کی محفل میں کیف برسا رہی تھیں ۔ شام تک یہ اکھاڑا بدستور گرم رہا اور اس کے بعد یہ سارا قافلہ عرس میں حاضر ہونے کے لئے " بھڑی پاک رحمان " کو روانہ ہو گیا ۔ نامہ نگار صاحب وعدہ کرتے ہیں کہ عرس کے حالات بھی عنقریب قارئین " افکار " کی ضیافت طبع کے لئے پیش کئے جائیں گے ۔

ہمارے عہد کے اکثر حضرات نہایت آسانی سے یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ملاؤں کا طبقہ فنا کر دیا جائے تو بہتر ہے حالانکہ علمائے حق کی ضرورت سے ملت اسلامیہ کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتی اور علمائے سو ہر حالت میں فنا کر دینے کے قابل ہیں ۔ اب غور فرمایئے کہ ارباب طریقت تو " سائیں سرمچو شاہ " اور " بی بی سرے وانی " کی مستیوں کو کیف و جذب سمجھتے ہیں ۔ اصلاح کی صورت آخر کیونکر نکلے ؟ ایسی حالت میں اس کے سوا کچھ چارہ نہیں کہ کسی ذی اثر عالم دین کو اس علاقے میں بھیجا جائے جو دیہات کے جہال کے سامنے شریعت کے حقائق پیش کرے ' انھیں خدا کی طرف بلائے ۔ کیا قلعہ دیدار سنگھ میں کوئی عالم دین موجود نہیں جو اس قسم کی شرم ناک حرکات کے خلاف آواز بلند کرے ؟

انقلاب ۔ جلد ۳ ۔ نمبر ۲۹۰ ۔ جمعہ ۔ ۷ جون ۱۹۲۹ء

Marfat.com

(۱۵)

ایک نہایت معتبر نامہ نگار نے پھلواری (بہار) سے ایک مراسلہ بھیجا ہے۔ جس میں اس امر کا اعتراف ہے کہ "افکار و حوادث" کے کالم نے پیشہ ور پیروں اور بنے ہوئے صوفیوں کی قلعی کھول کر اسلام کی عظیم اشان خدمت انجام دی ہے لیکن مدیر "افکار" کو چاہئے کہ اپنی توجہات صرف پنجاب ہی کے پیروں پر مرتکز نہ رکھے کیونکہ اس قسم کے مکار پیر' فقیر ہندوستان کے ہر صوبے میں پائے جاتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد نامہ نگار موصوف نے صوبہ بہار کے ایک پیر کا حال لکھا ہے جو کسی قدر تصرف لفظی کے بعد درج کیا جاتا ہے۔

مضافات آرہ میں بسنت پور ایک بستی ہے' یہاں چند ایسے مسلمان آباد ہیں جنہوں نے خلق خدا کی تن پوشی کا فرض اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور جن کے بل پر گاندھی جی ہندوستان کو آزاد کرانے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ قوم اپنی سادہ لوحی اور عدم تعلیم کے اعتبار سے ہر جگہ مشہور ہے اور وہی حال بسنت پور کے نور بافوں کا ہے۔ پچھلے دنوں ایک پیر صاحب اس بستی میں وارد ہوئے۔ آپ نے ایک مومن بھائی کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ تمہارے والد اور تمہارے دادا ہمارے اور ہمارے بزرگوں کے مرید تھے لیکن تم نے سرکشی اختیار کرلی ہے اس کا نتیجہ اچھا نہ ہو گا۔

بھولے بھالے مومن بھائی ایک اجنبی کی زبان سے اپنے باپ دادا کا نام سن کر بے حد معتقد ہو گئے۔ خود بھی بیعت کی اور اپنے خاندان کی عورتوں کو بھی حضرت پیر صاحب کی خدمت میں پیش کیا تاکہ حضور اپنے فیوض و برکات سے ان بے چاریوں کو بھی مستفیض فرمائیں۔ پیر صاحب نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کی بیعت رات کے وقت ہوا کرتی ہے' لہذا اس کو فی الحال ملتوی رکھو۔ اس کے ساتھ ہی' پیر صاحب نے مرید کی شانزدہ سالہ بیوی کو تاکا۔ جب رات ہوئی تو ایک صاف ستھری کوٹھری میں بوریا ڈال کر اس پر صاف چادر بچھا دی گئی۔ اس پر حضرت پیر صاحب جلوہ افروز ہوئے اور اپنی ہونے والی مریدنی کے سوا باقی سب لوگوں کو ہٹا دیا۔

جب یہ پیر بے پیر اور وہ مست شباب مریدنی دونوں اکیلے) رہ گئے تو پیر صاحب نے تخلیہ کا پورا اطمینان کر کے مریدنی کو حکم دیا کہ اپنے منہ سے میرے سینے کو چوسو۔ پہلے تو وہ غریب جھجکی لیکن اس بدمعاش نے نہایت عارفانہ انداز سے کہا!

Marfat.com

فقیروں کی باتیں راز ہوا کرتی ہیں اور صورت سے زیادہ معنیٰ پر نظر رکھنی چاہئے ۔ دو چار دفعہ کے اصرار کے بعد وہ البیلی بھی رضا مند ہو گئی اور اس نے پیر صاحب کے حکم کی تعمیل شروع کر دی اور اس کے بعد پیر صاحب نے خود اس پر بھی دست درازی شروع کر دی اور اس کے سینہ حسن گنجینہ کو عشق مجازی سے بھرنے لگے ۔ لطیفہ یہ تھا کہ مریدنی تو پیر کی خدمت میں رات بھر حاضر رہی اور مریدنی کا شوہر آرام سے اپنے بستر پر سوتا رہا ۔ اس بدبخت کو یہ معلوم بھی نہ ہوا کہ اس کے سوتے سوتے اس کی بیوی عرفان کی کتنی منزلیں طے کر گئی ہے ۔

اس بستی میں کچھ دنوں سے ایک عورت بیمار تھی ۔ اس کا شوہر دعا و تعویذ کے لئے پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ پیر صاحب اس کے گھر پہنچے ۔ " ملاحظہ موقع " کے بعد فرمایا کہ تیل پر کچھ کلام پڑھ کر میں خود مریضہ کے بدن پر لگا دوں گا ۔ جس سے مریضہ کو فوراً صحت ہو جائے گی لیکن یہ عورت شریعت کے اس احکام سے باخبر تھی کہ کوئی غیر محرم عورت کے جسم کو مس نہیں کر سکتا ۔ اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اگر " دم کرنا " ہے تو سیدھی طرح سے بزرگوں کی طرح کر دو ' جسم کو ہاتھ لگانے کے کیا معنی ؟ جب پیر صاحب نے اصرار کیا تو سننے والوں کے دل میں کھٹکا پیدا ہوا اور یہ واقعہ زبان زد عام ہو گیا ۔

تفتیش حال کے بعد پیر صاحب کے شب گذشتہ کے کرتوت کا بھانڈا پھوٹ گیا ۔ بس پھر کیا تھا پیر صاحب نے راہ فرار اختیار کی اور قریب ہی ایک گاؤں دولت پور میں پہنچے لیکن بسنت پور سے بہت سے لوگ لٹھ لئے ہوئے وہاں پہنچ گئے ۔ وہاں کچھ پڑھے لکھے آدمی بھی موجود تھے ۔ جب پیر صاحب سے پوچھ گچھ ہوئی تو معلوم ہوا کہ آپ نے مرد سے تو " قادریہ " طریقے سے بیعت لی تھی اور اس کی بیوی سے " چشتیہ " طریقے میں مرید کیا تھا ۔ واضح رہے کہ یہ مشہور و معروف " چشتیہ " طریقے سے بالکل جدا چیز ہے اور اس کی وجہ تسمیہ وہی سینے کے چوسنے سے تعلق رکھتی ہے ۔

وہ تو دولت پور کے بعض لوگوں نے بیچ بچاؤ کر دیا ورنہ پیر صاحب کا فرق دان مبارک بالکل " فارغ البال " ہو جاتا لیکن ہمارے نزدیک بیچ بچاؤ کرنے والوں نے اچھا نہیں کیا ۔ ایسے بدمعاشوں کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان پر جی بھر کر کفش کاری کی جائے تاکہ یہ سلوک تمام جعلی پیروں فقیروں کے لئے باعث عبرت ہو ۔

انقلاب ۔ جلد ۴ ۔ نمبر ۸۰ ۔ چہار شنبہ ۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۹ء

Marfat.com

(۱۹)

دہلی میں " حلال پیرزادے ؒ نے " انقلاب " کے خلاف ایک طوفان بد تمیزی برپا کر رکھا ہے۔ متعدد اشتہارات شہر کی دیواروں پر چسپاں کئے گئے ہیں اور مساجد میں تقسیم کئے جا رہے ہیں، جن میں " انقلاب " اور مدیر " افکار " پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ بزرگان دین اور اولیائے کرام کی توہین کرتا ہے۔ ان لوگوں کو جھوٹ بولتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی۔ ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ ہم سے زیادہ بزرگان دین اور اولیائے کرام کا احترام کرنے والا کوئی نہیں اور ہم حضرت خواجہ نظام الدین، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ مخدوم علی ہجویری، حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کو نہایت مقدس بزرگ اور نہایت برگزیدہ اولیا اللہ اور خدام اسلام سمجھتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ " حلال زادے پیرزادے " برابر یہی بکے جا رہے ہیں کہ ہم اولیائے کرام کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں۔

مزاروں اور مقبروں کے متعلق ہمارا جو کچھ مشاہدہ ہے، وہ ہم نے آج تک کسی سے چھپایا نہیں۔ ہم اپنے مشاہدے کی بنا پر ہمیشہ لکھتے ہیں اور آج بھی اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ ان مقابر پر جو کچھ ہوتا ہے، وہ شریعت غرائے مصطفوی کے بالکل خلاف ہے۔ خدا کو چھوڑ کر بندوں سے بلکہ بندوں کی قبروں سے مرادیں طلب کی جاتی ہیں، رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوتی ہیں۔ بنے ہوئے پیر اور جھوٹے فقیر بزرگوں کی استخواں فروشی کر کے اپنی مٹھی گرم کرتے ہیں۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور کے جو مقاصد بیان کئے ہیں، ان سے مزارات و مقابر کے زائرین بالکل بے خبر ہیں اور اپنی جہالت کی وجہ سے دین توحید کو شرک آلود کر کے دنیا میں رسوا کر رہے ہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن کے کہنے سے ہم کبھی باز نہیں رہ سکتے کیونکہ ان کے اعلان میں ہمیں اللہ اور اس کے رسول پاک کی حمایت حاصل ہے اور کوئی پیرزادہ ہمیں اعلائے کلمتہ الحق سے نہیں روک سکتا۔

Marfat.com

رہا بائیکاٹ کا معاملہ تو اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ مسلمان اب اس قدر جاہل نہیں رہے کہ ایک بدوضع نوجوان کے کہنے پر، جس کے ماضی قریب کی نہایت دلچسپ داستانیں بعض واقفان اسرار نے ہمیں لکھ کر بھیجی ہیں، "انقلاب" کی خریداری ترک کر دیں گے۔ "حلال زادے پیرزادے" نے ہم پر توہین اولیا کا جو الزام لگایا ہے جب وہی "انقلاب" کے اوراق سے ثابت نہ ہوا تو کونسا مسلمان ہو گا جو اس عشوہ کار نوجوان کو خوش کرنے کے لئے ایک خادم اسلام جریدے سے مفارقت گوارا کرے گا؟

اگر ان تمام حقائق کے روشن ہو جانے کے بعد بھی بعض وابستگان پیرزادگان کرام "انقلاب" کو پڑھنا چھوڑ دیں گے تو ہزار دفعہ چھوڑ دیں۔ ہم کبھی یہ التجا لے کر ان کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے کہ آپ "انقلاب" ضرور خریدیئے ورنہ ہم بھوکوں مر جائیں گے۔ "انقلاب" کو فہیم و زیرک اور درد مند مسلمان پڑھتے ہیں، جاہل مریدوں کی جیبیں کاٹنے والے طباع پیرزادوں سے ہمیں کوئی توقع نہیں ہے۔ انھیں اس سے کیا واسطہ کہ "ہندو راج" کے منصوبے ہندوستان میں مسلمانوں کی جڑ کاٹ رہے ہیں اور آج لندن میں مسلم ہندی کی موت و حیات کا فیصلہ ہو رہا ہے۔[۱۲] انھیں تو اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے، مسلمان دوزخ میں جائیں یا بہشت میں۔ ایسے لوگوں سے "انقلاب" خود ہی کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتا۔ تم روٹھے ہم چھوٹے۔

دہلی کے وہ مسلمان جوان "حلال زادوں پیرزادوں" کے کہنے میں آ جاتے ہیں، ذرا ہماری بات بھی سنیں جب "ریاست" میں[۱۳] کسی مسلمان نے یہ لکھا تھا کہ مساجد کے آثار پر اگر کوئی کتب خانہ یا شفا خانہ بننے والا ہو تو مسلمانوں کو ان آثار کا انہدام گوارا کر لینا چاہیئے تو کیا آپ کی رگ حمیت میں کوئی جوش نہیں آیا تھا؟ کیا آپ نے دفتر "ریاست" میں پہنچ کر اس کے ایڈیٹر سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ اس نام نہاد مسلمان کا نام ظاہر کرے جس نے خدا کے گھر کی توہین کی ہے؟ اس توہین مساجد پر آپ لوگ ٹس سے مس نہ ہوئے اور "انقلاب" پر توہین مقابر کا الزام لگایا گیا، اس

Marfat.com

پر سیخ پا ہو گئے ۔ کیا ایمان ' اسلام اور انصاف کا یہی تقاضا ہے ؟ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپ کو مسجدوں سے زیادہ قبریں عزیز ہیں تو آپ ہی انصاف کیجئے ' کیا وہ شخص جھوٹ کہے گا ؟

" حلال زادے پیر زادے " سے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میاں ' زمانہ نازک ہے تم کچھ پڑھے لکھے بھی نہیں اور کوئی ہنر بھی نہیں جانتے ۔ روٹیوں کے لالے پڑ رہے ہیں ' اپنی اور اپنے باپ حافظ جی کی غریبی پر رحم کرو ۔ جو پیسے تم اپنے پاس سے یا کسی " بڑے پیرزادے " سے لے کر " انقلاب " کے خلاف اشتہاروں پر صرف کرتے ہو ' ان کا آٹا خریدو ۔ آج کل گیہوں سستا ہے ' سال بھر کے لیئے بے فکری ہو جائے گی ۔ دربدر کی مصیبت سے بچ جاؤ گے اور اگر مستقل آمدنی کی ضرورت ہو تو چاندنی چوک میں ہمارا ایجنٹ بیٹھتا ہے ' اس سے کچھ پرچے لا کر مہرولی میں بیچ لیا کرو ' بڑے آرام سے گزارہ ہوتا چلا جائے گا ۔

انقلاب ۔ جلد ۵ ۔ نمبر ۱۴۷ ۔ شنبہ ۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۰ء

(۱۷)

یکم جنوری کے " افکار " میں حضرت پیرن سائیں کے مزار اور اس کے خود ساختہ سجادہ نشین سائیں سلطان علی شاہ صاحب کا تذکرہ کیا گیا تھا ۔ اب ہمارے ضلع منٹگمری کے نامہ نگار صاحب نے اس سلسلے میں چند اور حقائق بھی لکھ بھیجے ہیں جو ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں ۔

سائیں سلطان علی شاہ کی عمر تقریباً پینتالیس سال ہے ۔ آپ کے منہ پر داڑھی بھی اور سر پر لمبے لمبے بال بھی ہیں ۔ گلے میں کفنی اور نیچے لنگوٹی ' یہ آپ کا لباس مبارک ہے ۔ صوم و صلوٰۃ سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتے ۔ بھنگ اکثر استعمال فرماتے ہیں ۔ دھونی رما کر بیٹھے رہتے ہیں ' جس کی راکھ عقیدت مندیوں اڑا لے جاتے ہیں جیسے گوری کا جوبن چٹکیوں میں اڑ جاتا ہے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ راکھ پچیس ہزار امراض متضادہ کے لئے اکسیر کبیر کا حکم رکھتی ہے ۔

سات قبروں کے مجاور یعنی " آل انڈیا اولیا کانفرنس " کے بانی سائیں سلطان علی

Marfat.com

شاہ صاحب کی پرائیویٹ سیکرٹری اور لنگر کی انچارج (اسے لنگوٹا نہ سمجھ لیجئے) ایک نوجوان بیوہ مسماۃ بھاگو ہے' جسے شاہ صاحب کسی دوسرے گاؤں سے لائے ہیں۔ نقدو جنس سب کچھ اسی مقربہ بارگاہ کی تحویل میں رہتا ہے۔ خدا جانے بھاگو حضرت شاہ صاحب کے پاس کس حیثیت سے رہتی ہے؟ نکاح کا تو کوئی ذکر مذکور نہیں' بس یوں سمجھ لیجئے کہ وہ ایک منظور نظر مریدنی ہے جس کے نزدیک شاہ صاحب کی صحبت میں رہنا سعادت دارین کا باعث ہے۔

شاہ صاحب کے والد مرحوم کو انتقال کئے تقریباً چالیس سال گزر چکے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک بزرگ پیر نتھو شاہ شیرازی (رہنے والے شیراز کے اور نام نتھو آخ تھو) کے مقبرے میں مدفون ہیں۔

عجب نحس است نام نحس نتھو   کہ اول "نہ" بود در آخرش تھو

ایک دن شاہ صاحب سے خواب میں ان کے والد صاحب نے فرمایا کہ بیٹا جس جگہ میری قبر ہے وہاں نتھو شاہ کے لنگر کے لئے بکرے ذبح ہوتے ہیں اور اس سے مجھے بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ کم بختوں نے میری قبر کو ذبح خانہ بنا رکھا ہے۔ تم مجھے کسی اور جگہ دفن کر دو۔ سعادت مند بیٹے نے صبح اٹھتے ہی دس پندرہ مریدوں کو ساتھ لیا اور اپنے ابا جان کی قبر کھود' ان کی چہل سالہ ہڈیاں نکال دوسری جگہ دفن کر دیں اور پختہ مزار بنوا دیا جس پر شاہ صاحب کا ایک نائب آسن جمائے بیٹھا ہے۔

تحصیل سمندری کے ایک اور گاؤں میں چھ ماہ ہوئے ایک نائی کو خواب میں "الہام" ہوا کہ فلاں مقام پر ایک شاہ صاحب کا مزار مٹی میں دبا ہوا ہے اس کو نکالو۔ چنانچہ اس نائی نے گاؤں کے چند آدمیوں کی مدد سے زمین کو کھودا تو وہاں بیچ بیچ ایک ٹوٹی پھوٹی پرانی قبر نکل آئی' چنانچہ ان بزرگ کی ہڈیاں نکال کر ان کا مزار از سر نو "تصنیف" کیا گیا۔ پیر حجام شاہ سجادہ نشین ہو گئے اور نذر نیاز آنی شروع ہو گئی۔ نائی نے حجامت کا کام چھوڑ کر کرامت کا دم مارنا شروع کر دیا۔

لیکن ہر فرعونے را موسیٰ۔ چند روز کے بعد "آل انڈیا اولیا کانفرنس" کے بانی سلطان علی شاہ کو معلوم ہوا کہ قبروں کو برآمد کرنے اور ایک جگہ سے اکھیڑ کر دوسری جگہ "جمانے" میں ان کا ایک حریف بھی پیدا ہو گیا ہے۔ آپ معاً وہاں پہنچے اور نائی سے کہنے لگے کہ اس بزرگ کا نام پیر رمز علی شاہ ہے۔ تم نے اس رمز کو فاش کر کے

Marfat.com

بہت برا کیا۔ ان کا " مرموز " رہنا ہی بہتر تھا اور اگر نکالنا ہی تھا تو اس کا حق صرف سیدوں کا حاصل ہے۔ نائی ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ اس قبر کے نزدیک ہی دو صاحب زادے اور ایک حرم محترم بھی مدفون ہیں۔ خبردار! تم دخل در معقولات نہ دینا۔ صاحب زادوں کو تو میں خود آ کر اکھیڑوں گا' رہیں حرم صاحبہ تو انھیں کوئی بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا' جو ایسی حرکت کرے گا اس پر بجلی گرے گی۔

اس نئی سراغ رسانی سے شاہ صاحب کے کمال کا بہت شہرہ ہو گیا۔ نائی آخر نائی تھا رعب میں آ گیا۔ چند روز بعد سلطان علی شاہ صاحب دوبارہ تشریف لائے اور نائی کو گدی سے بے دخل کر کے اپنے ایک بھائی کو سجادہ نشین بنا دیا۔ گویا " نائی شاہ " کی جگہ " بھائی شاہ " متمکن ہو گئے کیونکہ سجادہ نشینی صرف سیدوں کا حق ہے۔ اگرچہ " مونڈنے " میں تو نائی اور پیر فقیر یکساں ہیں۔ یہ ججمانوں کو مونڈتے ہیں' وہ مریدوں کی حجامت کرتے ہیں لیکن نذر نیاز وصول کرنا سیدوں کے سوا کسی اور کا حق نہیں۔

پیر رمز علی شاہ کی درگاہ پر بھی اچھی خاصی آمدنی ہو رہی ہے لیکن حجام ابھی تک اپنے دعویٔ سجادہ نشینی سے دست بردار نہیں ہوا۔ وہ کہتا ہے کہ اس " امریکہ " کا کولمبس میں ہوں۔ یہ نئی قبر میں نے دریافت کی ہے' لہٰذا میرا حق فائق ہے لیکن سیدوں کے مقابلے میں نائیوں کو کون پوچھتا ہے بے چارہ چند روز چیخ چلا کر خود ہی خاموش ہو جائے گا۔

اللہ اکبر' یہ وہ قوم ہے جو دنیا میں توحید کا پیغام لے کر آئی تھی' آج اس کی یہ حالت ہے کہ اس کے فرزند نئی قبریں نکال رہے ہیں تا کہ ان پر بندگان خدا کو شرک میں مبتلا کر کے اپنی مٹھی گرم کر سکیں۔

وائے گردر پس امروز بود فردائے

انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۱۷۷۔ یک شنبہ۔ ۱۱' جنوری ۱۹۳۱ء سنڈے ایڈیشن

Marfat.com

تعلیقات و حواشی

۱۔ سالک اہل حدیث مسلک پر عامل تھے لیکن انہوں نے اپنے اخبار کے ذریعے مسلمانوں میں فرقہ بندی کی مخالفت کی اور اتحاد بین المسلمین کی حمایت کی تھی۔ ان کا نظریہ تھا کہ مسلمانوں میں بے عملی، شریعت سے انحراف اور بے راہ روی کو فروغ دینے میں جاہل فقیروں اور بے عمل پیروں کا بہت بڑا حصہ تھا۔ چنانچہ آپ نے "زمیندار" میں ملازمت کے دوران ہی ان کے خلاف قلمی جہاد کا آغاز کیا تھا۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ان بہروپے پیروں اور فقیروں کا اصل روپ دیکھ لیں اور ان کے چنگل سے نکل آئیں۔

۲۔ مراد شاہ امان اللہ خان سے ہے۔ شاہ افغانستان یورپ روانگی سے قبل ہندوستان سے ہوتے ہوئے بمبئی سے بحری جہاز پر سوار ہوئے تھے۔

۳۔ اس زمانے میں انگریز افغانستان میں امان اللہ خان کے خلاف بغاوت کو اکسا رہے تھے اور افغانستان کے قدامت پرست ملا اور خوانین کو شاہ کی پیش کردہ معاشرتی اور سیاسی اصلاحات سے متعلق نفرت کے جذبات کو ہوا دے رہے تھے۔ اس مقصد کے لئے کرنل لارنس نے خفیہ طور پر کراچی اور صوبہ سرحد کا دورہ کیا تھا۔

۴۔ سائمن کمیشن کی لاہور آمد پر کانگریس نے زبردست مظاہرہ کیا تھا جس میں پولیس نے ہجوم پر اور لالہ لاجپت رائے پر لاٹھیاں برسائی تھیں۔ لالہ جی زخموں کی تاب نہ لا کر چند روز بعد فوت ہو گئے اور عوام میں اس واقعہ سے زبردست اشتعال پھیلا تھا۔ لاجپت رائے کا ۲۷ نومبر کو انتقال ہوا تھا۔

۵۔ غالباً "زمیندار"۔

۶۔ روزنامہ "سیاست" لاہور۔

۷۔ Civil and Military Gazette

۸۔ حال ضلع ساہیوال

۹۔ صحیح تاریخ ۱۸ مئی ۱۹۲۹ء تھی۔

۱۰۔ سہو کتابت کی بناء پر لفظ چھوٹ گیا تھا۔ اضافہ از مرتب۔

۱۱۔ "انقلاب" کے خلاف مہم میں خواجہ حسن نظامی کا ہاتھ تھا۔

۱۲۔ اس وقت لندن میں پہلی گول میز کانفرنس ہو رہی تھی۔ اس کانفرنس میں

Marfat.com

ہندوستان کے لئے آنے والی آئینی اصلاحات کے لئے ہندوستانی سیاست دانوں اور برطانیہ کے نمائندوں کے درمیان مذاکرات ہو رہے تھے۔

١٣۔ ہفت روزہ "ریاست" کے ایڈیٹر سردار دیوان سنگھ مفتون تھے اور متذکرہ بالا مضمون خواجہ حسن نظامی نے تحریر فرمایا تھا۔

١٤۔ مراد خواجہ حسن نظامی ہیں۔

Marfat.com

افکار و حوادث

(حصہ اول)

مرتبہ

محمد حمزہ فاروقی

اردو اکیڈمی ۰ لاہور

Marfat.com